خاص نمبر
ماہنامہ
آنکھ مچولی
کراچی
مفت
اس شمارے کے ساتھ
آنکھ مچولی پزل بک
کی کوئی قیمت نہیں

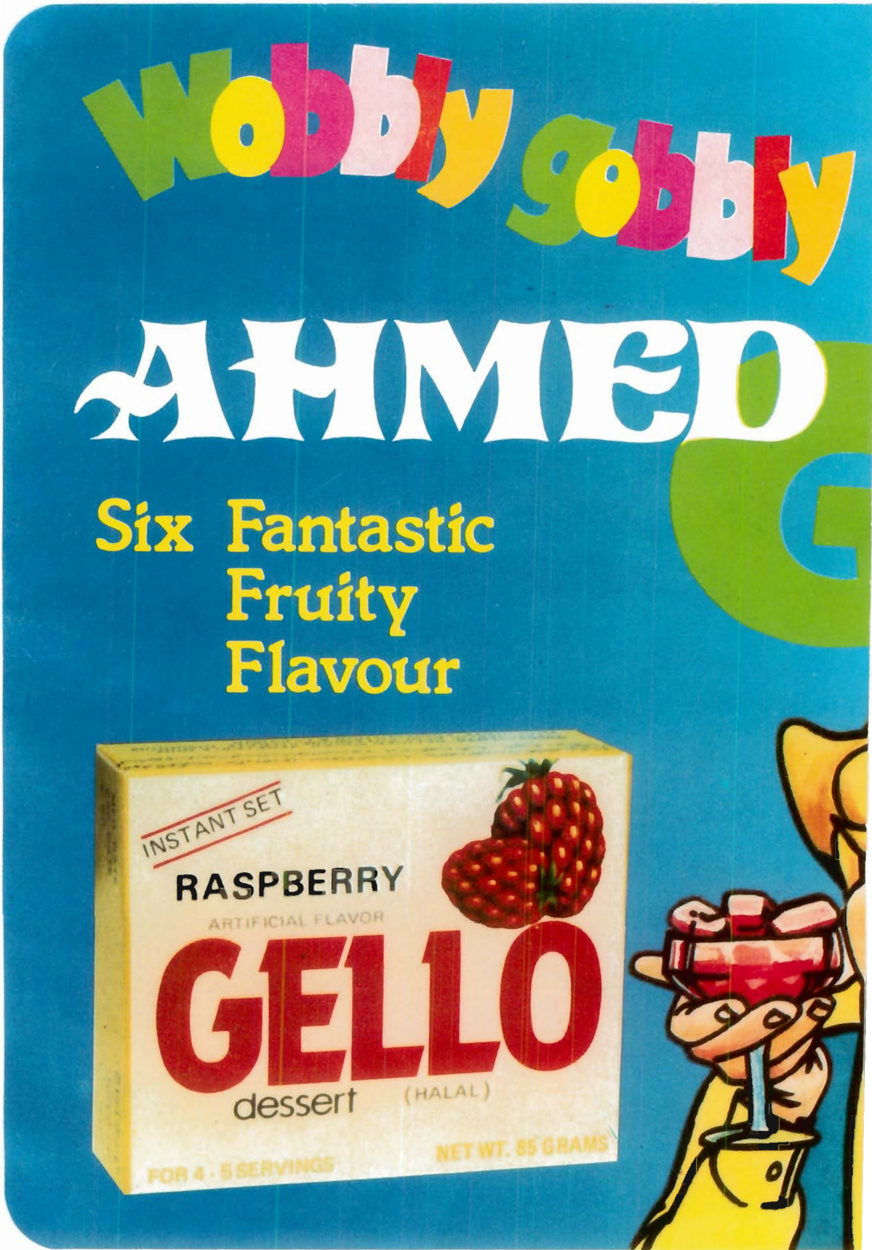

Wobbly gobbly
AHMED
Six Fantastic Fruity Flavour
INSTANT SET
RASPBERRY
ARTIFICIAL FLAVOR
GELLO
dessert
(HALAL)
NET WT. 85 GRAMS
FOR 4 - 5 SERVINGS

ello

Blue Band
MARGARINE
225 گرام
7.50 روپے
50 گرام
1.95 روپے
Blue Band
MARGARINE
بلوبینڈ مارجرین — غذائیت اور لذت سے بھرپور
بچوں کو توانائی کا خزانہ چاہیئے۔ اپنے بچوں کو بلوبینڈ دیجئے کیونکہ
بلوبینڈ بچوں کی بہترین نشوونما کرنے والی غذا کا ایک اہم حصہ ہے۔ غذائیت
اور لذت سے بھرپور بلوبینڈ میں وٹامن اے اور ڈی شامل ہیں۔
بلوبینڈ کو ڈبل روٹی کے سلائس یا بن پر لگا کر دیجئے،
آپ کے بچے اس کو بہت پسند کریں گے۔
بلوبینڈ نے صحت کو لذت کی شکل دی ہے!
بلوبینڈ مارجرین
خاندان کی چاہت بھری نگہداشت کے لئے

Krunchie
WAFERS
Available in 9 sensational flavours
MEHTAB
Krunchie
Lemon Wafers
100 gms for Rs. 5.50 & 50 gms for Rs. 3.00

The Perfect Combination
AHMED'S
Tomato Ketchup
AHMED
Taste of the tastiest tomatoes
—Ahmed Tomato Ketchup.

آنکھ مچولی

جلد نمبر ۱ ، شمارہ نمبر ۷

جنوری ۱۹۸۷ء ، ربیع الثانی . جمادی الاوّل ۱۴۰۷ھ

قیمت : ۱۰ روپے

زرِ سالانہ مع خصوصی شمارے

عام ڈاک سے : ۵۴ روپے ، بذریعہ رجسٹری : ۹۰ روپے

آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی تمام تحریروں کے حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ پیشگی اجازت کے بغیر کوئی تحریر شائع نہیں کی جا سکتی۔

سرپرست ڈاکٹر ابواللیث صدّیقی

مُدیر اعلیٰ ظفر محمود شیخ

مُدیر مسئول تجمّل حسین چشتی

مُدیرانِ اعزازی امجد اسلام امجد
محمّد سلیم مُغل

مُدیرِ مُعاون محمد اعظم منہاس

قانونی مشیر (اعزازی) خواجہ عدیل احمد (ایڈووکیٹ)

ناظم اشتہارات طارق ظفر برنی

کیلی گرافی رئیس احسن

ماہنامہ آنکھ مچولی میں شائع ہونے والی کہانیاں اور اُن کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ کسی اتفاقیہ مماثلت کی صورت میں ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔

گرین گائیڈ اکیڈمی

ادارہ اشاعت برائے

تعلیم و تعمیرِ سیرتِ اطفال

زیرِ سرپرستی

ضمیرالدین میموریل آرگنائزیشن

ناشر ظفر محمود شیخ
طابع زاہد علی

مطبع
ادیب پرنٹنگ پریس
ایم اے جناح روڈ، کراچی

برائے خط و کتابت و مقام اشاعت
گرین گائیڈ اکیڈمی
۱۱۲ - ڈی نورس روڈ
سائٹ ، کراچی

حُسنِ

اچھی بات — حکایت سعدی — ۶
بات چیت — اداریہ — ۷
ورق گریہ — ایک خط — ۹
حمد باری تعالیٰ — محمد امان خان دل — ۱۰
نعت رسول مقبول — عائشہ فریدی — ۱۱
ڈاک ڈاک کس کی ڈاک — خطوط اور ان کے جوابات — ۱۳
نامے مرے نام — علمی ادبی شخصیات کے تاثرات — ۲۱
طالوت جالوت — قرآنی کہانی، راہنما سے ماخوذ — ۲۷
ہے نا حیرت کی بات — وجیہہ احمد صدیقی — ۳۸
خوشاب کا تیتر — احمد ندیم قاسمی — ۴۱
لذیذار لطیفے — منتخب لطائف — ۵۷
مسٹر گگڑوں کوں سے ملاقات — احمد حاطب صدیقی — ۷۵
معرکہ حق اسکواڈ — اخلاق احمد — ۸۱
ڈاک ٹکٹ جمع کرنا — مشاغل کی کہانی — ۹۵
مردہ باد، زندہ باد — ابونثر — ۱۰۱
حارد شار وادر — مانی — فاطمہ ثریا بجیا — ۱۲۰

ترتیب

جو آج بھی زندہ ہیں — صدف حنین کاظمی — ۱۳۱

آئیے ڈرامے لکھنا سیکھیں — امجد اسلام امجد — ۱۳۵

سُرخ مچھلی — ثاقبہ رحیم الدین — ۱۴۰

اندھا بابا — طاہر مسعود — ۱۴۹

دھرتی پر میرا سفر — سید ابو احمد عاکف — ۱۵۳

کینہ پرور پری — ضیاء الحق قاسمی — ۱۶۰

سکون — مصطفٰی چاند — ۱۶۷

شام کا بھولا — سید عبدالودود شاہ — ۱۷۷

پالش والا — عظیم سرور — سلسلہ وار ناول ترومی بھیس بدلتا ہے — ۱۸۵

مواصلاتی سیارے — محمد سلیم مغل — ۲۰۱

جادو سے توبہ — غازی مختار — ۲۰۹

مقابلہ معلومات نماز — ادارہ — ۲۴۲

دائرہ معلومات — ام رباب جعفری — ۲۵۲

ننھے ہاتھ ننھی تحریریں — ۲۷۵

آؤ ملائیں ہاتھ — قلمی دوستی — ۲۹۸

ایک صفحہ امی ابو کے لئے — بچوں کی تربیت کے لئے رہنما اصول — ۳۰۲

اچھی بات

جیسے ہی سورج غروب ہوتا ایک غریب بڑھیا اپنی گلی کے موڑ پر ایک چھوٹا سا دیا روشن کر کے چلی جاتی۔ ایک روز کسی نے بڑھیا سے کہا کہ تمھارے اِس دیئے سے کسی کو کیا فائدہ؟ اس کی تو روشنی ہی محدود ہے۔

بڑھیا نے جواب دیا "میں اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق یہ دیا جلا دیتی ہوں، جس سے گلی کا ایک کونہ تو روشن ہو ہی جاتا ہے...... اسی طرح ہر فرد ایک چھوٹا سا دیا ہی اپنی اپنی جگہ جلاتا رہے تو پورا شہر روشنیوں سے جگمگا اُٹھے۔"

حکایت سعدی

قرآنی آیات، احادیث مبارکہ اور مقدس نام آپ کے مطالعے اور معلومات کے لئے شائع کئے جاتے ہیں۔ ان کا احترام اور انہیں بے حرمتی سے بچانا آپ کا دینی فرض ہے.. اگر کوئی ایسا کاغذ کہیں گرا ہوا نظر آجائے جس پر آیات، احادیث یا متبرک نام لکھے ہوتے ہوں تو آپ انہیں کسی محفوظ مقام پر رکھ دیں یا پاک صاف پانی میں بہادیں۔

بات چیت

اچھے دوستو

اس بار بھی کراچی ہنگاموں کی لپیٹ میں رہا ...

اور ہنگامے بھی ایسے کہ سن کر روح تک کانپ جائے ....آپ نے ان ہنگاموں کی تفصیلات اخبار میں ضرور پڑھی ہوں گی .... سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہمارے عقائد اور عبادتیں ایک ہیں اور ہم ایک ہی خدا کے ماننے والے ہیں تو پھر ہمارے ہاتھ ایک دوسرے کے خون سے کیوں رنگ جاتے ہیں۔

حضور اکرمؐ کی حدیث ہے کہ "جو شخص نرمی سے محروم رہا، وہ بھلائی سے محروم رہا" ہمارے دلوں کی تھر بتی ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ کہیں ہم ہی تو وہ نہیں جو بھلائی سے محروم کر دیئے گئے ... اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کر دے اور ہمارے اندر محبتیں اور بھائی چارگی پیدا کر دے، بے بسی کے اس عالم میں دعاؤں کے علاوہ اور رہ بھی کیا جاتا ہے، آپ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے ملک و ملت کو ہر طرح کے انتشار سے بچائے ... سنا ہے بچوں کی دعائیں جلدی قبول ہوتی ہیں، .... آپ ہر نماز کے بعد اپنے والدین اور بزرگوں کے علاوہ، اپنے ملک اور ملت کی بھلائی کے لئے بھی دعا مانگنے کو اپنی عادت بنالیں،

اس بار خراب حالات کی وجہ سے گلیاں سنسان اور محلے ویران پڑے رہے ... دفاتر بھی بہت دنوں تک بند رہے اور کاروبارِ زندگی معطل ہو کر رہ گیا تھا اور ایسے میں خاص نمبر کا آنا دشوار تو کیا ناممکن نظر آنے لگا تھا.... مگر ہم نے آپ سے جو وعدہ کیا تھا، ہمیں وہ یاد تھا ... ہم نہیں چاہتے تھے کہ ہماری بدعہدی آپ کے ننھے ننھے دلوں کو دکھا دے ... سو ہم نے خوب کام کیا، اور اب ہمارے اطمینان کے لئے یہ بات کیا کم ہے کہ خاص نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے .. پڑھئے اور سچ سچ بتایئے کیسا لگا آپ کو خاص نمبر —— ؟؟

آپ کا دوست

ظفر محمود شیخ

پُرلطف پُرذائقہ
ٹھنڈے ٹھنڈے مزیدار
ھوئیسٹ
ڈراپس
گلے کی خراش میں انتہائی مفید
HOEST
DROPS
delicious
cool
refreshing
450
GRAMS
HOEST

ورقِ گریہ

۷۸۶

از علیگڑھ کالونی کراچی

جناب مدیر صاحب آنکھ مچولی۔ السلام علیکم

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے

اس بار آپ کا دسمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا مجھے اور میرے گھر والوں کو بہت پسند آیا مگر مجھے یہ رسالہ دو دفعہ خریدنا پڑا کیونکہ میرا پہلا رسالہ بستے میں رکھا ہوا تھا اور میرا بستہ اور میری کتابیں جل گئیں آپ نے اخبار میں پڑھا ہوگا ہمارے محلے میں بہت لڑائی ہو گئی تھی اور بہت لوگ مر گئے تھے۔ اسی میں ہم لوگوں کا گھر بھی جل گیا تھا۔ ہم لوگ اپنے چچا کے گھر میں رکے ہوئے تھے۔ ہمارے کچھ رشتے دار بھی مر گئے کچھ زخمی بھی ہو گئے ہیں۔ امی کی طبیعت بہت خراب ہے۔۔ ہمارا ایک دوست تھا جو اسکول میں بھی ساتھ تھا وہ بھی مر گیا وہ بہت شریف تھا اور کسی سے لڑتا بھی نہیں تھا ابھی وہ ساتویں میں پڑھتا تھا ہم کو اس کا بہت افسوس ہے۔ آپ اس کی تصویر بھی دوستی میں ضرور شائع کریں اور ایک نظم میں نے خود لکھی ہے آپ کو بھیجوں گا آپ شائع کریں گے یا نہیں مجھے ڈاک ٹکٹ کی ڈاک میں جواب ضرور دیجئے۔ اللہ کرے آپ کا رسالہ اور اچھا ہو جائے۔ ہماری سب کی دعا ہے

السلام علیکم خدا حافظ

آپ کا بھائی احمد حسین

19—12—86

حمدِ باری تعالیٰ

خالق ہے تو زمیں کا تاروں کا آسماں کا
شمس و قمر کا خالق مالک ہے تو جہاں کا
کانٹوں میں تیری قدرت پھولوں میں تیری رنگت
تیرے ہی دم سے یارب جلوہ ہے گلستاں کا
جو کچھ ہے اس زمیں پر جو کچھ ہے آسماں پر
مالک ہے تو یہاں کا مالک ہے تو وہاں کا
دنیا کی نعمتوں سے تو نے ہمیں نوازا
رزاق تو ہمارا رزّاق کُل جہاں کا
ہر سانس ہے ہمارا تیرے ہی دم سے قائم
ہر شےء کا تو ہے مالک مالک ہماری جاں کا
رہنے کو تو نے یارب فرشِ زمیں بچھایا
اور آسماں کو درجہ بخشا ہے سائباں کا
تو نے ہی دِل کو یارب ذوقِ سخن دیا ہے
اہلِ زباں کا مالک مالک ہے بے زباں کا

محمد امان خاں دِل

نعتِ رسولِ مقبول

نور ہیں نورِ مجسّم ہیں رسولِؐ عربی
وجہہ تخلیق دو عالم ہیں رسولِؐ عربی
مجھ پہ رحمت کا اک ادنیٰ سا اشارہ ہو جائے
خود ہی مٹ جائیں گے جو غم ہیں رسولِؐ عربی
آپؐ ہیں دل کے ہر اک درد کا درماں آقا
آپؐ ہر زخم کا مرہم ھیں رسولِؐ عربی
ناز فرما ہے مشیت تو فرشتے قرباں
مرحبا عظمتِ آدم ھیں رسولِؐ عربی
یوں تو محروم نظارہ ہیں نگاہیں میری
فاصلے دل سے بہت کم ہیں رسولِؐ عربی

عائشہ فریدی

قالین کی صفائی میں سب سے اعلیٰ

ٹپ ٹاپ

ڈرائی کلینرز

فون : ۴۱۴۴۶۴

۴۳۷۱۴۳

علامہ اقبال روڈ

پی ای سی ایچ ایس

حسن اپارٹمنٹس
۴۴۰۶۴

ناظم آباد
۶۱۳۸۱۶

کلفٹن
۵۳۰۲۶۹

ڈیفنس سوسائٹی
۵۴۲۱۶۳

ڈاک ڈاک کس کی ڈاک

کارکنانِ آنکھ مچولی کو آداب

سب سے پہلے تو نئے سال کی مبارکباد قبول فرمائیے،

آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ کون آگیا مبارکباد دینے ۔۔۔! دراصل میں "آنکھ مچولی" کا نیا قاری ہوں یہ رسالہ بچوں کا بہترین رسالہ ہے، اور میری معلومات کے مطابق چھوٹے تو چھوٹے، بڑے بچے بھی یہ رسالہ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں، یاد رہے کہ یہ میرا پہلا خط ہے، امید ہے شائع فرماکر حوصلہ افزائی کریں گے۔ انشاءاللہ آئندہ بھی حاضر ہوتا رہوں گا،

(حسن رضا مظفر، سکول محلہ، منڈی بہاؤالدین)

اچھے ساتھی ۔۔۔ حسن رضا

وعلیکم مبارکباد ۔۔۔ اگر آپ محرم الحرام یعنی اسلامی سال کے پہلے ماہ کے آغاز پر سال نو کی مبارکباد دیتے تو ہمیں زیادہ خوشی ہوتی، آپ "آنکھ مچولی" کے نئے قاری ہیں، ہم "آنکھ مچولی کے ہجولیوں کی محفل میں آپ کو تہہ دل سے خوش آمدید کہتے ہیں، ۔۔۔ دیکھئے ہم نے آپ کے پہلے ہی خط کا جواب دے دیا ہے، تو پھر اس حوصلہ افزائی کے عوض اپنی تحریریں کب بھیج رہے ہیں!!

محترم ظفر صاحب ۔۔۔ السلام علیکم

پہلی بار خط لکھ رہا ہوں،

"آنکھ مچولی" کا شمارہ پڑھا، اس کے تمام مضامین معلوماتی اور کہانیاں جدوجہد کا سبق دیتی ہیں، المختصر "آنکھ مچولی" اچھے مضامین اور بہترین کہانیوں سے مزین ایک کتاب کی صورت میں ہر ماہ ملک کے ہزاروں نونہالوں کی ذہنی تربیت اور نشوونما میں بھرپور کردار کر رہا ہے، مختصر عرصے میں اس نے اپنی ساکھ بنالی ہے جو قابل تحسین قدم ہے، ایک تجویز پیشِ خدمت ہے،

"گلدستہ" کے عنوان سے مختلف تحریروں، اشعار، اقوال، اور خوبصورت باتوں اور معلومات کا ایک سلسلہ شروع کریں،

(غلام حسین، کھائی روڈ، حیدرآباد)

برادر ــــ غلام حسین

لیجئے ہم بھی پہلی بار جواب دے رہے ہیں۔ "آنکھ مچولی" سے متعلق آپ کی رائے پڑھ کر ہمیں خوشی ہوئی اس پسندیدگی پر ہم اس عزم کے ساتھ شکریہ ادا کر رہے ہیں کہ "آنکھ مچولی" کی بہتری کے لئے اپنی کاوشیں جاری رکھیں گے۔ آپ کی تجویز ہمیں اچھی لگی۔ دیکھ لیجئے اسی شمارے "خاص نمبر" سے ہی ہم نے بڑے لوگوں کی بڑی باتیں" کے عنوان سے اس سلسلے پر عمل شروع کر دیا ہے، آپ جیسے قدر شناس قارئین "آنکھ مچولی" کے لئے قابل فخر ہیں، امید ہے آئندہ بھی یاد رکھیں گے،

مدیر محترم ــ سلام مسنون

آپ کا بہت بہت شکریہ ــ کہ اس ماہ آپ نے رسالہ وقت پر بھیج دیا، اب میں اسکول ہی میں اپنے دوست خالد کے ساتھ بیٹھ کر دائرہ معلومات کا حل بھیج رہا ہوں، آپ ذرا یہ بتا دیں کہ ان جوابات کے ساتھ دائرہ بھیجنا ضروری ہے یا نہیں؟ ــ براہ کرم سرورق ایسا دیا کریں جو سمجھ میں آسکے یا پھر اس کی وضاحت کر دیا کریں، یقین کریں اب تک ہم دونوں دوست دسمبر کے شمارے کے سرورق کا مطلب نہیں سمجھ سکے اور ہماری گزارش ہے کہ کوئی با مقصد سرورق دیا کریں، مہربانی ہوگی،

(ابوبکر و محمد خالد، بدوکی گوسائیاں، گوجرانوالہ)

برادران ابوبکر اور خالد،

رسالہ آپ کو بروقت مل گیا ــ آپ کی دعائیں شاملِ حال رہیں تو انشاءاللہ آئندہ بھی رسالہ وقت پر آپ تک پہنچتا رہے گا، دائرہ معلومات کے جوابات، دائرہ کے ساتھ علیحدہ کاغذ پر بھی بھجوانا ضروری ہیں، شمارہ دسمبر کا سرورق آپ کی پسند کے مطابق نہ تھا، جبکہ ہمیں موصولہ خطوط کے مطابق بچوں کی اکثریت نے اس سرورق کو از حد پسند کیا ہے، آپ ہی کے ایک دوست سرگودھا کے برادر جواد نے تو اس پر نظم بھی لکھ ڈالی ہے، جسے ہم خاص نمبر میں جگہ دے رہے ہیں، اسے پڑھ کر آپ اس سرورق کا مطلب بخوبی سمجھ جائیں گے، ــ اچھے ساتھی ــ دراصل بچوں کے ماہرین نفسیات اور مربین حضرات کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ مزاح اور استعجاب پیدا کرنے والے سرورق بچوں کی از حد دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں

جو ایک طرف اُن کے دل کو بھاتے ہیں، تو دوسری طرف اُن کی حسِ تنقید کو بیدار کرتے ہیں اور اُن کی ذہنی تفریح میں اضافہ کرتے ہیں، اور اس طرح اُن کی ذہنی صلاحیتوں میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں کیوں ــ ٹھیک ہے ناں!!

◇ پیارے انکل ــ آنکھ مچولی کو سلام قبول ہو!

میں نے دو کہانیاں بھیجیں، مگر آپ نے ابھی تک کوئی کہانی شائع نہیں کی، لگتا ہے یہ رسالہ ہمارے لئے نہیں بلکہ آپ کے رشتہ داروں کے لئے ہے ــ اور اب "آؤ ملائیں ہاتھ" کے لئے تصویر اور تعارف بھیج رہا ہوں امید ہے اسے ردّی کی ٹوکری میں نہیں ڈالیں گے،

(حمّاد اقبال، منگھوپیر روڈ، کراچی)

◆ پیارے بھائی ــ حمّاد

آنکھ مچولی نے آپ کا سلام قبول کرلیا ہے،

آپ کی کہانی کے نہ شائع ہونے پر آپ نے ہم پر اقربا پروری کا الزام عائد کیا ہے ــ حقیقت اس کے برعکس ہے، دیکھئے، ہمارے پاس ہر ماہ اتنی ڈھیر ساری تحریریں آتی ہیں کہ اگر ان سب کو شائع کردیا جائے تو آپ کا "آنکھ مچولی" ٹیلیفون ڈائریکٹری سے بھی بھاری ہوجائے، اور ــ قیمت کا تو پوچھئے ہی نہیں اٹھانا بھی مشکل ہوجائے پھر بھی آپ مایوس نہ ہوں، آپ کی تحریر اگر اچھی، سبق آموز، اور معیاری ہوئی تو ضرور شائع ہوگی، "آؤ ملائیں ہاتھ" کے لئے آپ کی تصویر اور تعارف اپنی باری کا منتظر ہے،

◇ محترم مدیر صاحب ــ آداب

میں "آنکھ مچولی" کا سالانہ خریدار ہوں، اس ماہ کا "آنکھ مچولی" بذریعہ ڈاک موصول ہوا، لفافے پر شاید جناب ٹکٹ لگانا بھول گئے تھے۔ اس لئے ڈیڑھ روپیہ بھی جیب سے ادا کرنا پڑا، آپ کو شاید یقین نہ آئے، اس لئے لفافہ ساتھ ارسال کررہا ہوں۔

(یونس شاہد اُداس، شاہی ہاؤس، لاہور)

◆ شاہد بھائی

آپ کے لفافے پر ٹکٹ چسپاں نہ تھے ــ ہم اس غفلت پر معذرت خواہ ہیں، اصل میں "آنکھ مچولی" آپ کی محبت میں بے قرار تھا، اُسے آپ تک پہنچنے کی اتنی جلدی تھی کہ ٹکٹ لگنے کا تکلف بھی برداشت نہ کیا اور کسی وقت چُپکے سے ہمارے دفتر سے نکل بھاگا ــ اور آپ اتنی سی بات پر اُداس ہوکر اپنا تخلص اُداس رکھ بیٹھے!! امید ہے "آنکھ مچولی" کی محفل میں شرکت جاری رکھیں گے،

جناب مدیر آنکھ مچولی

میں نے آپ کو لطائف اور اپنی تصویر اشاعت کے لئے بھیجی تھی، مگر آپ نے شائع نہیں کی، اس بنا پر میں سخت ناراض ہوں، جبکہ کوٹ غلام محمد میں تو رسالہ آتا ہی نہیں ہے اور میں بڑی مشکل سے رسالہ منگواتا ہوں، اگر آپ میری تصویر شائع کردیں گے تو ٹھیک — ورنہ آئندہ میں رسالہ نہیں خریدوں گا، .

(محمد رؤف آرائیں، کوٹ غلام محمد، تھرپارکر)

برادر عزیز۔ رؤف آرائیں

آپ تصویر اور لطیفے شائع نہ ہونے پر ہم سے ناراض ہیں، — دیکھئے اتنا غصہ اور ناراضگی اچھی بات نہیں، آپ کوئی نیا اور اچھا سا لطیفہ روانہ کریں۔ پھر دیکھیں ہم شائع کرتے ہیں کہ نہیں۔

رہا مسئلہ تصویر کا — تو ہم نے پہلے بھی یہ درخواست کی تھی کہ ایسی تصاویر بھیجی جائیں جو کھیلتے کودتے ہوئے، گھر سے باہر کسی خوبصورت مقام پر یا پکنک مناتے ہوئے، کوئی شرارت کرتے ہوئے یا کسی نئے اور اچھوتے انداز سے کھینچوائی گئی ہوں — امید ہے آپ ہماری بات سمجھ گئے ہوں گے،

اور ہاں — آپ کے مقام پر "آنکھ مچولی" نہیں ملتا اور اس کے حصول کے لئے آپ کو میلوں سفر کرنا پڑتا ہے، ہمیں اس تکلیف کا احساس ہے، اس کے پیش نظر ہمارا مشورہ ہے کہ یا تو آپ اپنے نیوز ایجنٹ سے کہیں کہ وہ رسالہ منگوا کر دے دیا کرے یا پھر ایک سال کے شماروں کی رقم منی آرڈر کردیں (عام ڈاک سے ۴۵ روپے اور بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک منگوانے کی صورت میں ۹۰ روپے) اس طرح ماہنامہ "آنکھ مچولی" آپ کو گھر بیٹھے مل جایا کرے گا — کیسی رہی یہ ترکیب !!

ڈئیر بھائی جان —

دسمبر کا آنکھ مچولی پڑھا، ایک غلطی کی نشاندہی کر رہا ہوں، مضمون "ورلڈ کپ کرکٹ" میں صفحہ ۴۴ پر تحریر کیا گیا ہے کہ، اجیت ڈی سلوا، اور سوما چندراڈی سلوا، سری لنکا، کی ٹیم میں اچھے اسپنرز ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اجیت ڈی سلوا پر سری لنکا کے چند اور کھلاڑیوں کے ساتھ جنوبی افریقہ کا دورہ کرنے کی پاداش میں دو یا تین برس پہلے پابندی لگادی گئی ہے اور سوما چندراڈی سلوا بھی گزشتہ ڈیڑھ برس سے سری لنکن ٹیم میں شامل نہیں، آج کل سری لنکا کی ٹیم میں بائیں ہاتھ سے اسپن بالنگ کرنے والے صرف ایک بولر ہیں، جن کا نام اجیت ڈی سلوا نہیں بلکہ ڈون انوراسری ہے،

بھائی جان — آپ سے ایک بات یہ بھی معلوم کرنا تھی کہ کیا "پہیلی" لکھنے والے پروفیسر عنایت علی خان وہی ہیں جو ہمارے شہر حیدرآباد کی مشہور ادبی شخصیت ہیں۔

(سلمان شیخ، بیراج کالونی، حیدرآباد)

چھوٹے سے بھائی — سلمان شیخ

ہم مان گئے — کہ کرکٹ سے متعلق آپ خاصی معلومات رکھتے ہیں اور "آنکھ مچولی" کے تنقیدی نگاہ سے مطالعہ پر ہم آپ کو داد دیتے ہیں، اُمید ہے آئندہ بھی نظرِ کرم فرماتے رہیں گے — دراصل آنکھ مچولی میں موجود تمام خوبیاں، اللہ پاک کا فضل و کرم اور آپ ساتھیوں کی دعاؤں کی بدولت ہیں اور خامیاں صرف ہماری ناپختہ کاری کا باعث — بہرحال آپ نشاندہی کرتے رہا کریں، اسی طرح آپ کا رسالہ دن بدن معیاری ہوتا چلا جائے گا۔ انشاءاللہ

محترم پروفیسر عنایت علی خان کو آپ نے خوب پہچانا، عنایت صاحب نہ صرف حیدرآباد کی علمی و ادبی شخصیت ہیں بلکہ نوجوانانِ وطن کو زیورِ تعلیم سے بھی آراستہ فرما رہے ہیں۔

بہت سے ساتھیوں نے ہمیں خط لکھ کر آنکھ مچولی کی پسندیدگی کا اظہار کیا، بہت سی تجاویز اور مشورے بھجوائے، صفحات کی کمی کے باعث ہم ان کے مکمل خط تو شائع نہیں کر رہے، البتہ شکریہ کے ساتھ ان کے نام شائع کر رہے ہیں، ہمیں امید ہے یہ آئندہ بھی ہمیں اسی طرح یاد رکھیں گے

- مبشر احمد ترمذی، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
- فاخرہ فاروق، سیالکوٹ۔
- نام نہیں لکھا، کھڈہ مارکیٹ، کراچی
- منظہر حسین طوری، محلہ دراب، وزیرآباد
- نوشین شفیق، حیدرآباد
- محمد کامران سلیم، نیو کراچی
- سید ناصر علی، آفندی ٹاؤن، حیدرآباد
- ابنِ رسول بخش، ماڈل اسکول جھٹ پٹ
- محمد ہمایوں یعقوب حویلیاں، ہزارہ
- شیخ محمد حماد اقبال کراچی۔
- عمران احمد خان، ماڈل اسکول، بھکر
- محمد اسلم، محلہ محمد نگر، لانڈھی
- رسول بخش، مڈل اسکول جھٹ پٹ
- چوہدری ساجد حسین، رتن تالاب کراچی
- محمد اشرف جاوید، محلہ حمد پورہ، اوکاڑہ
- سیدہ شاہ نور افشاں، نارتھ کراچی
- ثناء اللہ شاہ، اتفاق آباد، ٹوبہ ٹیک سنگھ
- عبدالعزیز میمن، نیو کلاتھ مارکیٹ سکھر
- تنظیم عباس زیدی، احاطہ اتم سنگھ راولپنڈی
- ہمایوں بشیر، کمیٹی چوک، راولپنڈی
- انور احمد لطیف آباد، حیدرآباد
- عبداللہ آزاد، منظور کالونی، کراچی
- سلطان بشیر، جی سکس فور، اسلام آباد
- شکیلہ کوثر، رسول آباد، تھرپارکر
- فاروق شاہ، لیاقت آباد، کراچی
- فرحان احمد لئیق، ایم اے جناح روڈ کراچی
- غلام شکیل، سعود آباد، کراچی
- ایم وائی صنم، انڈیا نا گلاس، فیکٹری
- اشتیاق حیدر، پنڈی گھیب، ضلع اٹک
- منیر احمد، لال قلعہ فوجیوں والا
- ثمرین معین، لطیف آباد، حیدرآباد
- ملک محمد یوسف ننکانہ صاحب، شیخوپورہ
- محمد ریحان یعقوب، کھوکھرا پار، کراچی
- محمد شاہد فیروز، گوجرانوالہ
- طاہرہ نسیم، راولپنڈی

وارث عمران، پنڈی گھیب ضلع اٹک
و ملک محمد ارشد، غریب محلہ، چشتیاں
و عبدالرشید تبسم غریب محلہ حاصل پور
و اشرف علی قادری، کراچی
و محمد یوسف، گول چوک، ننکانہ صاحب
و پرس زرتاج احمد، لیاقت آباد، کراچی
و اعجاز حسین صنم، کوٹری سندھ۔
و حمیرا فلک ناز، دستگیر سوسائٹی، کراچی
و ندیم احمد انصاری، عمر کوٹ روڈ میر پور خاص
و عرفان احمد اعوان، سعید آباد، کراچی
و مینا ولی، آریہ محلہ، راولپنڈی
و عمر نواز ناہر، ضلع بنوں
و انیلا تسلیم، نواں شہر، ملتان
و عمر حیات، علاقہ گنج، پشاور
و معراج سعادت، لطیف آباد حیدر آباد
و فرزانہ روحی، اورنگی ٹاؤن کراچی
و اسرار احمد خلیل البدر اسکول شیر شاہ کراچی۔
و شوکت ہاشمی، مزنگ تھانہ، لاہور
و حمیرہ ناز غوری، مقام کا نام نہیں لکھا
و حضرت جمیل، کوہاٹ، سرحد
و ارشد الہدیٰ قصبہ کالونی، کراچی
و حفیظ الرحمٰن، لیاقت آباد، کراچی
و محمد غلام حسین میمن، کھائی روڈ حیدر آباد
و محمد عباس نوشاہی، میٹھادر، کراچی

و عنصر محمود بھٹی، کریم پورہ، لالہ موسیٰ
و فدا محی الدین، ٹھوروروڈ، ٹنڈو محمد خان
و شہباز زیدی، محمدی روڈ، شیر شاہ
و محمد قائم لاکھو، قاسم آباد، حیدر آباد
منیر احمد مسرت، نوشہرہ ضلع پشاور
و تشکیل احمد، ہائی اسکول جمرود، خیبر ایجنسی
و عبداللطیف حاجی موسیٰ، میٹھادر، کراچی
و محمد پرویز آرائیں، کوٹ عبدالمالک لاہور
و محمد کامران سلیم، سندھی ہوٹل، نئی کراچی
و منیر احمد فاضل، برڈووڈ روڈ، لاہور
و شعاع نورین، ٹنڈو محمد خان
و مسعود سرور گوندل، عثمان آباد، ملتان
و ریحانہ حفیظ، شاہی بازار، میٹاری
و نوید اعجاز، مکرانی محلہ، ٹنڈو آدم
و گل شیر علی، بارہ گیٹ، پشاور صدر
و محمد ندیم اصغر، غازی نگر، کراچی
و نازیہ رمضان، مقام کا نام نہیں لکھا،
و محمد کاشف شفیق، شاہ فیصل کالونی کراچی
و مہراللہ: میزان مارکیٹ، کوئٹہ
و محمد فاروق عاصم غریب محلہ حاصلپور
و عبدالباسط، صدر، کراچی
و صائمہ ولی، کورنگی، کراچی
و محمد زاہد احمد، کورنگی، کراچی
و محمد اسمٰعیل، یعقوب اینڈ سنز، سکھر
و رقیہ آرزو، کوئٹہ

و محمد شاہد، غلہ منڈی، ٹوبہ ٹیک سنگھ
و قیصر حماد، واہ کینٹ، سرحد
و شاہ حسین برزو، گڑھی خیرو
و مداربخش، ایم اے جناح روڈ، سانگھڑ
و شوکی رام، صرافہ بازار، نیو سکھر
و ناظم علی، مقام کا نام نہیں لکھا
و محمد انیس نایاب، لانڈھی، کراچی
و امجد علی شاہ، سول ڈسپنسری، ظاہر پیر
و اختر حسین طارق عزیز، پٹیل پاڑہ کراچی
و اسماء صدیقہ، مقام کا نام نہیں لکھا
و سبط شبیر زیدی، بطحیٰ ٹاؤن، کراچی
و مظفر احمد، ڈیرہ غازی خان
و تنویر احمد، خواجہ چوک، حیدر آباد
و جاوید حیدر شاہ، بی بلاک، راولپنڈی
و اسمٰعیل عبدالرحمٰن، میٹھادر، کراچی
و فوزیہ سردار، کے ایریا کورنگی، کراچی
و امینہ، فیصل یونس، ناظم آباد کراچی
و ہما خان، سرفراز کالونی، حیدر آباد
و اللہ دتہ عطیل، کوٹ گوہر محمد خانیوال
و اظفر ضیاء، اولڈ سول لائن، ساہیوال
و سیف الاسلام، کورنگی، کراچی
و وجیہا ادریس، نیو کٹاریاں، راولپنڈی
و شہزاد علی، ساہیوال
و تسکین عالم، ملکوال، گجرات
و نظیر احمد گاہوتی، بالا کالونی حیدر آباد

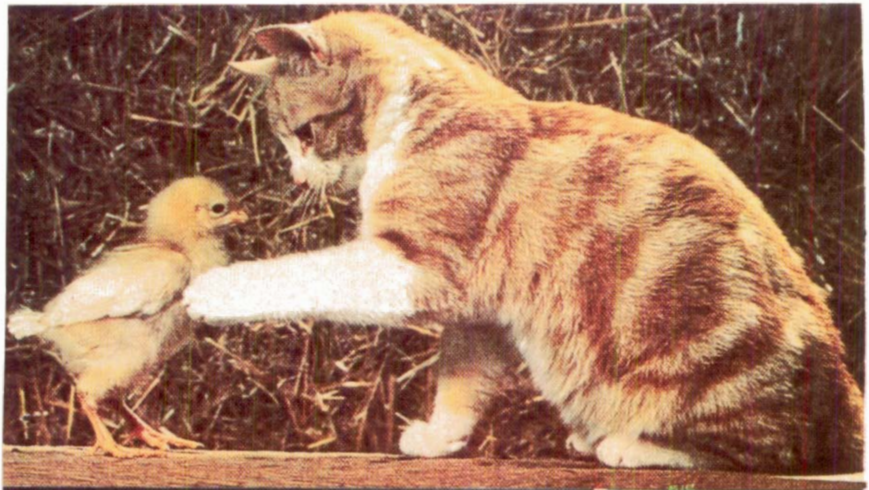

دوستی

دیکھئے، ہم جانور کتنے اچھے دوست ہیں۔ یہ تصویر تو ہم نے ان لوگوں کو شرمندہ کرنے کے لئے کھنچوائی ہے جو آپس میں محبت سے نہیں رہتے۔

کرلو جو کرنا ہے

شہر میں ٹرانسپورٹ کی ہڑتال ہو تو ایسے میں۔ ہم تو ایسے ہی سفر کریں گے۔ کرلے کِس نے چالان کرنا ہے۔

نامے میرے نام ○○○○○

آنکھ مچولی کے بارے میں ممتاز علمی ادبی شخصیات کے تاثرات

ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ جب لکھنا پڑھنا شروع کیا تو مدرسہ اور اسکول کی کتابوں کے علاوہ رسالے بھی پڑھتے تھے، دو رسالے ہمارے یہاں آتے تھے ایک 'پھول' اور ایک 'غنچہ' بچیوں کا رسالہ 'عصمت' ان کے لئے آتا، اب بھی ان رسالوں کے پُرانے پرچے دیکھ لیجئے۔ ان کو پڑھ کر کتنے ادیب اور مضمون نگار بنے، اور اس سے بڑھ کر کس اخلاق اور کردار کے لوگ پیدا ہوئے۔

دیکھتے دیکھتے رسالوں کا رنگ ڈھنگ بدل گیا۔ مغربی قسم کے کامک اور مار دھاڑ کے رسالے اور ناول بچوں کا ادب بن گئے جن کو پڑھ کر ہمارے بچے بھی اسی رنگ میں ڈھلنے کی کوشش کرتے رہے۔ اب ہمیں اپنی نئی نسل سے شکوہ ہے۔ اقدار کے زوال کا رونا ہے۔ بنیاد ٹیڑھی ہوئی تو آسمان تک دیوار کج ہی جائے گی۔

آنکھ مچولی اپنے رنگ کا ایک الگ رسالہ ہے، خدا نظر بد سے بچائے۔ اس میں وہ سب کچھ ہے جو ہمیں بچوں کو پڑھانا سکھانا چاہیئے اور اس طرح کہ بچے کو بچہ سمجھیں۔ اسے افلاطون، ارسطو اور بقراط بنانے کی کوشش نہ کریں۔ سو آنکھ مچولی کی یہی کوشش ہے۔ خدا کرے آنکھ مچولی

...چوں کی ادبی دنیا میں ایسا روشن چراغ ثابت ہو جس سے اس جیسے
...ہت سے چراغ روشن ہو جائیں۔

ابواللیث صدیقی

"آنکھ مچولی" کا ایک شمارہ موصول ہوا، پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ بچوں
کی ضرورتوں اور دلچسپیوں سے بخوبی واقف ہیں، اور اس عمر میں بچے کی کردار
سازی کی جو اہمیت ہے، اس سے بے خبر نہیں ہیں، اللہ آپ کو برکت دے۔
میرا تعاون ممکن حد تک حاضر ہے"

مخلص احمد ندیم قاسمی

"آنکھ مچولی" کھیلتا ہوا ملا، میری بیٹیوں کو پرچہ بہت پسند آیا ہے
اس کا مطلب ہے کہ تسلی بخش ہے، میں نے اسے ابھی صرف سونگھا ہے، کھایا
پیا اور ہضم نہیں کیا، لیکن خوشبو کہتی ہے کہ مصالحہ گزارے لائق سے کچھ بہتر ہی
ہے، تبدیلی اور ترقی کا تعلق تو آئندہ سے ہے، سو وقت کے ساتھ ساتھ یہ کام
تو ہوتا ہی رہے گا،

اپنے تمام ساتھیوں کو میری طرف سے مبارکباد — اور یہ کہ ہر آنے والے
پرچے کو گزشتہ شمارے سے بہتر بنانے کی کوشش کریں"

مخلص امجد اسلام امجد

آنکھ مچولی رسالہ پڑھا۔ خود بھی بچہ بن جانے کو جی چاہا..... کبھی ہم بھی چھوٹے تھے تو پھول غنچہ جیسے بچوں کے رسالے پڑھتے تھے اور ہم نے بہت کچھ بچوں کے رسالے اور کہانیوں ہی سے سیکھا ہے۔ آنکھ مچولی کے کارکنان مبارکباد کے لائق ہیں کہ آج کے کاروباری دور میں جب کہ لوگ زیادہ سے زیادہ پیسہ کمانے کے اصول پر کاربند ہیں ایک ایسا تخلیقی کام کیا ہے جس کی جزا نیکی کے حوالے سے تو بہت بڑی ہوگی لیکن حصول زر کے حوالے سے نہ ہونے کے برابر جو لوگ زندہ رہنے والے کام کرتے ہیں وہ صرف کام کے لئے اور دوسروں کی بھلائی کے لئے کام کرتے ہیں حصول زر کی پرواہ نہیں کرتے خدا انہیں زندہ سلامت رکھے اور آنکھ مچولی کھیلتے کھیلتے ہی بچوں کو اتنا فائدہ پہنچ جائے کہ انہیں تاعمر یاد رہے۔

دعاگو۔ بجیا فاطمہ ثریا

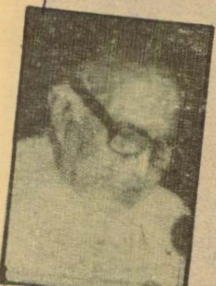

عزیزان گرامی

"آنکھ مچولی" سے ہماری بھی کچھ تانک جھانک ہوگئی، آپ نے بہت پیارا رسالہ نکالا، اس کا نک سک پسند آیا، اس کا کھیلنا، کھانا، پڑھنا، لکھنا۔ ہر چیز بھلی لگی، میرے پوتے، پوتیاں اس پر ایسے جھپٹے کہ کیا عرض کروں، آپ یقیناً ایک قومی خدمت کر رہے ہیں، مجھے آپ کی کامیابی میں کوئی شبہ نہیں، کیونکہ آپ نے اردو ادب کے سب سے شریر، شوخ اور ذہین بچے امجد اسلام امجد کو، اپنے وزیروں مشیروں میں شامل کر رکھا ہے۔ سو وہ آپ کی "چڑیوں" (قارئین) کو "کٹ کٹ باجرا" ڈالتا رہے گا۔— میری مبارکباد اور دعائیں،

آپ کا اپنا سید ضمیر جعفری

آپ کی کامیابی
ہماری سربلندی ہے
مسلم کمرشل بینک میں ہم کامیاب کرم فرماؤں کو اپنا
سب سے بڑا اثاثہ سمجھتے ہیں۔ آپ کی کامیابی کے سفر
میں ہماری سہولتیں، خدمات اور مشورے شریک
سفر ہیں۔
آپ چاہے کاروبار سے وابستہ ہوں یا زراعت سے، یا
ہمارے معزز سیونگ اکاؤنٹ ہولڈر ہوں، آپ کی
کامیابی ہماری خدمت کا پیمانہ ہے، اور ہم اس پر نازاں ہیں۔
مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ
MCB

حمیرا لطیف

ماہِ رواں

جنوری

اس مہینے کا نام کیسے پڑا؟

جنوری کے کیا معنیٰ ہیں:۔ سال کا پہلا مہینہ جنوری ہے۔ یہ نئے سال کا دروازہ ہے۔ اس مہینے کا نام قدیم روم کے بُت پرستوں کے ایک دیوتا "جانوس" کے نام سے لیا گیا۔ یہ دوسرا والا دیوتا بت پرستوں کے عقیدے کے مطابق دروازوں کا چوکیدار تھا۔ اس کا ایک سر ماضی کی طرف اور دوسرا مستقبل کی طرف دیکھتا تھا۔

جب روم کے قدیم باشندوں نے پرانے یونانیوں سے ان کا کیلنڈر نقل کیا تو یہ کیلنڈر ۳۰۴ دن کا تھا جو مارچ سے شروع ہوتا تھا اور دس مہینوں میں تقسیم تھا۔

کہا جاتا ہے کہ روم کے ایک بادشاہ نے جس کا نام رومالپومپلس تھا۔ سال کو بارہ مہینے کا نام بنا دیا۔ جنوری گیارہواں مہینہ اور فروری بارہواں مہینہ مقرر کیا گیا۔ روم کا یہ بادشاہ حضرت عیسیٰ کی ولادت سے تقریباً سات سو سال پہلے حکومت کرتا تھا حضرت عیسیٰ کی ولادت سے ۴۶ سال پہلے روم کے بادشاہ جولیس سیزر نے کیلنڈر کو درست کرنے کے لئے جنوری کو پہلا اور فروری کو دوسرا مہینہ قرار دیا۔

بڑے لوگ بڑی باتیں

(منتخب اقوال)

اللہ احسان کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے
(قرآن مجید)

تم کو نرمی کرنے والا بنایا گیا ہے نہ کہ سختی اور تنگی کرنے والا۔
(حضرت محمدؐ)

زبان کو شکایت سے بند کرو۔ خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔
(حضرت ابوبکر صدیقؓ)

طمانیت قلب چاہتے ہو تو حسد سے دور رہو
(حضرت بابا فرید گنجؒ)

جو کام اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرو اور جسے خود پسند نہیں کرتے اسے دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو۔
(حضرت معاذ بن جبلؓ)

جس میں برداشت کی قوت ہو وہ کبھی شکست نہیں کھاتا۔ (لقمانؒ)

کسی کی تعریف نہیں کرسکتے تو برائی بھی نہ کرو۔
(حضرت یحییٰ معاذؒ)

کسی کی نسبت برا خیال بھی دل میں نہ لا، یاد رکھ تیرے اس خیال کا عکس اس کے دل کے آئینے پر ضرور پڑے گا۔ (بوعلی سیناؒ)

تمہارے سب سے بڑے دشمن، تمہارے برے ہم نشین ہیں۔
(حضرت غوث اعظمؒ)

اچھا دوست زندگی کا نمک ہوتا ہے، جس کے بغیر زندگی سے مقبرے کی سی بو آتی ہے۔
(شیلے)

خوشامد کرنے والا اور سننے والا دونوں ہی کمینے ہیں اور ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں
(شیکسپیئر)

خوبیاں قربانیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔
(ایمرسن)

قرآنی کہانی
راہ نُما سے ماخوذ

طَالُوت جَالُوت

مصر اور فلسطین کے درمیان بحرِ روم کا علاقہ ہے اس پر جالوت نامی ظالم بادشاہ کی حکمرانی تھی اس بادشاہ نے بنی اسرائیل کی آبادیوں پر قبضہ کر لیا تھا اور ان کے بہت سے سرداروں کو اور قبیلے کے بزرگوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا تھا اور علاقے کے لوگوں کی مقدس کتاب تورات کو بھی اس نے نقصان پہنچایا تھا اس بستی میں ان کے پاس کوئی سردار اور بزرگ نہیں بچا تھا. ایک خاتون کے ہاں ایک بچّہ کی ولادت ہوئی. اسکا نام شموئیل رکھ دیا گیا اور اس بچّے کی تربیّت ایک بوڑھے آدمی نے اپنے ذمے لے لی. ان بزرگ نے اس بچّے کو خوب تعلیم دی. تورات پوری حفظ کرا دی. جب یہ بچہ بڑا ہوا تو بڑا ذہین اور سب سے الگ تھلگ نظر آنے لگا. یہ لڑکا بڑا ہوا تو بنی اسرائیل اس کی بات ماننے لگے.

لیکن ابھی تک وہ جالوت بادشاہ کے ظلم سے آزاد نہیں ہوئے تھے. آخر سب نے جمع ہو کر شموئیل سے کہا کہ ہم پر ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے جس کی قیادت میں ہم ظالم بادشاہ کے آدمیوں کا مقابلہ کر سکیں. شموئیل نے کہا کہ اگر تم پر کوئی بادشاہ مقرر کر دیا تو وہ تمہیں غلام بنائے گا. لیکن پوری بستی ضد کرتی رہی کہ نہیں بادشاہ بنایا جائے. آخر شموئیل نے خدا سے دعا مانگ کر طالوت نامی شخص کو بادشاہ مقرر کر دیا. یہ شخص بہت موٹا تازہ اور لمبا تڑنگا تھا اور علم میں بہت آگے تھا. جب بستی والوں نے سُنا کہ عام سے آدمی کو ہمارا بادشاہ بنا دیا گیا تو سب نے بُرے بُرے منہ بنائے اور ناگواری سے کہنے لگے. یہ آدمی تو بہت غریب ہے. اس کے پاس مال تک نہیں ہے. یہ ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے. بادشاہت کے قابل تو ہم ہیں ہم میں سے کسی کو بادشاہ بناؤ.

شموئیل کو یہ بات بہت بُری لگی اور انہوں نے کہا کہ بادشاہت کے لئے جو رائے تمہاری ہے وہ بالکل غلط ہے۔ بادشاہ دولت والے کو نہیں شریف اور پڑھے لکھے شخص کو ہونا چاہئے جو طاقت میں بھی اچھا ہو اور اس لحاظ سے طالوت جو زیادہ ذہین، پڑھا لکھا صحت مند ہے وہی بادشاہ ہو گا۔ آخر کار شموئیل نے طالوت ہی کو بادشاہ مقرر کر دیا۔ اب طالوت نے اعلان کر دیا کہ فلسطینیوں کے مقابلے کے لئے نکل پڑو۔

چونکہ بستی والے طالوت کو پسند نہیں کرتے تھے اور مجبوراً ان کے ساتھ نکل آئے تھے لہٰذا طالوت نے امتحان لیا اور پوری فوج کو ایک دریا کے کنارے لا کھڑا کیا۔ طالوت نے تمام لشکر والوں سے کہا کہ دیکھو یہ تمہارا امتحان ہے تم کتنے بھی پیاسے ہو اس دریا کا پانی مت پینا۔ **اگر بہت تنگ آ جاؤ تو چند گھونٹ پانی پینا**

بچو! بادشاہ طالوت یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا یہ لوگ میرا کہنا مانتے ہیں یا نہیں۔ کہیں میدان جنگ سے بھاگ تو نہیں جائیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب لشکر دریا کے اس پار گیا تو بہت لوگوں نے خلاف ورزی کی اور خوب پانی پیا اور اپنے بادشاہ کا حکم نہیں مانا اور کہنے لگے کہ ہم جالوت جیسے بڑے طاقت ور بادشاہ سے نہیں لڑ سکتے۔ اور جنہوں نے پانی نہیں پیا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم ضرور مقابلہ کریں گے۔ اس طرح بادشاہ کے پاس بہت کم فوج رہ گئی۔ لیکن یہ میدان جنگ میں آ گئے۔ سامنے سے جالوت کی فوج آ گئی۔ بچو! جالوت بھی بہت قوی اور لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ اس کی فوج بھی بہت تھی۔ طالوت نے اپنی مختصر سی فوج کو ساتھ لیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ دشمن کو شکست دے لیکن اِدھر پوری بستی ظالم جالوت کی طاقت سے ڈری ہوئی تھی اور اس سے لڑنے میں جھجک محسوس کر رہی تھی۔ جب دونوں کے لشکر سامنے آئے تو ظالم جالوت آگے بڑھا اور کہنے لگا اپنے سردار سے کہو میرا مقابلہ کرے۔ اچانک لشکر میں سے ایک دبلا پتلا نوجوان آگے بڑھا اور کہنے لگا پہلے مجھ سے لڑلو بعد میں میرے سردار سے لڑنا۔ جالوت نے زور دار قہقہہ لگایا اور کہنے لگا نادان لڑکے کیوں میرے ہاتھوں مرنا چاہتا ہے۔ نوجوان نے کہا میں مقابلے کے لئے تیار ہوں۔

اچانک ظالم جالوت نے خنجر نکالا اور نوجوان پر وار کیا۔ نوجوان ایک طرف ہٹ گیا اور تیزی سے اس کا خنجر والا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی پھرتی سے کہا اے میرا وار روک۔ یہ کہہ کر

اپنی گوپھن سے گھما کر سخت پتھر مارا۔ وہ اتنی زور سے لگا کہ ظالم جالوت کا سر چکرا گیا اور وہ زمین پر آ گرا۔ نوجوان نے پے در پے کئی پتھر مار کر جالوت کو زخمی کر دیا اور سینے پر چڑھ کر اس کی گردن کاٹ دی۔

اب جو جالوت کا قتل دیکھا تو اس کے لشکر کے سارے ہی فوجی اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اس نوجوان نے چاروں طرف اپنی گوپھن سے سنگباری شروع کر دی۔ سارے دشمن خوف زدہ ہو گئے اور سنبھل نہ سکے اور انہیں بھاگنا پڑا۔ اس نوجوان نے اپنی بہادری کا سکہ بٹھا دیا اور لوگ حیرت سے اُسے دیکھنے لگے۔

جب جالوت کا قتل ہو گیا تو طالوت نے اس بہادر لڑکے سے اپنی بیٹی میکال کی شادی کر دی اور اس نوجوان کو حکومت میں حصہ دار بنا لیا۔

بچو! یہ نوجوان جس نے جالوت کو قتل کیا تھا۔ اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ تھے اور شموئیلؑ بھی اللہ کے نبی تھے۔

ہجرت کے موقع پر حضور اکرمؐ مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے تھے اور انصار کی چھوٹی چھوٹی بچیاں خوشی کے گیت گا رہی تھیں۔ جب آپ ان کی طرف سے گزرے تو فرمایا "اے بچیو! تم مجھے پیار کرتی ہو۔ سب نے کہا "جی ہاں یارسول اللہؐ" آپؐ نے فرمایا "میں بھی تمہیں پیار کرتا ہوں"۔ رسول اللہؐ کو مشرکین کے بچے بھی اتنے ہی زیادہ پیارے تھے۔ ایک دفعہ ایک جنگ میں چند بچے تلوار کی لپیٹ میں آ گئے۔ حضورؐ کو اطلاع ہوئی تو آپ کو بے حد رنج ہوا۔ ایک شخص نے کہا "یارسول اللہؐ! وہ بچے مشرکین کے تھے۔" آپ نے فرمایا "اس سے کیا ہوتا ہے مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہیں۔ خبردار بچوں کو قتل نہ کرو۔ ہر جان خدا کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔

اللہ کے اور ہم سب کے پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو کہا کہ "یہ جنت کے پھول ہیں"۔ کیا اتنی خوبصورت تشبیہ، اتنی اچھی تعریف، اتنا بلند تصور، اتنا اعلیٰ خیال بچوں کے لئے کوئی پیش کر سکتا ہے؟ اسی لئے تو رسول اللہؐ بچوں سے بے انتہا محبت بھی کرتے تھے۔

اقبال حیدر

عظیم انسان

اس معصوم بچے کی عمر صرف بارہ سال تھی. والد اس کی پیدائش سے پہلے ہی انتقال کر چکے تھے اور والدہ بھی چھ سال کی عمر میں وفات پا چکی تھیں. والدہ کی وفات کے بعد وہ اپنے دادا کی سرپرستی میں بھی دو سال رہ پایا کہ اس کا بھی انتقال ہوگیا. دادا اپنے قبیلے کے سردار تھے چنانچہ اس کے بعد ان کے صاحبزادے اور اس معصوم بچے کے چچا کو قبیلے کی رسم کے مطابق سردار بنایا گیا. چچا قبیلے کے سردار تو تھے مگر مالی اعتبار سے ان کے حالات اچھے نہ تھے اس لئے انہوں نے ملک شام کی طرف تجارتی سفر کی تیاریاں شروع کردیں. بچے نے بھی ساتھ چلنے پر اصرار کیا چچا نے معصوم بارہ سالہ یتیم بچے کی اس خواہش کو سن کر اس کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا اور سفر میں اپنے ساتھ شریک کرلیا. اس طرح یہ یتیم بچہ جس نے بچپن کے پانچ سات سال اپنی دائی کے پاس گزارے تھے. پھر دو سال بعد ہی اپنے سرپرست کی موت کا صدمہ اس کم عمری میں جھیلا اب اپنے چچا کے ساتھ تجارت کے لئے روانہ ہوا.

جب یہ تجارتی قافلہ اونٹوں پر سامان لادے منزلیں طے کرتا ہوا. بصریٰ پہنچا تو قافلے والوں نے ستانے کی غرض سے ایک بہت بڑے گھنے درخت کے نیچے پڑاؤ کیا. اس زمانے میں بصریٰ میں عیسائیوں کی آبادی زیادہ تھی. جگہ جگہ ان کے گرجا گھر تھے ـــــ ایک گرجا گھر اس درخت کے قریب ہی تھا. جہاں یہ کارواں آرام کرنے کے لئے ٹھہرا تھا ـــ اس گرجا کا راہب ایک بہت بڑا عالم اور درویش صفت انسان تھا. اس بزرگ راہب کا نام بحیرہ تھا... تجارتی کارواں کا ذکر سن کر وہ راہب عبادت گاہ سے باہر آیا تاکہ دیکھ سکے کہ یہ قافلہ کن لوگوں کا ہے اور وہ کیسے ہیں. اس نے تمام قافلے والوں کو مختلف کاموں میں مصروف دیکھا اور حلیئے اور وضع قطع سے پہچان لیا کہ ان کا تعلق کس علاقے اور قبیلے سے ہے اچانک اس کی نظر اس معصوم بچے پڑی. وہ بچہ ایک طرف قافلے کے سامان ـــــ کے پاس درخت کے نیچے بیٹھا تھا. درخت کی کچھ شاخیں اس پر اس طرح جھکی ہوئی تھیں جیسے اس کی پیشانی کو بوسہ دے رہی ہوں. بحیرہ کو اس چہرے میں ذہانت کی کشش اور پاکیزگی

نور نظر آیا ابھی بحیرہ کی نظر اس بچے کے روشن چہرے پر جمی تھی کہ اچانک بچہ کسی کام سے اٹھ کر کچھ دور گیا اور پھر واپس آیا مگر بحیرہ نے اس بچے کے چلنے پھرنے کے دوران جو حیرت انگیز منظر دیکھا وہ یہ تھا کہ ایک بادل کا ٹکڑا برابر اس بچے پر اپنا سایہ کر رہا تھا بچہ جہاں بھی گیا بادل کا ٹکڑا سایہ کرتا ہوا اس کے ساتھ گیا اور جب واپس آیا تو اسی طرح سایہ کرتا ہوا واپس آکر اس کے سر پر ٹھہر گیا۔

یہ منظر دیکھ کر اس بزرگ عیسائی راہب کو دلچسپی کے ساتھ ساتھ تجسّس بھی پیدا ہوا کہ وہ اس بچے کے بارے میں معلومات حاصل کرے چنانچہ اس نے قافلے کے مختلف لوگوں سے ملاقات کی اور اپنے طور پر معلومات حاصل کیں۔ مگر اسے خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تو اس نے ایک دن تمام قافلے والوں کی دعوت کا انتظام کیا۔ دعوت کے دوران اور اس کے بعد اس نے بچے کے چچا سے بچے کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور ان کی اجازت سے بچے کی پشت کو بغور دیکھا تو اسے وہ نشان نظر آیا جو مہر نبوت کا مقدس نشان تھا اور اسے اپنی مقدس کتاب انجیل کے وہ جملے یاد آگئے جس کے ذریعے ایک نبی کے آنے کی بشارت دی گئی تھی کہ

" اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا

کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے"

بحیرہ کا اندازہ بالکل درست تھا۔ اسی بچے کو اللہ تعالیٰ نے چالیس سال کی عمر میں نبوت سے سرفراز کیا اس بچے کا مبارک نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ جو اپنے والد عبداللہ کے انتقال کے بعد پانچ سات سال اپنی دائی حلیمہ کے گھر رہے پھر واپس اپنی والدہ بی بی آمنہ کے پاس آئے ہی تھے کہ وہ بھی اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ آپ کے سرپرست اور ولی آپؐ کے دادا اور قبیلہ قریش کے سردار عبدالمطلب ہوئے مگر آٹھ سال کی عمر میں آپؐ ان کے سایۂ عاطفت سے بھی محروم ہو گئے اور پھر اپنے چچا ابو طالب کی سرپرستی میں آئے اور انہی کے ساتھ آپؐ اس سفر تجارت میں شریک ہوئے جس کے دوران عیسائی راہب بحیرہ نے آپؐ کے نبی ہونے کی پیشگوئی کی تھی۔

آپؐ اپنی تمام امت، تمام انسانوں اور تمام عالموں کے لئے رحمت ہیں آپؐ کے دل میں ہر چھوٹے بڑے کی بے حد محبت تھی مگر آپؐ بچوّں سے خصوصی التفات فرماتے تھے۔ آپؐ کے ایک چچا ابوجہل جنہیں یہ توفیق زندگی بھر حاصل نہ ہوئی کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا کلمہ پڑھیں ایک مالدار اور بااثر شخص تھے لیکن وہ انتہائی مغرور تھے دولت کی ہوس نے ان کے دل کو اس درجہ پتھر کر دیا تھا کہ وہ نہ صرف یہ کہ غریبوں اور مسکینوں کو انتہائی ذلّت کی نگاہ سے دیکھتے تھے بلکہ اپنے زیرکفالت یتیموں کے حقوق کو غصب کرنے اور ان کے مال

دولت کو خرد برد کرنے کو اپنا معمول بنا چکے تھے ایک مرتبہ ایک بے حد غریب و یتیم بچہ جس کے باپ نے کافی دولت ترکے میں چھوڑی تھی اور جو ابوجہل کے زیر کفالت تھا اُس کے پاس گیا اور اپنے پھٹے پرانے کپڑے اور بدحالی کا ذکر کر کے کہنے لگا کہ اُسے اس کے مرحوم باپ کے متروکہ مال سے کچھ رقم دے دی جائے تاکہ وہ پہننے اوڑھنے اور دیگر ضروریات کو پورا کر سکے مگر ابوجہل نے تکبر کے مارے اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ بچہ ڈر کے مارے خاموش کھڑا رہا پھر اسی طرح مایوس ہو کر چلا گیا۔ اس وقت چند اور مشرکین بھی وہاں موجود تھے انہیں بھی یہ بات ناگوار لگی مگر انہوں نے بجائے ابوجہل کو سمجھانے کے اس سے نبی کریمؐ کو تکلیف پہنچانے کی ترکیب سوچی اور اس کے تحت انہوں نے بظاہر بڑی شفقت اور پیار سے اس بچے کو باور کرایا کہ اگر وہ محمدؐ کے پاس جا کر ابوجہل کی شکایت کرے گا تو اسے اس کا حق مل جائے گا چنانچہ وہ مفلوک الحال بچہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال زار بیان کیا۔

رسول پاکؐ اس معصوم کی اس بے بسی اور لاچاری پر تڑپ گئے اور یہ جانتے ہوئے کہ ابوجہل آپ کا سخت دشمن ہے سیدھے بچے کو لے کر اس کے پاس پہنچے اور فرمایا "اس بچے کا حق اس کو دے دو" ابوجہل کے دل میں تو پہلے ہی چور تھا اور وہ آپ کے مضبوط کردار ایمانداری اور صداقت سے بھی واقف تھا۔ لہٰذا بجائے لڑائی جھگڑے کے یتیم کا حق دینے پر راضی ہو گیا۔ وہ مشرکین جنہوں نے اس بچے کو آپؐ کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ اس طرح آپؐ اور ابوجہل میں جھگڑا کرا دیں وہ حیرت زدہ رہ گئے یہ دراصل اس محسن انسانیتؐ کی عظیم شخصیت کا ایک نمونہ ہے اور اس سے نہ صرف حضور اکرمؐ کی بچوں سے انتہائی محبت اور شفقت کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگر کوئی معصوم بچہ کسی دکھ میں مبتلا ہو تو فوری طور پر اس کی مدد کرنی چاہیئے چاہے اس کے لئے بڑی سے بڑی طاقت ہی سے کیوں نہ ٹکرانا پڑے اور چاہے کتنی مشکلیں درپیش ہوں۔

- ایک دوسرے کو سلام کیا کریں اس سے محبت بڑھتی ہے۔
- صرف جان پہچان والوں کو ہی نہیں بلکہ جو بھی سامنے آئے اسے سلام کریں۔
- کم عمر کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے سے بڑے عمر والے کو سلام کریں۔
- ثواب اسے زیادہ ملتا ہے جو پہلے سلام کرتا ہے اس لئے سلام میں پہل کریں۔

وطن کا گیت

(سلیم کوثر)

جسم و جاں کا رابطہ ہے یہ وطن   زندگی کا حوصلہ ہے یہ وطن
ہم بدن ہیں تو قبا ہے یہ وطن   جاں نثاری کا صلہ ہے یہ وطن

اس کے پرچم کا مقدّر روشنی
اس کے ذرّوں سے محبت زندگی
اس کے بازاروں کی رونق سرخوشی
اس کے کھلیانوں کی دولت چاندنی
چاند تاروں کی رِدا ہے یہ وطن
جاں نثاری کا صِلہ ہے یہ وطن

اس میں بستے ہیں کئی شہرِ نجات
اس کے دریاؤں میں ہے آبِ حیات
سایہ افگن ہے خدا کی پاک ذات
اس کو دشمن دے نہیں سکتے ہیں مات
خوشبوؤں کا سلسلہ ہے یہ وطن
جاں نثاری کا صلہ ہے یہ وطن

یہ وطن زندہ ہے اور پہچان ہم
یہ وطن عظمت ہے اس کی آن ہم
یہ وطن دنیا ہے اس کی جان ہم
یہ وطن قائم ہے اس کی شان ہم
ہم ہیں صورت آئینہ ہے یہ وطن
جاں نثاری کا صلہ ہے یہ وطن

ایم۔بی شاہین

بچّے

پھول اور کلیاں

یہ ایک ایسی بستی کی کہانی ہے جو انتہائی خوبصورت وادی تھی۔ جہاں کے لوگ بڑے محنتی، محبت کرنے والے اور نیک تھے۔ اسی بستی میں گُل جان نام کا ایک ایسا مالدار شخص تھا جسے پھول پودوں کا بڑا شوق تھا۔ اُس نے اپنا ایک مکان بنایا تو اس کے اِردگرد باغات لگائے۔ گل جان اپنے باغ کو خوب محنت سے بناتا سنوارتا رہتا تھا۔ وہ اس میں ہمیشہ نئے نئے پودے لگاتا، صفائی کرتا اور پانی دیتا۔ قریبی ندّی سے وہ ایک نہر اپنے باغ تک نکال کر لایا تھا جس کی وجہ سے اس کے باغ کو ہر وقت ٹھنڈا میٹھا پانی ملتا رہتا اور پودے ہمیشہ ہرے بھرے رہتے تھے۔ خوب پھل پھول آتے۔ اسی لئے اس کا باغ ہمیشہ لوگوں کی توجہ کا مرکز رہتا تھا۔

بستی کے بچّے جب بھی اپنے اپنے کاموں سے فارغ ہوتے سیدھے گُل جان کے باغ کا رخ کرتے وہاں گھنٹوں کھیلتے، نہر میں تیرتے، خوب ہنستے بولتے، طرح طرح کی آوازیں نکالتے، بعض بچّے اسکول اسکول کھیلتے اور جب امتحانوں کے دن آتے تو بچّے اپنے اپنے کام اور کتابیں لے کر آجاتے اور درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں اور پھولوں کی خوشبوؤں سے بھری ہوا میں گہری گہری سانسیں لے کر کوئی پھل توڑ لیتے اور کُتر کُتر کر کھاتے جاتے اور اپنا سبق یاد کرتے جاتے۔ جب بچے امتحان کی تیاری کرتے تو باغ بچوّں کی آوازوں سے کم اور پرندوں کی آوازوں سے زیادہ گونجا کرتا جیسے پرندے پوچھ رہے ہوں کہ اے بستی کے ننھے شہزادو! آج تم کیوں نہیں بول رہے، ہنسو بولو — اور پھر دوپہر ہونے تک پرندے بھی یہ سمجھ کر چپ ہو جاتے کہ شاید یہ بچّے زیادہ اہم کام کر رہے ہیں۔

اسی طرح دن گزرتے رہے لیکن ایک دن کیا ہوا کہ بچّوں کے کھیل کود کر جانے کے بعد گُل جان ٹہلتا ہوا باغ میں آنکلا۔ اس کو اپنا باغ بہت اچھا لگا۔ خوب ہرا بھرا پھلوں اور پھولوں سے لدا ہوا۔ لیکن یہ کیا۔ یہ مسلی ہوئی گھاس۔ توڑے ہوئے پھل۔ ٹوٹے ہوئے پھول۔ ٹہنیاں۔ نہر کے کنارے کیچڑ اسے ایک دم غصّہ آگیا اس نے سوچا اگر یہ سب نہ ہوتا تو میرا باغ اور کتنا اچھا لگتا اب میں بستی کے بچّوں کو اپنے باغ میں نہیں آنے دوں گا۔ سب خراب کر دیتے ہیں۔

اس دن بستی کے لوگوں نے دیکھا کہ باقی وقت گُل جان نے اپنے باغ کے گرد باڑھ لگانے میں صرف کر دیا دوسرے دن بچے جب کھیلنے گئے تو باہر بورڈ لگا تھا۔

"اندر آنا منع ہے" سب بچّے اداس واپس لوٹ آئے۔ اُس دن باغ میں صرف پرندوں کی آوازیں گونجتی رہیں۔ پھر آہستہ آہستہ خاموشی چھانے لگی۔ اچانک گُل جان نے دوبارہ پرندوں کی آوازوں کا چہچہانا سنا تو وہ تبدیلی دیکھنے باہر نکلا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بچّہ کسی طرح اندر آچکا ہے اور پھولوں کو چھو رہا ہے۔ گھاس پر بھاگ رہا ہے۔ پرندے اس کے ارگرد اڑ رہے ہیں۔ اُس نے بچّے کو ڈانٹا کہ تم بغیر اجازت اندر کیسے آئے؟ بچّہ سہم گیا۔

گُل جان نے غصّے سے دروازے کی طرف اشارہ کیا کہ فوراً واپس چلے جاؤ۔ خبردار اب مت آنا۔ بچّہ گھبرا گیا۔ گُل جان اس کے پیچھے لپکا تاکہ دروازہ کھول کر بچّے کو باہر نکال دے۔ گھبراہٹ میں بچّہ ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرا۔ گُل جان اس کے قریب پہنچ کر رُکا۔ بچّہ رونا چاہتا تھا مگر خوف سے رو بھی نہ سکا۔ آنسو اُس کی آنکھوں کے کنارے پر آکر جیسے جم گئے۔ پھر وہ اٹھا۔ لنگڑاتا ہوا۔ مڑمڑ کر دیکھتا ہوا چلا گیا۔ گُل جان نے ہاتھ جھاڑے جیسے باغ کو صاف کر لیا ہو۔ دوسرے دن باغ میں پرندے کچھ دیر چہچہائے پھر خاموش ہو گئے۔ گُل جان باغ میں آیا "آہا کتنا صاف ستھرا ہے میرا باغ" پھر لوٹ گیا۔ اسی طرح گُل جان روز آتا باغ کو دیکھتا اُسے باغ اچھا بھی لگتا لیکن اب کوئی کمی اُسے محسوس ہونے لگی تھی۔ ایک روز ایک نئی بات اس کے علم میں آنے لگی۔ یہ گھاس اب اتنی ہری نہیں رہی۔ پھول بھی کم کھلتے ہیں۔ اور یہ پرندے کہاں گئے۔ کبھی اِکّا دُکّا کسی پرندے کی آواز آجاتی۔ شاید خزاں کا موسم ہے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو تسلّی دے لیتا۔ لیکن خزاں بھی گزر گئی بہار آئی گھاس ہری نہ ہوئی۔ پھول نہ کھلے۔ پرندے نہ لوٹے۔ باغ کی نہر بھی خشک ہونے لگی۔ یہ کیا ہو گیا۔ میرے باغ کو گُل جان ہر روز بہت دیر تک محنت کرنے لگا۔ لیکن باغ کا رنگ نہ بدلا۔ ایک دن سخت محنت کے بعد گُل جان اداس نظروں سے باغ کو دیکھتا رہا۔ میری محنت بھی اس باغ میں بہار نہیں لا رہی یہ سوچتا ہوا درخت سے ٹیک لگائے لگائے سو گیا۔ اُس نے خواب میں دیکھا۔ وہی معصوم بچّہ مُڑ مُڑ کر باغ کو دیکھ رہا ہے۔ گھبراہٹ میں بھاگ رہا ہے، پتھر سے ٹکرا کر گر رہا ہے۔ اُس کی آنکھ میں آنسو ہیں۔ آنسو بڑے ہونے لگے۔ اور بڑے چمکدار روشن گولے کی مانند۔ گُل جان نے دیکھا اس روشن گولے میں اُس کا ہرا بھرا باغ نظر آرہا ہے۔ میرا باغ میرا باغ وہ چلّانے لگا۔ اور اُس کی آنکھ کھل گئی وہ پسینے میں بھیگ رہا تھا۔ یہ میں نے کیا دیکھا اُس معصوم کے آنسو ...... میرا باغ اس لئے اُجڑ گیا۔ میں نے معصوم بچّوں کا دِل دکھایا ہے۔ میں ابھی بہار واپس لاؤں گا۔ ابھی۔ اور پھر وہ دوڑتا ہوا باہر گیا۔ بستی کے لوگوں نے دیکھا۔ گُل جان جلدی جلدی باڑھ ہٹا رہا ہے۔ دیوانوں کی طرح۔ پھر وہ بستی کی طرف آیا۔ سب بچّوں کو دیکھتا رہا پیار بھری نظروں سے لیکن اس کی نگاہوں میں تلاش تھی۔ جلد ہی اُس نے گرنے والے ننھے بچّے کو ڈھونڈ لیا۔ اُسے گود میں لیا۔ سب بچّوں کو پکارا اور اپنے باغ میں لے گیا۔ اور لوگوں نے دیکھا کہ تھوڑے ہی دِنوں میں باغ دوبارہ ہرا بھرا ہو گیا۔ گُل جان اب بوڑھا ہو گیا تھا۔ بچّے اور ان کے بھی بچّے اب بڑے ہو گئے تھے۔ لیکن اُس باغ میں پھر کبھی خزاں نہیں آئی۔ کیونکہ وہ انسانوں کو، معصوم بچّوں کو سکھ خوشیاں اور امن دیتا تھا۔ اُن کے کام آتا تھا۔ اور "جو بھی شے اس کائنات میں انسان کی بھلائی کے لئے ہے۔ اسے کبھی زوال نہیں"۔

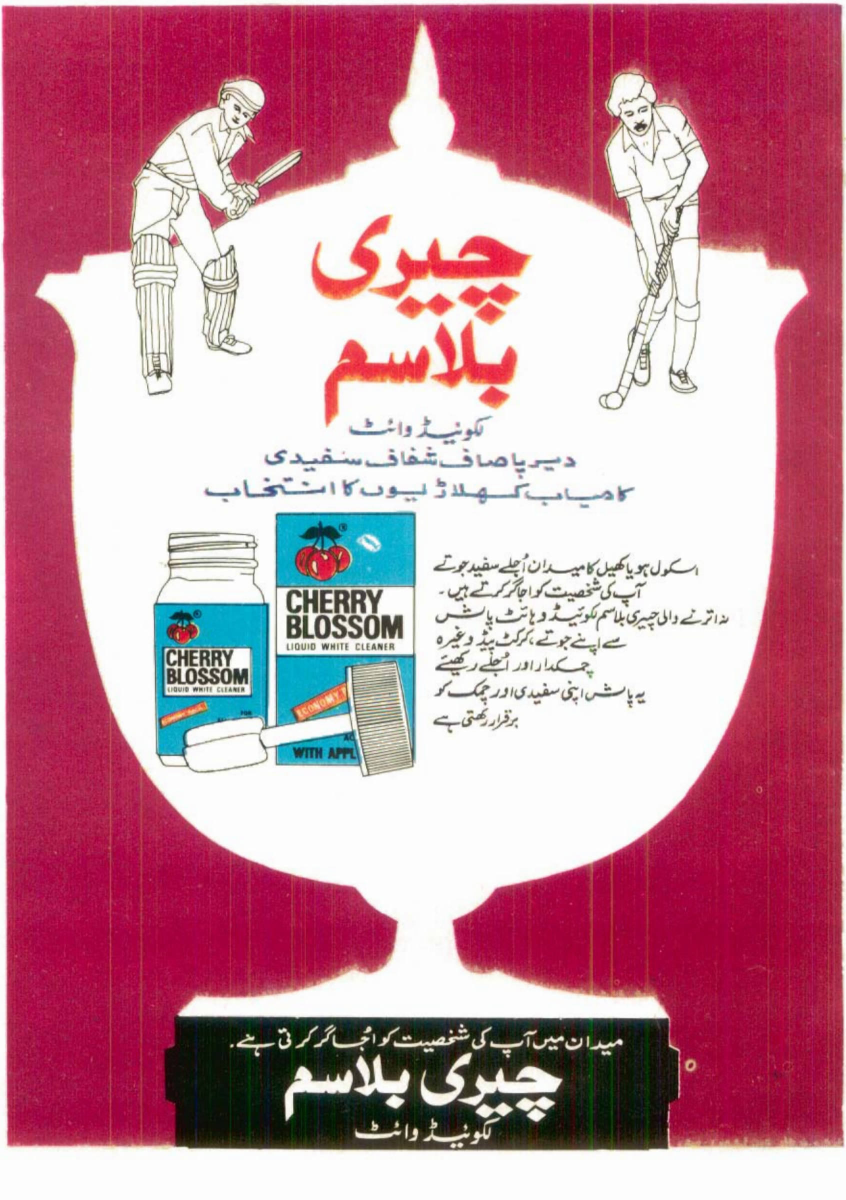
چیری
بلاسم
لکوئیڈ وائٹ
دیرپا صاف شفاف سفیدی
کامیاب کھلاڑیوں کا انتخاب
CHERRY BLOSSOM
LIQUID WHITE CLEANER
CHERRY BLOSSOM
LIQUID WHITE CLEANER
WITH APPL
اسکول ہو یا کھیل کا میدان اُجلے سفید جوتے
آپ کی شخصیت کو اجاگر کرتے ہیں۔
نہ اترنے والی چیری بلاسم لکوئیڈ وہائٹ پالش
سے اپنے جوتے، کرکٹ پیڈ وغیرہ
چمکدار اور اُجلے رکھیے
یہ پالش اپنی سفیدی اور چمک کو
برقرار رکھتی ہے
میدان میں آپ کی شخصیت کو اُجاگر کرتی ہے۔
چیری بلاسم
لکوئیڈ وائٹ

وجیہہ احمد صدیقی

ہے نہ حیرت کی بات!!

چوہے نے ہاتھی کی عمر سن کر کہا کہ عمر تو میری بھی دو سال ہے مگر میں ذرا بیمار و سیمار رہتا ہوں۔ لیکن ننھے دوستو ہم جو واقعہ آپ کو بتانے جارہے ہیں وہ چوہے اور ہاتھی کا نہیں بلکہ انسانوں کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے جو کرشمے دکھائے ہیں انہیں آپ کو ماننا پڑے

یہ تصویر دنیا کے سب سے بڑے تین سالہ بچے سٹ ھینڈالیو اور دنیا کے سب سے چھوٹے تین سالہ بچے "نہلا ہلا" کی ہے۔ دنیا کے سب سے بڑے تین سالہ بچے کی گود میں دنیا کا سب سے چھوٹا تین سالہ بچہ ہے یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوشی خوشی کھیلتے ہیں، ریت میں لوٹتے ہیں لیکن بس ان کی پریشانی یہ ہے کہ سی سا (SEE SAW) نہیں کھیل سکتے کیونکہ ان کے درمیان ۸۶ پونڈ کا فرق ہے۔ ہم آپ کو سٹ ھینڈالیو کا وزن بتادیتے ہیں آپ چھوٹے بچے کا وزن معلوم کیجئے! سٹ کا وزن ۹۷ پونڈ ہے اور قد ۴ فٹ ۵ انچ ہے جب یہ افریقہ کے ایک اسپتال میں پیدا ہوا تھا۔ تو نرسیں اس کے رونے کی آواز سن کر ڈر گئی تھیں۔

دوسری طرف یہ ننھے میاں "نہلا ہلا" ہیں جن کا

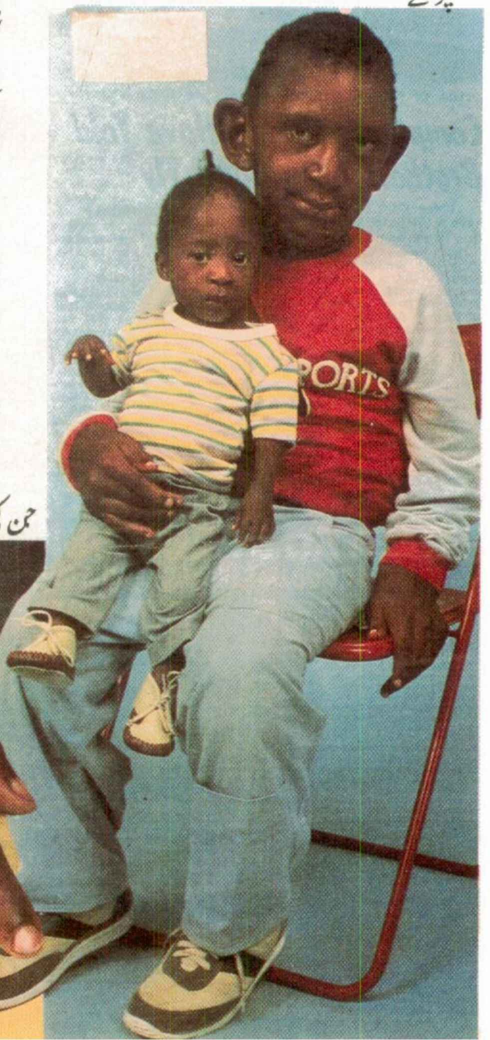

اتنا بڑا فرق.....!!

یہ دونوں ہاتھ دو علیحدہ علیحدہ بچوں کے ہیں جن کی عمریں بلکل ایک سی ہیں یعنی تین سال۔

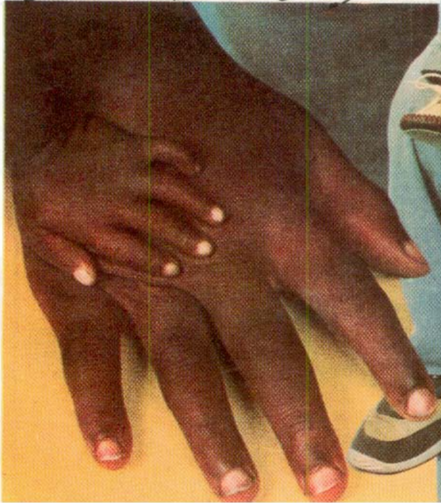

وزن آپ نے حساب لگا کر معلوم کر لیا ہو گا کہ صرف ۱۱ پونڈ ہے۔ ان کا قد صرف ۲ فٹ ایک اِنچ ہے۔ یہ جنوبی افریقہ کے شہر ڈربن میں پارک لینڈ اسپتال میں پیدا ہوئے ہیں۔ "نہلا ہلا" کو دیکھ کر کہا جاتا ہے کہ یہ دنیا کے سب سے پستہ قد انسان ٹام تھمب کی زندگی کا حقیقی نمونہ ہے۔) نہلا ہلا جب پیدا ہوا تھا تو اس کا وزن صرف ۲ پونڈ ۵ اونس تھا جبکہ سٹ ھینڈالیو کا پیدائش کے وقت وزن ½ ۲۲ پونڈ تھا۔ سٹ ھینڈالیو کا قد ۱۲ سال لڑکے جتنا ہے گویا اپنے نارمل قد سے ۴ گنا بڑا ہے جبکہ اس کا ہم عمر "نہلا ہلا" دیکھنے میں صرف ۳ ماہ کا بچّہ لگتا ہے۔ جب سٹ ھینڈالیو کی امّی جان سے انٹرویو لیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا نام کرسٹینا سائمن ہے اور ان کی عمر ۲۷ سال ہے اور نہلا ہلا کی امّی جان نے بتایا کہ نہلا ہلا نے جب سٹ ھینڈالیو کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور تھوڑی دیر دیر میں دونوں مل کر کھیلنے لگے۔ پھر دونوں نے دوپہر کا کھانا کھایا نہلا ہلا نے دیکھا کہ اس دوست تو کوکا کولا کی ایک لیٹر والی بوتل پوری پی گیا ہے۔ تو اُس نے اپنا دوسرا گلاس بھی اپنے دوست کو دے دیا۔ اور دونوں ایک عام بچے کی طرح پھر سے کھیلنے لگے۔ ان دونوں بچوں میں کیا کیا فرق ہے ذرا دیکھئے۔ ان دونوں میں صرف یہ بات یکساں ہے کہ دونوں کی عمر ۳ سال ہے۔

سٹ ھینڈالیو کی آواز بہت گرج دار ہے اور گہری ہے جبکہ نہلا ہلا کی آواز اونچی اور گھنٹی کی جیسی ہے۔ دونوں کی بات چیت سن کر ایسا لگتا ہے جیسے ننھی چڑیا اور شیر آپس میں باتیں کر رہے ہوں۔

سٹ ھینڈالیو کے پاؤں تقریباً دس اِنچ لمبے اور ½۳ اِنچ چوڑے ہیں۔ نہلا ہلا کے پاؤں ۴ اِنچ لمبے اور ½۱ اِنچ چوڑے ہیں۔

سٹ ھینڈالیو کے ہاتھ سات اِنچ چوڑے ہیں جبکہ نہلا ہلا کے ہاتھ ¾۲ اِنچ چوڑے ہیں۔

سٹ ھینڈالیو ۱۲ سال کے بچے کے کپڑے پہنتا ہے جبکہ نہلا ہلا کو ننھے بچے کے کپڑے بالکل فٹ آجاتے ہیں۔

سٹ ھینڈالیو کا سَر ½ ۲۵ اِنچ قطر کا ہے۔ جبکہ "نہلا ہلا" کے سَر کا قطر صرف ½ ۱۵ اِنچ ہے (قطر سر کی گولائی کو ناپنے کو کہتے ہیں۔ یعنی کسی بھی گول چیز کو ناپنے کا پیمانہ قطر کہلائے گا۔)

سٹ ھینڈا کے ساتھ "طبی مسئلہ" ہے۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی مڑ رہی ہے۔ جو —— اُس کا وزن صحیح طریقے سے نہیں سہار رہی ہے۔ اس کو کسی بڑے کا سہارا لے کر چلنا پڑتا ہے۔

ڈاکٹروں نے مشورہ دیا ہے کہ وہ اس کا آپریشن کر کے ایک سیدھی سلاخ اُس کی پیٹھ میں ڈالیں گے تاکہ اُس کی پیٹھ سیدھی ہو جائے۔ اس کے پاؤں بھی جھک رہے ہیں لیکن سٹ ھینڈالیو کو اس بات کی بالکل پرواہ نہیں ہے وہ تو اس وقت اور بھی خوش ہوتا ہے جب وہ اپنے دوست نہلا ہلا کو دیکھ لیتا ہے۔ اور دونوں دوست ایک دوسرے سے بہت خوش ہیں۔

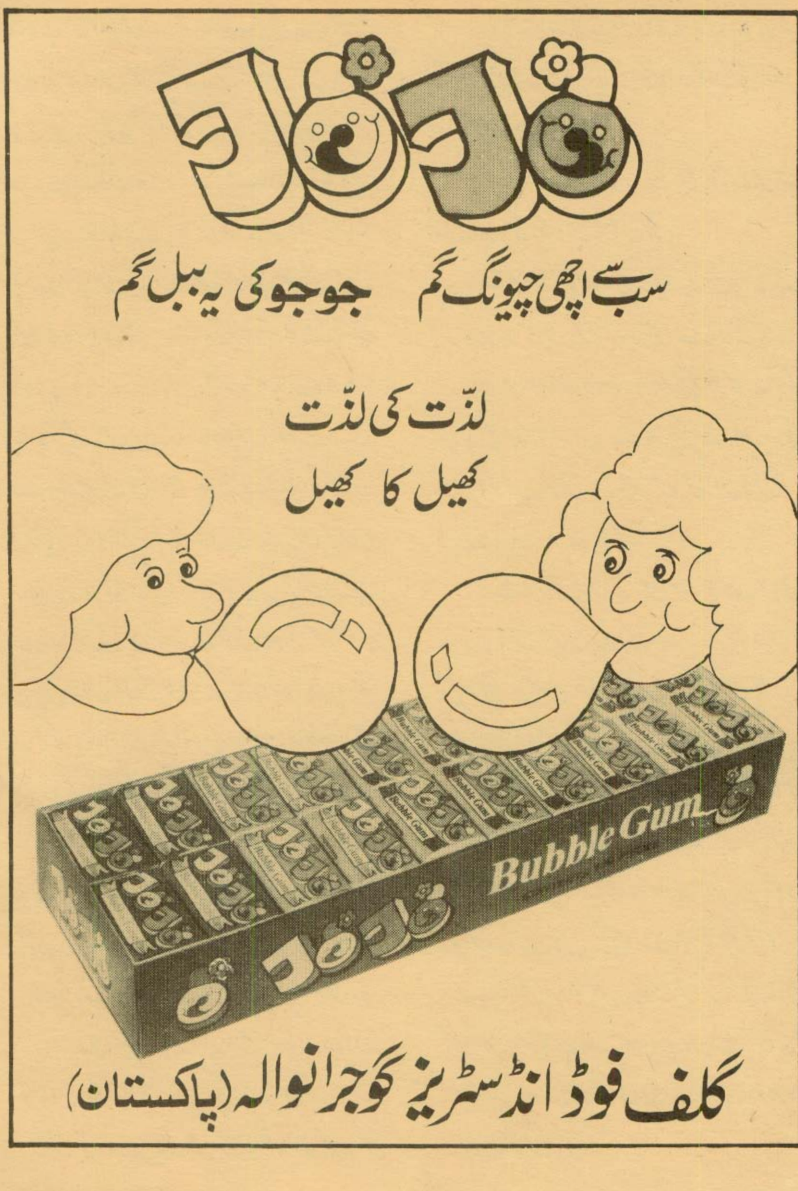

سب سے اچھی چیونگ گم جوجو کی یہ ببل گم
لذّت کی لذّت
کھیل کا کھیل
Bubble Gum
گلف فوڈ انڈسٹریز گوجرانوالہ (پاکستان)

خوشاب کا پتیسہ

احمد ندیم قاسمی

صفدر نے گرمیوں کی چھٹیاں اپنے چچا کے پاس جوہر آباد میں گزاریں۔ واپس لاہور آ کر اس نے محلے کے سب ہمجولیوں کو اپنے سفر کا حال یوں سنایا جیسے وہ جوہر آباد نہیں گیا تھا۔ چاند پر گیا تھا اور بس میں بیٹھ کر نہیں گیا تھا راکٹ میں بیٹھ کر گیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے ہمجولی رہتے تو شہر لاہور میں تھے۔ مگر انہوں نے لاہور سے باہر کی دنیا نہیں دیکھی تھی۔ وہ لاہور کے بڑے سے پنجرے میں بند تھے۔ انہیں تو بس اتنا معلوم تھا کہ جب شاہی مسجد یا مقبرہ جہانگیر کے میناروں پر چڑھ کر دیکھیں تو دور دور تک درخت نظر آتے ہیں یا کھیت یا اکا دکا آدمی یا آتی جاتی ہوئی بسیں۔ اس کے بعد زمین آسمان سے مل جاتی ہے اور بس!

اب صفدر نے انہیں لاہور سے جوہر آباد تک کے سفر کا حال سنایا تو وہ ایک دوسرے میں

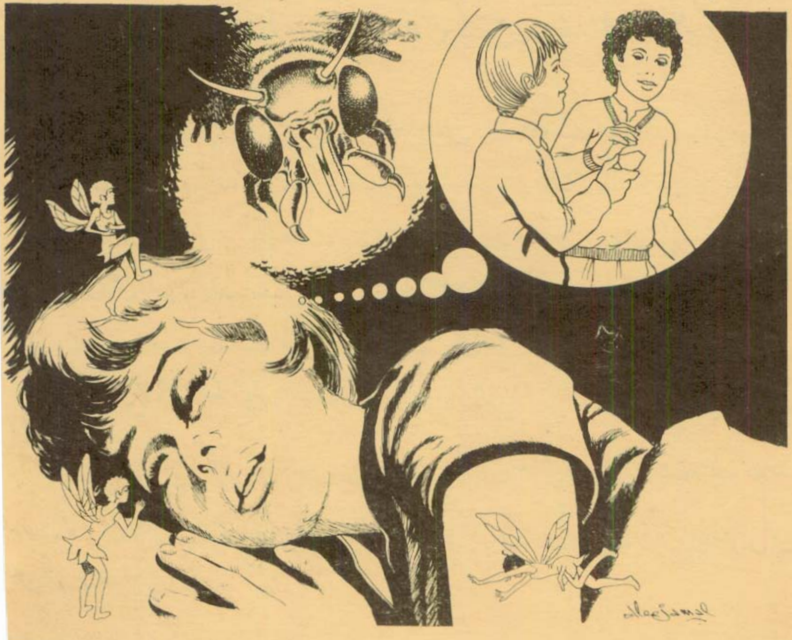

گھس گھس کر یوں سنتے رہے جیسے صفدر انہیں الف لیلہ کی کوئی نئی کہانی سنا رہا ہے۔

صفدر کو الف لیلہ کی بہت سی کہانیاں یاد تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ محلے کے سب لڑکے اس کے دوست تھے۔ وہ ہفتے میں دو تین بار شام کا کھانا کھانے کے بعد صفدر کے کمرے میں جمع ہو جاتے اور دیر تک اس سے کہانیاں سنتے رہتے۔ ان میں سے سلیم کے ساتھ صفدر کی بڑی پکی دوستی تھی وجہ یہ تھی کہ دوسرے بچے تو کہانی سنتے سنتے اونگھ جاتے، لیکن سلیم آخر تک جاگتا رہتا۔ اس دوستی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ صفدر کی امی سلیم کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ جب سلیم کی بیوہ امی ردی اخباروں اور کاپیوں کے لفافے بناتی ہیں تو سلیم ان کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ اور پھر انہیں بازار میں بیچ آتا ہے۔ صفدر کی امی کہتی تھیں کہ سلیم کی جگہ اگر کوئی اور لڑکا ہوتا تو وہ اپنی غریبی کی شرم کے مارے صفدر جیسے کھاتے پیتے بچوں کے ساتھ مل بیٹھنے سے گھبراتا یا زیادہ سے زیادہ وہ محلے کا سب سے شریر بچہ ہوتا۔ ہر راہ چلتے پر روڑے اچھالتا، گالیاں بکتا اور پٹتا رہتا مگر سلیم نہ تو اپنی غریبی سے شرمندہ تھا اور نہ شریر تھا۔ ماں بیٹا اپنے ہاتھوں کی کمائی کھاتے تھے اور انہیں کسی سے شکایت نہ تھی۔ صفدر کی امی کہتی تھیں کہ غریب گھروں میں پلنے والے ایسے لڑکے جب بڑے ہوتے ہیں تو بہت بڑے آدمی بنتے ہیں۔ صفدر اس لیے سلیم کو بہت چاہتا تھا

جوہرآباد سے واپس آتے ہی اپنے گھر والوں سے ملنے کے بعد صفدر نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ وہ سیدھا سلیم کے پاس گیا۔ سلیم نے صفدر کو دیکھا تو لفافے بناتے بناتے اچھل پڑا اور صفدر سے اپنا لئی بھرا ہاتھ ملانے کے بعد سب سے پہلا سوال یہ پوچھا "کیوں صفدر! وہاں جوہرآباد میں بھی رات کو تمہارے پاس پریاں آتی تھیں؟"

اور جب صفدر نے اسے بتایا کہ ہاں یار! وہاں بھی وہی پریاں آتی تھیں تو سلیم اپنی امی کے سامنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے بولا "دیکھا امی! میں نہ کہتا تھا؟ صفدر تو سچ مچ پریاں دیکھتا ہے۔"

سلیم کی امی ہنسنے لگیں اور انہوں نے کہا۔ "صفدر الف لیلہ کی کہانیاں پڑھنے سننے کے بعد رات کو پریاں نہیں دیکھے گا تو اور کیا دیکھے گا؟ میں تو خدا کا شکر کرتی ہوں کہ اسے پریاں ہی نظر آتی ہیں، جن بھوت نظر نہیں آتے۔

صفدر نے سلیم کو بار بار بتایا تھا اور اس روز بھی بتایا کہ "بھئی سلیم! سچ کہتا ہوں میں جب سونے کے لئے آنکھیں بند کرتا ہوں تو پہلے میرے چاروں طرف ننھے ننھے، بالکل ذرا ذرا سے جوار کے دانوں کے سے گھنگھرو بجتے ہیں، پھر چھوٹی چھوٹی میری چھنگلیا اتنی، رنگ رنگ کی پریاں جانے کہاں سے نکل پڑتی ہیں۔ چھنک چھنک ناچتی ہوئی وہ ایک دائرہ بنا کر میرے پاس آتی ہیں تو میں دیکھتا ہوں کہ کسی نے گلاب کی پتیوں کا لباس پہن رکھا ہے۔ کسی کے گلے میں موتیے کی پتیوں کا دوپٹا لٹک رہا ہے۔ کسی نے گیندے کے پھولوں کا غرارہ پہن رکھا ہے اور کسی کے ہاتھ میں نرگس کے پھولوں کی چھڑی ہے۔ ان میں سے ایک پری کنول کے پھول میں کھڑی میرے پاس آتی ہے تو سب پریاں میرے پاس آ جاتی ہیں۔ کوئی اپنے پروں سے مجھے پنکھا جھلتی ہے کوئی میری کنپٹیوں کو سہلاتی ہے۔ بہت سی پریاں غوطہ مار کر میرے بالوں میں سے آر پار نکل جاتی ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے میری امی میرے بالوں میں ہولے ہولے کنگھی کر رہی ہیں۔ یہ سب کچھ بھی ہوتا رہتا ہے اور ساتھ ہی یہ پریاں مل کر گاتی بھی رہتی ہیں اور اپنے پروں کو تالیوں کی طرح بجاتی ہیں۔ پھر میں سو جاتا ہوں مگر رات بھر میرے کانوں میں ان کی لوری کی آواز آتی رہتی ہے کئی بار میں بستر پر اٹھ بیٹھتا ہوں اور امی کو جگا کر کہتا ہوں کہ امی جی! ذرا کان لگا کر سنیئے تو پریاں گا رہی ہیں کہ نہیں؟ پر امی کو کچھ بھی سنائی نہیں دیتا۔ بڑی عمر کے لوگ ویسے بھی کچھ اونچا سننے لگتے ہیں اور پھر میری پریوں کی آواز بھی تو بہت باریک ہوتی ہے۔

صفدر کے ابا تو اپنے بیٹے کی یہ باتیں سن سن کر ڈاکٹر تک سے مشورہ کر آئے تھے اور وہ اسے پرسکون نیند کی گولیاں بھی کھلا رہے تھے۔ مگر پچھلے چند مہینوں سے پریوں نے صفدر کے یہاں آنے میں ایک دن کا بھی ناغہ نہیں کیا تھا۔ حد یہ ہے کہ انہوں نے جوہر آباد میں بھی اسکا ساتھ نہ چھوڑا۔

صفدر جب سلیم کو ساتھ لے کر گھر پہنچا تو وہاں محلے کے سب ہمجولی جمع تھے۔ صفدر نے فوراً انہیں اپنے سفر کی کہانی سنانا شروع کر دی۔

راوی پار کر کے ہماری بس ضلع شیخوپورہ میں داخل ہو گئی یہاں سڑک کے دونوں طرف کھیت ہی کھیت تھے جن کے رنگ بڑے عجیب تھے۔ کوئی گہرا سبز، کوئی ہلکا سبز، کوئی زرد اور کوئی بھورا۔ جگہ جگہ ان کھیتوں میں گھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے جن میں مٹی کے گھروندے

کھلونوں کی طرح سجے ہوئے تھے۔ بڑ کے بڑے بڑے درختوں تلے لوگ جمع تھے اور بچے بڑ کی ڈاڑھی سے لٹکے جھول رہے تھے۔ شیخوپورہ میں داخل ہونے سے پہلے ہمیں دور شیخوپورہ کا قلعہ نظر آیا، اونچا سا اور کالا سا۔ بس تیزی سے شیخوپورہ کی طرف جارہی تھی پر مجھے ایسا لگتا تھا کہ قلعہ شیخوپورہ تیزی سے ہماری بس کی طرف آرہا ہے۔ شیخوپورہ سے نکل کر ذرا سا آگے بڑھے تو دائیں طرف ہمیں ہرن مینار نظر آیا اور وہ بارہ دری بھی جو کہتے ہیں کہ تالاب کے بالکل بیچ میں بنی ہوئی ہے کہتے ہیں یہاں جہانگیر بادشاہ ہرنوں کا شکار کھیلتا تھا۔ آج کل یہاں لوگ مچھلی کا شکار کھیلتے ہیں۔ اباجی سے کہہ کر کبھی ہم بھی چلیں گے۔

پھر صفدر چوہڑکانہ، فاروق آباد، خانقاہ ڈوگراں اور چنیوٹ میں سے گزرتا ہوا دریائے چناب کے قریب پہنچا تو بولا۔ "یہاں چناب دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے اور دونوں چنابوں پر دو پل ہیں گزرتی ہیں اور اوپر سے بسیں۔ میں نے اٹک کا پرانا پل بھی دیکھا تھا۔ دریائے سندھ پر۔ وہاں ریل گاڑیاں اوپر سے گذرتی تھیں اور بسیں نیچے سے۔ جوہرآباد جاتے ہوئے دریائے جہلم پر جو پل ہے وہ ان دونوں سے مختلف ہے اس کے دائیں بائیں بسیں گزرتی ہیں اور بیچ میں سے ریل گاڑیاں ہماری بس جب چناب کے دوسرے پل پر سے گزری تو میں نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر جاکر دونوں چناب مل کر پھر ایک چناب بن گئے ہیں جیسے سلیم ایک بار مجھ سے روٹھ گیا تھا اور پھر من گیا تھا

لڑکے ہنس چکے تو صفدر نے اپنی بس ربوہ، لالیاں اور کرانہ کی پہاڑیوں میں سے گزاری وہاں سے وہ سرگودھا پہنچا اور پھر خوشاب کی سڑک پر ہو لیا اس نے دریائے جہلم کا لمبا پل پار کیا۔ اور خوشاب پہنچا۔ وہاں سے دس منٹ میں جوہرآباد پہنچ گیا۔

آخر میں صفدر نے لڑکوں کو بتایا کہ "جوہرآباد کے پاس جو پرانا شہر ہے نا خوشاب نام کا۔ جس میں سے ہم دریائے جہلم کا لمبا پل پار کرکے گزرے تھے۔ وہاں کی ایک مٹھائی بہت مشہور ہے۔ جسے پتیسا کہتے ہیں۔ ویسے تو پتیسا لاہور میں بھی ملتا ہے۔ پر جو پتیسا چچا جان نے خوشاب سے منگا کر کھلایا۔ اس میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ صبح کو کھایا تو شام تک زبان چٹخارے لیتی رہی۔ کہتے ہیں اسکا نسخہ کسی بزرگ کو پریوں نے بتایا تھا۔ جتنا کھالو اتنا ہی اور بھی کھانے کو جی چاہتا ہے دنیا میں صرف یہی ایک چیز ہے جسے خوب ٹھونس کے کھالو تو جب بھی پیٹ نہیں بھرے گا۔ واپسی پر جب ہماری بس وہاں سے گزری تو بارش ہو رہی تھی اور خوانچے والوں کا دور تک پتہ نہ تھا ورنہ

میں تم سب کے لئے ضرور لاتا۔" بعد میں صفدر نے سلیم سے کہا تھا کہ" میں چچا جان کو لکھوں گا کہ اب کے جب بھی آئیے گا۔ یہ پتیسا ضرور لائیے گا۔ تب میں تمہیں کھلاؤں گا۔ وعدہ رہا۔"

دو تین مہینے گزر گئے۔ پریاں ہر رات صفدر کے پاس آتی رہیں۔ پھر ایک رات کو جب پریاں غوطے مار مار کر اس کے بالوں میں کنگھی کر رہی تھیں اور لوریاں گا رہی تھیں تو جوہر آباد سے صفدر کے چچا آنکلے انہوں نے سوتے ہوئے صفدر کے سر پر ہاتھ پھیرا تو صفدر تڑپ کر جاگ اٹھا پھر اپنے چچا جان کو دیکھ کر مسکرانے لگا اور ایک دم بولا۔ "کیوں چچا جان! میرا پتیسا لائے؟

چچا بولے" مجھے پہلے سے معلوم تھا کہ صفدر مجھ سے پہلا سوال یہی پوچھے گا۔

بھئی! بات یہ ہے صفدر بیٹا کہ بس خوشاب میں کوئی دس منٹ تک رکی رہی اور میں ایک دوست کے ساتھ باتوں میں لگا رہا۔ پھر جب بس چلنے لگی تو سامنے مجھے پتیسے والا نظر آیا اور تب مجھے تمہاری فرمائش یاد آئی۔ بس چل رہی تھی تو میں نے جلدی سے جیب میں سے کچھ رقم نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی اور اس نے بھاگ کر مجھے پتیسے کی دو ٹکیاں پکڑا دیں۔ سارے راستے سوچتا رہا کہ صفدر کو یہ دو ٹکیاں دیتے ہوئے مجھے شرم نہ آئے گی؟ اس لئے بار بار یہی چاہا کہ اس شرمندگی سے بچنے کے لئے دونوں ٹکیاں خود کھا لوں۔!"

"تو پھر کیا کھالیں چچا جان" صفدر نے فریاد کی اور پلنگ پر سے کود کر چچا کے پاس آگیا۔

چچا بولے "نہیں بھئی! کھا لیتا تو ہضم کیسے کرتا؟ دونوں لے آیا ہوں۔ یہ لے! ہاں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اب کے آؤں گا تو بہت سا پتیسا لاؤں گا ورنہ نہیں آؤں گا۔ وعدہ رہا۔"

صفدر نے کاغذ میں لپٹی ہوئی دونوں ٹکیاں چچا کے ہاتھ سے جھپٹ لیں اور انہیں اپنے تکیے کے نیچے رکھ کر چپکے سے پلنگ پر لیٹ گیا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ ایک ٹکیا تو خیر وہ خود کھائے گا مگر دوسری پوری ٹکیا صبح سویرے سلیم کو دے آئے گا۔ یہی سوچتا ہوا وہ سو گیا اور پریاں اس کے چاروں طرف ناچنے اور گانے لگیں۔ مگر آدھی رات کو اس نے کروٹ بدلی تو پتیسے کی خوشبو سے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اٹھا اور اپنے حصے کی ٹکیا مزے لے لے کر کھانے لگا۔ پھر وہ ہونٹ پونچھ کر سو گیا اور پریاں پھر چاروں طرف سے امڈ آئیں۔ صبح کو اٹھا تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ پتیسے کی ٹکیا اٹھائی اور سلیم کے گھر کی طرف بھاگا۔ حویلی سے نکل کر گلی میں آیا تو اس کی زبان میں کچھ ایسی چل سی ہونے لگی، جیسے اس نے ذرا سا پتیسا نہ چکھا تو اس کی زبان اینٹھ جائے گی اور اس میں گرہ پڑ جائے گی

پھر اس نے سوچا: اگر میں نے اس ٹکیا میں سے ذرا سا پتیسا کھا لیا تو کیا ہوگا؟ کچھ نہیں ہوگا. سلیم اتنا غریب لڑکا ہے کہ اس نے ایسا پتیسا چکھا تو کیا دیکھا بھی نہ ہوگا ایسے لڑکوں کے لئے تو پتیسے کا ذرا سا ناخن بھر کا ٹکڑا بھی ایک نعمت سے کم نہیں ہوگا اور میں تو اسے پوری آدھی ٹکیا دوں گا. یوں اپنے آپ کو سمجھا کر اس نے وہیں گلی میں دیوار سے لگ کر آدھی ٹکیا کھا لی اور باقی آدھی کو بھی کھا لینے کے لئے اپنے آپ کو سمجھانے کی تیاری کر رہا تھا کہ اسے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی اور وہ سلیم کے گھر کی طرف بھاگ نکلا اور دروازے میں داخل ہوتے ہی پکارا "لو بھئی سلیم! خوشاب کا پتیسا کھاؤ."

سلیم بھاگا بھاگا آیا. کاغذ ہٹا کر پتیسے کو دیکھا اور پھر آدھی ٹکیا کا ایک کونا دانتوں سے کاٹ کر ایک دو بار منہ ہلا چکا تو بولا "ہائے امی جی! ادھر تو آیئے. قسم سے ایسا پتیسا ہے کہ لاجواب پتیسا ہے شیرینی میرے کانوں سے نکلی جا رہی ہے. اہا ھا ھا! لیجئے امی جان! ذرا سا آپ بھی چکھیے!"
سلیم کی امی نے پتیسا چکھا تو بولیں "اپنے وقت میں قسم قسم کی مٹھائی کھائی ہے پر یہ پتیسا تو کسی دوسری دنیا کی چیز معلوم ہوتا ہے. ہائے بیٹا! تو تو سارا خود ہی کھائے جا رہا ہے. آدھا صفدر کو بھی دے نا!

"میں نے تو رات ہی اپنے حصے کی آدھی ٹکیا کھا لی تھی." صفدر بولا مگر یوں بولا کہ اسکے پسینے چھوٹ گئے
سلیم نے حیران ہو کر صفدر کو دیکھتے ہوئے پوچھا "تو کیا رات کا پتیسا اب تک تمہارے منہ سے چمٹا ہوا ہے!"
صفدر نے گھبرا کر اپنے ہونٹوں پر یوں ہاتھ مارا جیسے تھپڑ مارا ہے. پھر وہ جھینپ کر مسکرانے لگا اور سلیم ہنسنے لگا.

وہ دن بھر سلیم سے کتراتا پھرا. اس نے کھانا بھی جی سے نہ کھایا. چچا کے پاس بھی بہت کم بیٹھا اور رات کو جلدی سے پلنگ پر لیٹ گیا. اس نے آنکھیں بند ہی کی تھیں کہ اسے چاروں طرف بڑی ڈراؤنی بھنبھناہٹ کی آوازیں سنائی دیں. پھر جانے کہاں کہاں سے پیلی پیلی بھڑیں بھنبھناتی ہوئی اس کی طرف بڑھیں اور اس کی آنکھوں کے آس پاس جمع ہو کر اسے اپنے کالے کالے لمبے لمبے ڈنک نکال کر دکھانے لگیں. پھر سب ایک ساتھ بڑھیں اور انہوں نے اس کے ہونٹوں میں اپنے ڈنک چبھو دیئے. صفدر اپنے ہونٹوں پر زور زور سے ہاتھ مارتا ہوا بلبلا کر اٹھا تو اس کی امی اس

کی طرف بھاگیں "کیا ہوا میرے لال کو؟"

صفدر چلّایا "بھڑیں امی! بھڑیں! اتنی بہت سی۔ وہ میرے ہونٹوں کو کاٹ رہی ہیں۔" سارا گھر جمع ہو گیا۔ وہاں بھڑ کیا کہیں ایک چیونٹی تک کا نشان نہ تھا۔ اس پر صفدر کے ابّا بولے "اس لڑکے کا تو دماغ چل گیا ہے۔ پچھلے ایک سال سے اسے پریاں گانا سنا رہی تھیں۔ آج بھڑیں کاٹنے آگئیں۔ اس کے سر میں ضرور کوئی فتور ہے سوجا بیٹا۔ سوجا! خوابوں سے نہیں ڈرتے خوابوں میں تو لوگوں کو ہوائی جہاز کی طرح اڑتے ہوئے اونٹ بھی نظر آجاتے ہیں سوجا!"

صفدر لیٹ گیا اور اس کی امی اسے تھپکنے لگیں مگر ادھر اس کی آنکھیں بند ہوتیں، ادھر بھنبھناہٹ شروع ہو جاتی اور بھڑیں اس کے ہونٹوں پر ہلا بول دیتیں۔ اس رات وہ کئی دفعہ چیخ چیخ کر جاگا سارے گھر کی نیند حرام ہو گئی اس کی امی آیۃ الکرسی پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکتی رہیں پھر پچھلے پہر، جب وہ اپنی امی کے زانو پر سر رکھ کر سو گیا۔ اور بھڑیں ایک بار پھر اس کی طرف بڑھیں تو اچانک ایک طرف سے کنول کے پھول میں کھڑی ہوئی پری آئی اور اسے دیکھتے ہی ساری بھڑیں غائب ہو گئیں۔ پھر وہ پری رونے لگی اور ہچکیوں میں بولی "میں اس لئے رو رہی ہوں کہ آج ہم پریاں اپنا پیارا دوست کھو بیٹھی ہیں۔ ہم پریاں تو صرف اچھے بچوں کی دوست ہوتی ہیں نا صفدر میاں اور اچھے بچے وہ ہوتے ہیں جو سچے ہوتے ہیں۔ نڈر ہوتے ہیں۔ ایمان دار ہوتے ہیں۔ انصاف کرتے ہیں جھوٹ نہیں بولتے اور دھوکا نہیں دیتے۔ تم نے صفدر میاں! ایک ذرا سے پتیسے کی خاطر اپنے اتنے پیارے دوست سے جھوٹ بولا اور صرف اس لئے بولا کہ وہ غریب ہے۔ تمہارے خیال میں غریب بچے کے لئے پتیسے کی صرف آدھی ٹکیہ ہی کافی ہوتی ہے اور تم ڈیڑھ ٹکیہ ڈکار کر بھی بھوکے کے بھوکے ہی رہتے ہو۔ پھر تم اسے بتاتے ہو کہ تمہارے چچا جان تو پتیسے کی صرف ایک ہی ٹکیہ لائے تھے۔ کیا یہ سچائی ہے؟ کیا یہ بہادری ہے؟ کیا یہ ایمان داری ہے؟ کیا یہ انصاف ہے؟ کیا یہ جھوٹ نہیں ہے؟ کیا یہ دھوکا نہیں ہے؟ پھر ہماری تمہاری دوستی کیسے نبھے؟ پریوں نے تو آج تم سے کٹی کر لی تھی اور وہ بھڑیں بن کر تم سے اپنی دوستی کا بدلہ لینے آئی تھیں پر اب تم اپنے کئے پر پچھتا رہے ہو۔ اس لئے میں انہیں منانے لاتی ہوں۔ لیکن یاد رکھو اب یہ بات عمر بھر نہ بھولنا کہ انسان امیر غریب نہیں ہوتا۔ انسان تو صرف انسان ہوتا ہے جس طرح ہم پریاں صرف پریاں ہوتی ہیں۔ آجاؤ بھئی پریو! پریوں کے روپ میں آجاؤ۔

ٹرانزسٹر، ٹارچ اور کھلونوں کیلئے بہترین

الہ دین بیٹری سیل

زیادہ قوّت — زیادہ دیرپا
مکمل طور پر قابلِ اعتماد - لیک پرُوف

086.MIL 5

PARAGON

جاوید اقبال

کے کارٹون

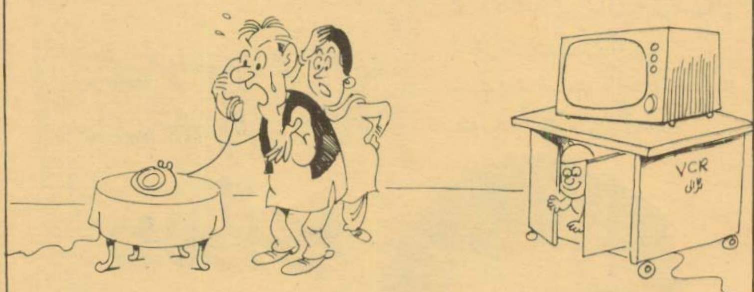

ہیلو پولیس اسٹیشن — ہمارا مُنّا گم ہوگیا ہے .... دو سال کا ہے۔ شرارتی ہے...اور

ٹیلی ویژن کی حد تک ہم خود کفیل ہو چکے ہیں

ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت۔ جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
مستقبل کی بڑی ذمّہ داریوں کے لئے ابھی سے اپنے ذہن کو تروتازہ اور جسم کو توانا رکھئے
غیر متوازن غذائیں انسانی جسم کی تمام ضروریات پوری نہیں کرتیں۔
دودھ واحد غذا ہے جو انسانی جسم کو زیادہ سے زیادہ قوّت فراہم کرتی ہے۔
سارے خواب پورے ہوں
سارے سُکھ پاؤ.... مگر
دُودھ تو پیو
قدرت کی عطا کردہ اِس انمول نعمت میں کیلشیم، پروٹین، وٹامنز اور بہت سے معدنی اجزا شامل ہیں۔ دُودھ کا روزانہ استعمال۔ اچھی صحت، بیدار ذہن اور خوشگوار زندگی کی ضمانت ہے
دن میں دوبار دودھ پینا اپنی عادت بنا لیجئے۔
چاہیں تو دُودھ میں چاکلیٹ یا شربت ڈال کر پی سکتے ہیں۔
یوں گویا۔
غذا کی غذا
مزے کا مزا
اشتہار برائے بہبود اطفال: منجانب ماہنامہ آنکھ مچولی، کراچی

MASS

نفیس فریدی

یہاں ذرا سی بھی غفلت میں جان کا خطرہ ہے سرکار
ہے یہ شہر کی ٹریفک بچّو رہنا تم اس سے ہوشیار

چوراہوں پر آٹو میٹک سگنل راہ بتاتا ہے
خطرہ ہے آگے نا بڑھنا، سرخ ہمیں بتلاتا ہے
ہو جاؤ تیار وہ پیلی آنکھ سے یہ سمجھاتا ہے
ہرے کا مطلب یہ ہے بچو آؤ رستہ کر لو پار
ہے یہ شہر کی ٹریفک بچّو رہنا تم اس سے ہوشیار

سڑک ٹریفک کی خاطر ہے پیدل چلنے کو فٹ پاتھ
فٹ پاتھوں پر کبھی نہ چلنا باہیں ڈالے پکڑے ہاتھ
بیچ سڑک پر بھی نا کرنا دوڑ بھاگ غفلت کے ساتھ
پار سڑک جو بھی کرنی ہو پُل پر سے جانا ہر بار
ہے یہ شہر کی ٹریفک بچّو رہنا تم اس سے ہوشیار

کام کوئی ایسا نہ کرنا جس سے کسی کا ہو نقصان
راہ میں سیدھے سادھے چلنا اچھے بچّوں کی پہچان
جو بھی ہیں آدابِ ٹریفک ان سے مت رہیے انجان
پیارا بچّہ وہی ہے جس کو شہری اصولوں سے ہو پیار
ہے یہ شہر کی ٹریفک بچّو رہنا تم اس سے ہوشیار

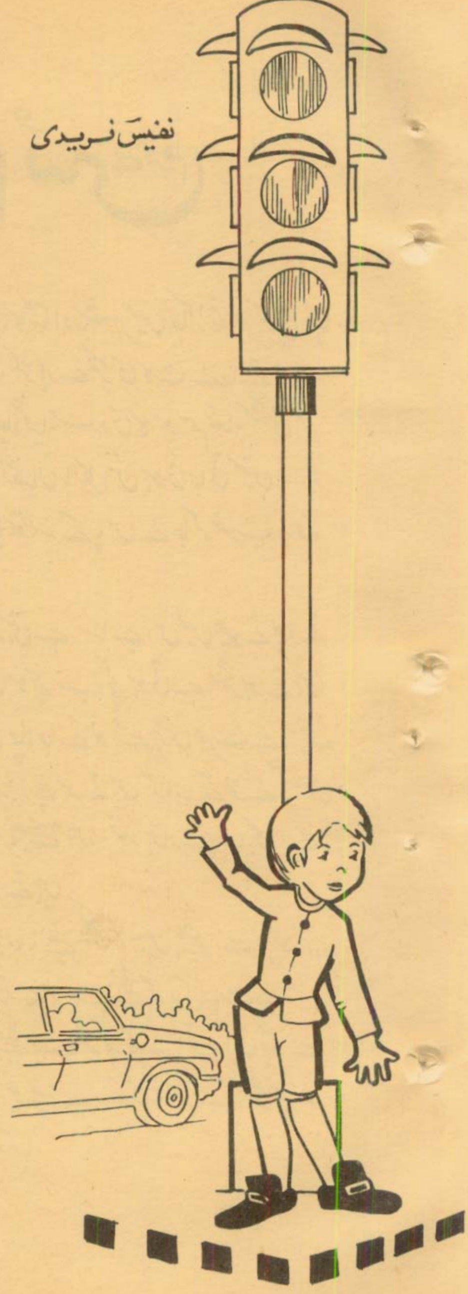

ڈاکٹر ذاکر حسین
سابق صدر بھارت

اُسی سے ٹھنڈا اُسی سے گرم

ایک لکڑہارا تھا۔ جنگل میں جاکر روز لکڑیاں کاٹتا اور شہر میں جاکر شام کو بیچ دیتا تھا۔ ایک دن اس خیال سے کہ آس پاس سے تو سب لکڑہارے لکڑی کاٹ لے جاتے ہیں۔ سوکھی لکڑی آسانی سے ملتی نہیں، یہ دور جنگل کے اندر چلا گیا۔ سردی کا موسم تھا۔ کٹکٹی کا جاڑا پڑ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں ٹھٹھرے جاتے تھے۔ اس کی انگلیاں بالکل سُن ہوئی جاتی تھیں۔ یہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کلہاڑی رکھ دیتا اور دونوں ہاتھ منہ کے پاس لے جاکر خوب زور سے ان میں پھونک مارتا کہ گرم ہو جائیں۔

جنگل میں نہ معلوم کِس کِس قسم کی مخلوق رہتی ہے۔ سنا ہے اس میں چھوٹے چھوٹے سے بالشت بھر کے آدمی بھی ہوتے ہیں۔ اُن کی داڑھی مونچھ سب کچھ ہوتی ہے۔ مگر ہوتے ہیں بس ریخ ہی سے۔ ہم تم جیسا کوئی آدمی ان کی بستی میں چلا جائے تو اُسے بڑی حیرت سے دیکھتے ہیں۔ کہ دیکھیں یہ کیا کرتا ہے۔ لیکن یہ ہم لوگوں سے ذرا اچھے ہوتے ہیں کہ ان کے لڑکے کسی پردیسی کو ستاتے نہیں نہ ان پر تالیاں بجاتے ہیں نہ پتھر پھینکتے ہیں۔ خود ہمارے یہاں بھی اچھے بچے ایسا نہیں کرتے۔ لیکن اُن کے یہاں تو سب ہی اچھے ہوتے ہیں۔

خیر۔ لکڑہارا جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا۔ تو ایک میاں بالشتیے بھی کہیں بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ میاں بالشتیے نے جو دیکھا کہ یہ بار بار ہاتھ میں کچھ پھونکتا ہے تو سوچنے لگے کہ یہ کیا بات ہے۔ دیر تک (ہُنہ) تماشا ہی تھوڑی اپنے ننھے سے ہاتھ پر دھرے بیٹھے رہے مگر کچھ سمجھ نہ آیا تو یہ اپنی جگہ سے اُٹھے۔ اور کچھ دُور چل کر پھر لوٹ آئے کہ نہ معلوم کہیں پوچھنے سے یہ آدمی بُرا نہ مانے۔ مگر پھر نہ رہا گیا۔ آخر کو ٹھمک ٹھمک لکڑہارے کے پاس گئے اور کہا۔

سلام بھائی، بُرا نہ مانو تو ایک بات پوچھیں۔"

لکڑ ہارے کو یہ ذرا سا انگوٹھے برابر آدمی دیکھ کر تعجّب بھی ہوا، ہنسی بھی آئی۔ مگر اُس نے ہنسی کو روک کر کہا۔

"ہاں ہاں بھئی ضرور پوچھو"

بس یہ پوچھتا ہوں کہ تم مُنہ سے ہاتھوں میں پھونک سی کیوں مارتے ہو۔

لکڑ ہارے نے جواب دیا "سردی بہت ہے ہاتھ ٹھٹھرے جاتے ہیں۔ میں مُنہ سے پھونک کر انہیں ذرا گرم کر لیتا ہوں، پھر ٹھٹھرنے لگتے ہیں تو پھر پھونک لیتا ہوں۔

میاں بالشتیئے نے اپنا سپاری جیسا سر ہلایا اور کہا "اچھا یہ بات ہے۔ یہ کہہ کر بالشتیے میاں وہاں سے کھسک گئے مگر رہے آس پاس ہی اور کہیں سے بیٹھے برابر دیکھا کئے کہ لکڑ ہارا اور کیا کرتا ہے

دوپہر کا وقت آیا۔ لکڑ ہارے کو کھانا پکانے کی فکر ہوئی۔ اِدھر اُدھر سے دو پتھر اٹھا کر چولہا بنایا۔ اس کے پاس چھوٹی سی ہانڈی تھی۔ آگ سُلگا کر اُسے چولہے پر رکھا اور اس میں آلو اُبلنے کے لئے رکھ دیئے۔ گیلی لکڑی تھی اس لئے آگ بار بار ٹھنڈی ہو جاتی تو لکڑ ہارا منہ سے پھونک کر تیز کر دیتا تھا۔ اے

بالشتیے نے دور سے دیکھ کر اپنے جی میں کہا۔ اب یہ پھر پھونکتا ہے کیا اِس کے منہ سے آگ نکلتی ہے۔ لیکن چپُ چاپ بیٹھا دیکھا کیا۔ لکڑہارے کو بھوک زیادہ لگی تھی۔ اس لئے چڑھی ہوئی ہانڈی میں سے ایک آلو جو ابھی پورے طور پر اُبلا بھی نہ تھا، نکال لیا۔ اُسے کھانا چاہا تو وہ ایسا گرم تھا جیسے آگ۔ اس نے مشکل سے اُسے اپنی ایک انگلی اور انگوٹھے سے دبا کر توڑا اور منہ سے فو فو کر پھونکنے لگا۔

"ارے بالشتیے نے پھر جی میں کہا۔ یہ پھر پھونکتا ہے۔ اب کیا اس آلو کو پھونک کر جلائے گا۔ لیکن آلو جلا جلایا کچھ نہیں۔ وہ تو تھوڑی دیر فو فو کر کے لکڑہارے نے اُسے اپنے مُنہ میں رکھ لیا اور غپ غپ کھانے لگا۔ اب تو اِس بالشتیے کی حیرانی کا حال نہ پوچھو۔ اس سے پھر نہ رہا گیا اور ٹھمک ٹھمک پھر لکڑہارے کے پاس آیا۔ اور کہا سلام" برا نہ مانو تو ایک بات پوچھیں۔

لکڑہارے نے کہا۔ برا کیوں مانوں گا۔ پوچھو۔

بالشتیے نے کہا۔ تم نے صبح مجھ سے کہا تھا کہ منہ سے پھونک کر اپنے ہاتھوں کو گرماتا ہوں۔ اب اس آلو کو کیوں پھونکتے تھے۔ یہ تو خود بہت گرم تھا اِسے اور گرمانے سے کیا فائدہ۔

نہیں میاں ٹلو۔ یہ آلو بہت گرم ہے اُسے مُنہ سے پھونک پھونک کر ٹھنڈا کر رہا ہوں۔

بات تو کچھ ایسی نہ تھی مگر یہ سن کر میاں بالشتیے کا منہ پیلا پڑ گیا۔ ڈر کے مارے کپ کپ کانپنے لگے۔ برابر پیچھے ہٹتے جاتے تھے۔ لکڑہارے سے ڈر کر کچھ سہم سے گئے تھے۔ ذرا سا آدمی یوں ہی دیکھ کر ہنسی آئے۔ اس تھر تھر، کپ کپ کی حالت میں دیکھ کر تو ہر کسی کو ہنسی آئے گرم بھی ہو یخ بھی ہو۔ لکڑہارے کو بھی ہنسی آئی۔ لیکن وہ بھی بھلا مانس تھا۔ اس نے آخر پوچھا کہ "کیوں کیوں کیا ہوا۔ کیا جاڑا بہت لگ رہا ہے۔ مگر میاں بالشتیے تھے کہ برابر پیچھے ہی ہٹتے چلے گئے۔ اور جب کافی دور ہو گئے تو بولے یہ نہ جانے کیا بلا ہے کوئی بھوت ہے یا جن ہے۔ اُسی سے ٹھنڈا اُسی سے گرم، ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی"۔ اور سچ ہے یہ بات اِن میاں بالشتیے کی ننھی سی کھوپڑی میں آنے کی تھی بھی نہیں۔

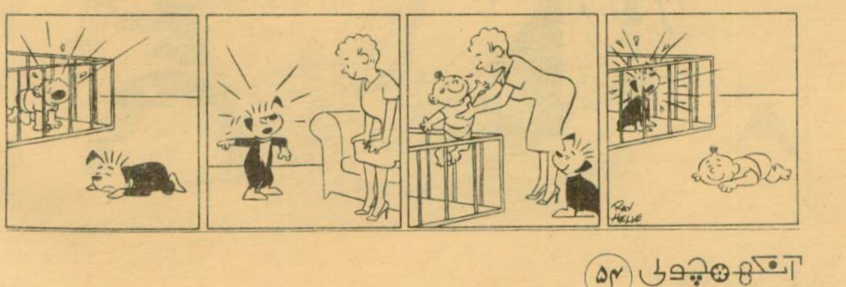

جوئیں ایک بچے سے دوسرے بچے اور بڑوں میں منتقل ہوجاتی ہیں۔ خون چوستی ہیں اور بچوں کی ذہنی نشوونما پر اثرانداز ہوتی ہیں :

جوؤں سے موثر نجات کیلئے
کوپیکس اینٹی لائس لوشن

کوپیکس ڈی.ڈی.ٹی، بی ایچ سی اور میلاتھیان سے پاک ہے۔

کوپیکس لوشن میں جدید تحقیق پر مبنی کیڑے مار دوا پرمیتھرین شامل ہے جو سر کی جوؤں اور لیکھوں کے خاتمہ کے لئے نہایت موثر ہے۔

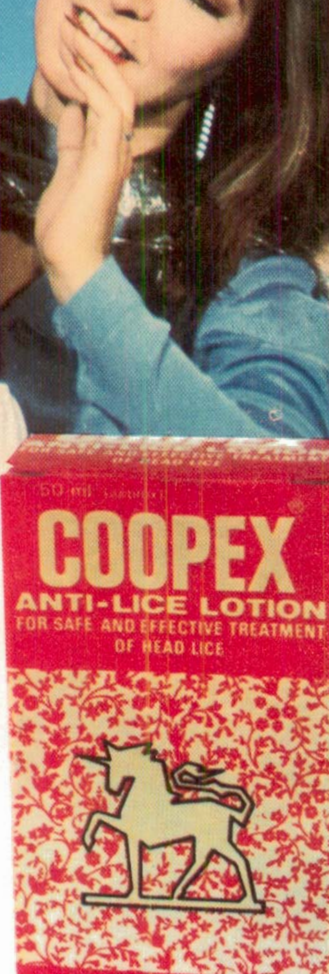

Wellcome Insecticides Division.

پولیس کا ہے فرض مدد آپ کی

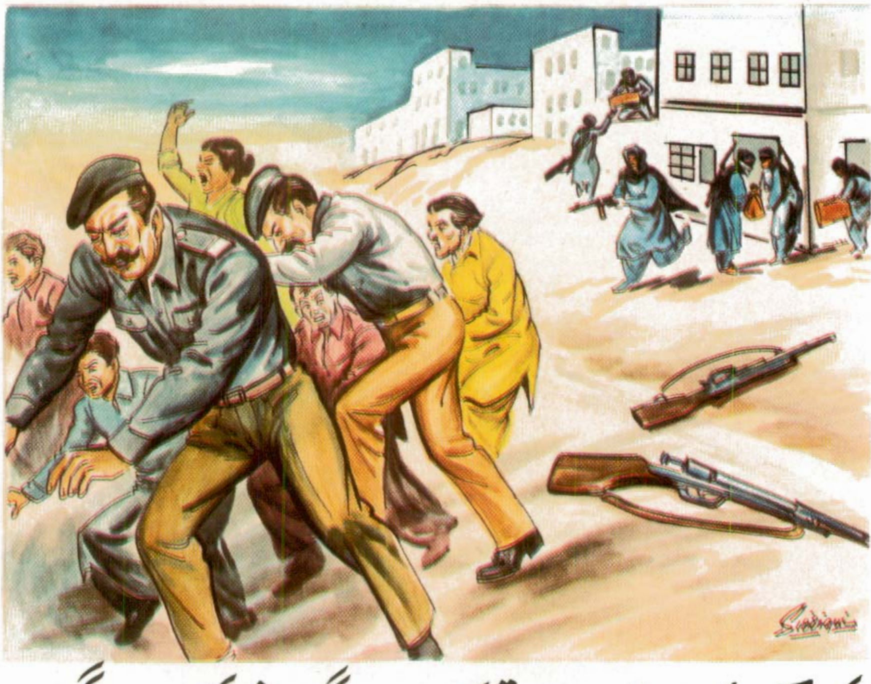

ڈاکو آجائیں تو ..... تم بھی بھاگو ہم بھی بھاگیں

ایک امریکی برما کے ہوٹل میں بیٹھا تھا اور شیخی بگھار رہا تھا کہ ہمارے ملک میں بہت بڑے بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک برمی چپ چاپ بیٹھا اس کی باتیں سن رہا تھا۔ امریکی نے اس سے پوچھا "کیوں بھئی تمہارے ملک میں بھی کوئی بڑا آدمی پیدا ہوتا ہے؟"

"جی نہیں" برمی نے جواب دیا "ہمارے ملک میں سب بچے پیدا ہوتے ہیں"۔

اسمٰعیل عبدالرحمٰن، میٹھادر ———— کراچی

سرکاری افسر نے ڈاکٹر سے کہا

"میں اپنے موٹاپے کی وجہ سے سخت پریشان ہوں۔ کوئی علاج بتادیں"۔

ڈاکٹر نے جواب دیا

آپ کھانا ہمیشہ اپنی تنخواہ سے کھائیں تو آئندہ یہ شکایت بالکل نہیں ہوگی"۔

تجمل حسین حیدری، گورنمنٹ کالج ———— پنڈدادنخان

باپ:۔ بتاؤ مکھی اور مچھر میں کیا فرق ہے

بیٹا:۔ دونوں ڈاکٹر ہیں۔

باپ:۔ وہ کیسے؟

بیٹا:۔ مکھی معائنہ کرتی ہے اور مچھر انجکشن لگاتا ہے۔

ولی محمد، ———— لانڈھی، کراچی

ایک لڑکا:۔ کیا تم اس لڑکے کو جانتے ہو؟

دوسرا لڑکا۔ ہاں! اس سے میرا دور کا رشتہ ہے۔ ہم بارہ بھائی ہیں۔ میں سب سے بڑا ہوں اور وہ سب سے چھوٹا ہے۔

حبیب منظر ———— کراچی

ایک صاحب نے ڈاکٹر سے کہا "جب میں صبح جھک کر پہلے ایک اور پھر دوسری ٹانگ اٹھاتا ہوں تو میری کمر میں درد کی شدید ٹیس اٹھتی ہے"۔

ڈاکٹر نے کہا: "اس سے چھٹکارا پانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ یہ عمل بند کر دیں"۔

ان صاحب نے بھولے پن سے پوچھا "تو پھر بتایئے میں پتلون کیسے پہنوں؟"

سوال: کس ماہ میں ۲۸ دن ہوتے ہیں؟

جواب: ہر ماہ میں

سید علی اطہر ——— کاظم آباد سوسائٹی، کراچی، ۲۸

بیرا: جناب! آپ کھانے سے پہلے دام ادا کر دیں۔

مسافر: کیوں؟

بیرا: اس لئے کہ کل ایک مسافر کھاتے ہی مر گیا اور مالک نے دام مجھ سے لئے۔

عروج، ——— پاکستان چوک، کراچی

اسلم (باجی سے) باجی بارش کا پانی کہاں جاتا ہے؟

باجی: (جو پہلے ہی غصے میں تھیں) میرے سر میں۔

اسلم: اچھا جب ہی تو آپ کی ناک بہہ رہی ہے

روبینہ اختر بلوچ ——— شاہ فیصل کالونی، کراچی

استاد (شاگرد سے) "مجید! اگر تم یہ بتا دو کہ خدا کہاں ہے، تو میں تمہیں ایک روپیہ انعام دوں گا"؟

مجید: ماسٹر صاحب! اگر یہ بتا دیں کہ خدا کس جگہ نہیں ہے تو میں آپ کو دو روپے انعام دوں گا۔

عزیز احمد ذوالقرنین ——— یونٹ نمبر ۹ حیدرآباد

استاد (شاگرد سے) ملزم کی جمع بتاؤ۔

شاگرد۔ جناب ملازم

نبیل غفار ——— حاچلور

استاد "جگہ جگہ جلتی سگریٹ مت پھینکو، امریکہ کی آتشزدگی یاد کرو" اس جیسا کوئی جملہ بناؤ۔

شاگرد: "جگہ جگہ مت تھوکو، بنگال کا سیلاب یاد کرو"

شہزاد اقبال، ——— کوہاٹ روڈ پشاور

مسز نیلی اپنے بیٹے کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ اسکول کا وقت ہوگیا ہے۔ جلدی اٹھو تمہیں اسکول جانا ہے۔

"ممی میں اسکول نہیں جاؤں گا۔ مجھے اسکول سے نفرت ہے۔ بچے مجھے پسند نہیں کرتے۔ استانیاں مجھے نفرت سے دیکھتی ہیں۔ اسکول کا سارا اسٹاف مجھے ناپسند کرتا ہے۔

"مگر تمہیں اسکول جانا ہے" اس کی ممی نے کہا "تم اب بچے نہیں چالیس برس کے ہو اور اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہو"۔

شکیلہ شیرازی ——— ٹنڈو آدم

اٹھارویں صدی کے سائنس دانوں میں کون سی قدر مشترک تھی۔

وہ سب کے سب مر چکے ہیں۔

مریض (فون پر)! ڈاکٹر صاحب. میں اپنے موذی مرض سے تنگ آکر خودکشی کر رہا ہوں!

ڈاکٹر:۔ ہیلو، ہیلو۔! سنو۔ جب تک میرے ایک اہم سوال کا جواب نہ دو۔

اس وقت تک کوئی خطرناک قدم ہرگز نہیں اٹھانا۔

کیا تم نے میرے بلوں کی ادائیگی کر دی ہے۔؟

بھری محفل میں ہو جائے گا دنگا
نہ مانگو تم کبھی گنجے سے کنگھا

حامد علی سید ——— کراچی

اسلم کے والد رپورٹ دیکھ کر بہت ناراض ہوئے

"کتنی خراب رپورٹ ہے، اسلم تمہیں شرم آنی چاہیے۔ انگریزی خراب، حساب خراب، اردو خراب، حد ہو گئی، حد ہو گئی۔"

"مگر جناب، آپ آگے بھی تو دیکھیں، لکھا ہے۔ صحت بہت اچھی ہے۔

معدیہ ——— نارتھ ناظم آباد، کراچی

⊙ ایک چھوٹی سی بچی کی اپنی سہیلی سے لڑائی ہو گئی، بچی کی ماں نے اُسے سمجھایا — "یاد رکھو! سہیلی کی چٹیا کھینچنے پر تمہیں شیطان نے اُکسایا ہوگا"

بچی بولی، "ایسا ہی ہوا ہوگا۔ مگر اُسے لات رسید کرنے کا خیال میرا اپنا تھا۔"

سرفراز حسین، ——— خیر پور میرس

ایک آدمی (مصور سے) اچھا تو یہ ہے وہ وحشتناک اور خوفناک تصویر جو آپ نے بنائی ہے۔؟

مصور۔ معاف کیجئے گا جناب۔ یہ آئینہ ہے۔

صدف ——— نارتھ ناظم آباد، کراچی

جج ملزم کے ساتھ سختی سے پیش آرہا تھا۔ اس نے کئی بار پوچھا۔ "تم کب پیدا ہوئے تھے؟" ملزم چپ رہا، اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

آخر جج نے ذرا نرمی سے پوچھا

"تمہاری سالگرہ کب ہے۔؟"

ملزم نے کہا

"کیا آپ مجھے تحفہ دینے کے لئے پوچھ رہے ہیں؟"

طیب رضا ——— پی اے ایف، کراچی

ایک ناپسندیدہ شاعر مشاعرے میں بیٹھا تھا کہ کسی نے اسے بتایا کہ "آپ کا جوتا کوئی اٹھا کرلے گیا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" وہ بولے۔ "جب میں غزل پڑھنے لگوں گا تو واپس آجائے گا۔"

مدثر، ——— پاکستان چوک، کراچی

ایک پاگل (دوسرے پاگل سے) میرے سر میں درد ہے۔

دوسرا پاگل (پہلے پاگل سے) میرے گلے میں بھی درد ہے۔

آپ میرا سر دبا دیں بعد میں، آپ گلا دبا دوں گا!

محمد احمد جلبانی ——— ناگن چورنگی، نارتھ کراچی

بڑا بھائی:۔ احتیاط سے چلا کرو، ورنہ کسی دن موٹر کے نیچے آجاؤ گے۔

چھوٹا بھائی:۔ موٹر کے نیچے آنے سے کیا ہوتا ہے۔ میرے سر کے اوپر سے تو کئی جہاز گزر چکے ہیں۔

محمد سعید آفتاب، طارق محمود ——— دڑو (نواب شاہ)

نیا نوکر انتہائی اجڈ تھا۔ مالک نے سمجھایا کہ کسی کا ذکر کرتے وقت اس کے نام کے ساتھ صاحب یا صاحبہ ضرور لگایا کرو۔ تھوڑی دیر بعد نوکر بھاگتا ہوا آیا اور کہنے لگا۔

"صاحب! کتے صاحب نے ہماری مُرغی صاحبہ کو پکڑ لیا ہے۔

خواجہ عمر فاروق، النور سوسائٹی ——— کراچی،

ایک روسی فوجی عربی سیکھ رہا تھا۔ اس کی اس نے وجہ بتائی۔ "کہتے ہیں جنّت کی زبان عربی ہوگی" کسی نے پوچھا "اگر جنّت کے بجائے تمہیں جہنّم میں بھیج دیا گیا پھر کیا کرو گے ؟"

روسی زبان تو مجھے آتی ہی ہے۔ روسی فوجی نے جواب دیا۔

خالدہ عندلیب ——— شاہ فیصل کالونی، کراچی

تم بتاؤ تو سہی تمہیں کس نے مارا ہے، میں اسے کچا چبا جاؤں گی، دادی اماں نے غصّے سے کہا۔

"مگر دادی جان! آپ کے تو دانت ہی نہیں ہیں"۔ بچّے نے جواب دیا۔

عبد القدوس صابر ——— هیرا سنگھ (اوکاڑہ)

ایک صاحب بہت جلدی میں تھے انہوں نے ایک آدمی سے پوچھا؟

"آپ کے بجے میں کیا گھڑی ہے"

دوسرے صاحب، جو ان سے بھی زیادہ جلدی میں تھے جھٹ بولے۔

"نو نے پون"

محمد انیس نایاب، ——— لانڈھی، کراچی

امریکہ میں ایک قاتل کو بجلی کی کرسی کے ذریعہ سے سزائے موت دی جانے والی تھی۔ اسے کرسی پر بٹھایا جا چکا تھا۔ جلاّد نے پوچھا۔ تمہاری آخری خواہش کیا ہے۔ قاتل نے جواب دیا۔ بس میرا ہاتھ پکڑے رکھو اسی طرح مجھے سہارا رہے گا۔

ہمایوں بجو نیجو، ——— کٹھی پاڑہ۔ سانگھڑ ٹنڈو آدم

استاد: (شاگرد سے) کل تم مدرسہ کیوں نہیں آئے ؟

شاگرد: جناب میں بیمار تھا۔

استاد: مگر کل تو تم سائیکل چلا رہے تھے۔

شاگرد: میں جناب ڈاکٹر کو بلانے جا رہا تھا۔

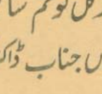

کھلونے

رفیق عباس جعفری

یہ چھوٹا سا شوکیس ——— میری خوشیوں کی دنیا
یہ ننھا سا اِک بکس — میرے رنگوں کی دنیا
یہ منا سا اک خانہ — میرے سپنوں کی دنیا

=

یہ چھوٹا سا اک گھر — اس میں چھوٹے چھوٹے در
اس میں ننھی سی کھڑکی — کھلتی اندر اور باہر

=

یہ اک ہیلی کوپٹر — اس کے اوپر اس کے پر
اس کے ننھے ننھے سے پہیے — بھاگیں فرَ فرَ فرَفرَ

=

یہ اک پیاری موٹر کار — دیکھو اس کے پہیے چار
چابی ایک منٹ بھر دو — بھاگے پانچ منٹ خودکار

=

یہ اک گڈا اک گڑیا — گڈا موٹا گُڑیا چڑیا
ان کے کپڑے رنگ برنگ — وہ بھولا یہ بس کی پڑیا
یہ اک چھوٹا سا شوکیس — یہ اک منا سا شوکیس

یہ اک پیارا سا شوکیس
میری خوشیاں میرے سپنے میرے رنگ

تقدیر کے فیصلے

روم کی کہانی

ترجمہ : رابعہ محمود

ایک اندھیری رات کو آندھی اور طوفان آیا ہوا تھا۔ ٹائبر دریا بھی خوب چڑھا ہوا تھا اور پہاڑوں سے کیچڑ مٹی اور ریت لے کر تیزی سے نیچے آ رہا تھا۔ ایسے شدید طوفانی موسم میں ایک دبلی پتلی عورت آندھی کے تھپیڑے کھاتی ایک ہلتے ہوئے تھیلے کو گود میں دبائے دریا کی طرف تیزی سے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ پانی کی سرکش موجوں کے شور کے باوجود دو ننھے بچوں کے رونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جو غالباً اس ٹھنڈی اور تیز ہوا کے خلاف احتجاج کر رہے تھے۔ نوعمر دوشیزہ دریا کے کنارے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس نے چھوٹی سی کشتی کنارے کے قریب رکھی پھر ایک گٹھری سے دو ننھے منے بچے نکالے اور انہیں کشتی میں لٹا دیا تھوڑی دیر تک تو وہ انہیں دیکھ کر روتی رہی پھر اس نے ان بچوں کو اچھی طرح شال میں لپیٹا اپنی آنکھیں بند کیں اور دل پر پتھر کی سل رکھتے ہوئے کشتی کو پانی میں بہا دیا۔ تیز رو دریا میں چھوٹی سی کشتی چکر کھاتی تیزی سے آگے نکل گئی اور چند ہی لمحوں میں رات کے اندھیروں نے اس کو نگل لیا لڑکی کافی دیر کنارے پر کھڑی رہی۔ بچوں کے رونے کی آواز اس کے کانوں میں گونجتی رہی۔ اور پھر وہ بھی گم ہو گئی۔

لڑکی کا نام ریما سلویا تھا۔ یہ کوئی چڑیل یا ڈائن یا قاتل نہیں تھی۔ جو اپنے بچوں کو ایسے موسم میں دریا میں ڈال کر جا رہی تھی۔ جہاں ان کی موت یقینی تھی حالات ہی کچھ ایسے تھے کہ وہ یہ خوفناک قدم اٹھانے پر مجبور تھی ریما جانتی تھی کہ اگر وہ بچوں کو اس طوفان میں ایک کمزور سی کشتی میں دریا کے حوالے نہ کر دیتی تو شاید اس کے بچے اس سے بھی زیادہ خوفناک ظلم کی بھینٹ چڑھ جاتے اور ان کے زندہ بچ جانے کی کوئی بھی امید باقی نہ رہتی۔

پندرہ روز قبل جب یہ جڑواں بچے پیدا ہوئے تھے تب ہی سے ریما جانتی تھی کہ ان کو زندہ نہیں رہنے دیا جائے گا۔ ریما کوئی معمولی عورت نہ تھی۔ وہ ایک شہزادی تھی۔ اس کا باپ البالونگا کا بادشاہ تھا۔ جس کا نام نیومیٹر تھا۔ جس کو اُس کے بیٹے نے تخت سے اتار دیا تھا اور ریما عزیب کو ویسٹا مندر کی پجارن بنا دیا تھا۔ تاکہ وہ دنیا چھوڑ دے اور ساری زندگی کنواری رہ کر مندر میں پوجا پاٹ کرتے ہوئے گزار

دے۔ ریما ایسی زندگی گزارنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن امیولس یعنی اس کے بھائی نے اسے مجبور کیا کہ وہ دنیا ترک کر دے اور مندر کی ان خاموش دیو داسیوں میں شامل ہو جائے جو سنگِ مرمر کے ٹھنڈے مندر میں زندگیاں گزار دیتی ہیں۔

امیولس جو بہت ظالم اور لالچی شخص تھا۔ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ رعایا اس کا ساتھ نہیں دے گی۔ کیوں کہ وہ اُس کے باپ کو پسند کرتی تھی۔ لہٰذا وہ صرف طاقت کے ذریعے ہی اپنی حکومت برقرار رکھ سکتا تھا۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے باپ کو بہت دور ایک گاؤں میں قید کروا دیا۔ ریما کی طرف سے بھی اس کو خدشہ تھا کہ اگر اس نے شادی کی تو اس کی اولاد یقیناً امیولس کو تخت سے اتار دیگی۔ لہٰذا ریما کو اس نے پجارن بنا دیا۔ لیکن وہ ہوتا وہی ہے جو خدا کو منظور ہوتا ہے۔ بندہ لاکھ ترکیبیں کرے سب رکھی رہ جاتی ہیں ریما نے چھپ کر کسی سے شادی کر لی۔ پھر اس کے یہاں دو جڑواں بیٹے پیدا ہوئے۔ ریما ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ لیکن جلد ہی اس کو یاد آ گیا کہ اس کا بھائی ان کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ آخر یہی ہوا کسی طرح یہ خبر امیولس تک پہنچ گئی۔ وہ بہت ناراض ہوا کیونکہ اس کی ساری منصوبہ بندی خاک میں مل گئی تھی۔ اس کے دل میں یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ یہ لڑکے بڑے ہو کر ضرور اس کو نیچا دکھائیں

گے۔ اور اس کو تخت سے محروم کر دیں گے ابھی بچے دو تین روز کے ہی تھے کہ وہ دندناتا ہوا مندر میں داخل ہوا اپنی بہن کو گھسیٹ کر باہر نکالا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ بچوں کو یہاں سے لے جائیں۔ اور تلوار کے ایک ہی وار سے ان کا کام تمام کر دیں۔

ریما روتی رہی اپنے بچوں کی جان کی بھیک مانگتی رہی۔ لیکن اس کے بھائی کا دل نہیں پسیجا۔ اس نے کہا کہ "میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ اپنے دشمنوں کو زندہ چھوڑ دوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ جوان ہو کر یہ بھی میرے ساتھ وہی سلوک کریں گے۔ جو میں نے اپنے باپ کے ساتھ کیا ہے۔"

آخر کار کچھ سوچ کر ریما نے یہ درخواست کی کہ "مجھ کو صرف اتنی اجازت دے دیں کہ میں خود ہی ان بچوں کا کام تمام کر دوں" املیوس نے اُسے یہ اجازت دے دی کہ وہ ان کو دریا میں ڈبو دے۔

ریما نے جب بچوں کو دریا میں چھوڑا تو اس کے دل میں یہ امید تھی کہ شاید کسی کی نظر ان پر پڑ جائے اور وہ ان کو پانی سے باہر نکال لے۔ خدا کے لئے تو کیا مشکل ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو بچوں کی جان بچ جانے کی کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ اور اگر ان کو مرنا ہی ہے تو تلوار سے مارے جانے اور خون بہنے بہتر ہے کہ وہ پانی میں ڈوب جائیں۔ دیر تک ریما دریا کے کنارے کھڑی روتی رہی اور دعائیں مانگتی رہی۔ آخر کار مندر واپس آگئی۔

کشتی بچوں کو لیئے ہوئے ساری طوفانی لہروں پر ہچکولے کھاتی رہی۔ جب صبح ہوئی تو کشتی ایک چھوٹے سے بھنور میں پھنس گئی۔ یہ بھنور گھومتا ہوا کشتی کو ایک چھوٹی سی خلیج میں لے گیا۔ قریب ہی کنارے پر ایک انجیر کا بڑا سا درخت لگا ہوا تھا۔ جس کی چند جڑیں زمین کے اوپر پانی کی طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ قدرت کو ان بچوں کی زندگی منظور تھی۔ چھوٹی سی کشتی اس کی جڑوں میں اٹک گئی۔ بچے بھوک سے بیتاب ہو کر زور زور سے رو رہے تھے۔ ان کی آوازیں دور تک جنگل میں سنائی دے رہی تھیں

ایک سرمئی رنگ کی مادہ بھیڑیا کھانے کی تلاش میں ادھر اُدھر گھوم رہی تھی کہ اس کے کانوں میں عجیب سی آوازیں آئیں۔ وہ تیزی سے اُسی سمت بھاگی جدھر سے آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک ہفتہ قبل اُس بھیڑیا نے بچے دیئے تھے۔ لیکن شکاریوں نے ان کو مار ڈالا تھا۔ جیسے جیسے وہ کشتی کے قریب ہوتی جا رہی تھی، اس کو یہ آوازیں اپنے بچوں کی آوازوں سے ملتی جلتی معلوم ہو رہی تھیں۔ وہ اور بھی تیزی سے دوڑتی ہوئی کشتی تک پہنچ گئی۔ اپنے منہ سے شال کو الگ کیا اور بچوں کو سونگھنے لگی بچے اور بھی زور سے رونے لگے۔ ڈر اور خوف تو وہ جانتے ہی نہیں تھے۔ لیکن وہ شاید دودھ مانگ رہے تھے کیوں کہ ان کی بھوک اب قابل برداشت ہو گئی تھی۔

مادہ بھیڑیا خود بھوکی تھی۔ چاہتی تو بچوں کو کھا کر اپنے پیٹ کی آگ بجھا سکتی تھی۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے بہت آہستہ سے بچوں کو اپنے منہ میں دبایا اور اپنی کچھار میں لے گئی جو اس نے جھاڑیوں میں بنا رکھی تھی۔ ان کو اپنا دودھ پلایا اور اپنے بچے سمجھ کر ان کو پالنے لگی۔

کئی سال گزر گئے بچے بڑے ہونے لگے پہلے تو وہ چاروں ہاتھ پیر سے چلتے تھے۔ پھر ٹانگوں پر کھڑے ہو کر انسانوں کی طرح چلنا شروع کر دیا۔ کیوں کہ ٹانگوں کے مقابلے میں ہاتھ چھوٹے ہونے کی وجہ سے ان کو چاروں ہاتھ پیروں پر چلنے سے تکلیف ہوتی تھی۔

شروع میں وہ بھیڑیا کی آوازیں نکالتے تھے۔ لیکن پھر ایسا ہوا کہ اکثر گڈریے اپنی بھیڑ اور بکریوں کے گلے چراگاہوں تک لے جاتے ہوئے ادھر سے ہی گزرتے۔ وہ آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ وہ جھاڑیوں میں چھپ کر ان کی باتیں سنتے۔ ان کو اپنی زبان سے دہراتے رہتے۔ آخر کار ان کو ٹوٹی پھوٹی زبان بھی بولنا آگئی۔ اب وہ کافی بڑے اور طاقت ور ہو گئے تھے۔ ان کا خوف بھی کم ہو گیا تھا۔ وہ باہر نکلنے لگے تھے۔ ان کی بھیڑیا ماں نے ان کو شکار کرنے کی گھاتیں خوب سکھا دیں تھیں پہلے تو وہ اپنے آپ کو بھیڑیا ہی کی اولاد سمجھتے تھے لیکن جیسے جیسے ان کی عقل بڑھتی گئی تو ان کو یہ محسوس ہوتا گیا کہ وہ بھیڑیا کے مقابلے میں گڈریوں سے زیادہ ملتے جلتے ہیں۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ لیکن ان کو سخت تجسّس ہوا کہ کہیں آگے جا کر کچھ معلومات حاصل کریں کہ وہ کون ہیں۔ وہ

اپنی بھیڑیا ماں سے بہت پیار کرتے تھے۔ جنگل کی زندگی کے سارے گُر وہ سیکھ چکے تھے۔ ایک دن دونوں بھائی وہاں سے نکلے۔ قریب ہی ایک گاؤں تھا۔ وہاں پہنچ گئے اتفاق سے ایک ایسے چرواہے اور اس کی بیوی سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی جن کی کوئی اولاد نہیں تھی جب ان کو معلوم ہوا کہ اِن کا کوئی نہیں ہے دنیا میں، تو وہ ان کو اپنے گھر لے گئے اور ان کو اپنی اولاد کی طرح پالنے لگے۔

ایک لڑکے کا نام رومولس اور دوسرے کا ریمس رکھا ان کے والدین نے ان کو اسکول بھیجا۔ پڑھایا لکھایا۔ جب انہوں نے اِس ملک کی تاریخ پڑھی تو ان کو معلوم ہوا کہ یہاں کا حاکم اموِلس نامی ایک شخص ہے جو اتنا ظالم ہے کہ یہاں کی رعایا اِس سے بہت بیزار ہے۔ کوئی شخص ذرا بھی حکم عدولی کرتا ہے تو شاہی فوجیں فوراً اُس کی سرکوبی کرتی ہیں۔ اور قید میں ڈال دیتی ہیں۔

دونوں لڑکوں نے کھلی فضا میں پرورش پائی تھی۔ وہ بہادر اور مضبوط جسامت کے مالک تھے

اور ڈر جانتے ہی نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے گاؤں کے لڑکوں کا ایک گروہ بنایا جس کے وہ سردار چن لیئے گئے۔ ان لوگوں نے عہد کیا کہ امولس کو تخت سے اتار کر رعایا کو اس کے ظلم سے نجات دلائیں گے۔

رمیس اور روموس کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ بادشاہ ان کا اپنا سگا ماموں ہے۔ بادشاہ تک یہ خبر پہنچ گئی کہ ایک گروہ اس سے مقابلہ کی تیاری کر رہا ہے۔ اس نے فوراً اپنا فوجی دستہ اس گروہ کی سرکوبی کے لیئے بھیج دیا۔ لیکن یہ کوئی معمولی گروہ نہیں تھا۔ بادشاہ کے فوجی دستے آتے رہے اور شکست کھاتے رہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بادشاہ کو تخت سے اتار دیا گیا۔ بادشاہ کا بوڑھا باپ نیومیٹر ابھی زندہ تھا۔ اُس کو دوبارہ تخت پر بیٹھا دیا گیا۔

جب بادشاہ نے بہادر لڑکوں کو انعام دینے کے لیئے اپنے دربار میں بلوایا تو وہ چونک پڑا کیونکہ لڑکوں کی شکلیں بالکل بادشاہ کی بیٹی ریما سے ملتی جلتی تھیں۔ بادشاہ نے علیحدگی میں اس منددر میں ریما سے یہ بات کہی تب ریما نے رورو کر ساری کہانی اپنے باپ کو سنائی کہ کس طرح بیس سال قبل اس نے اپنے بچوں کو دریا کے حوالے کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس کو کچھ نہیں معلوم کہ ان کا کیا حشر ہوا پوچھ گچھ کے بعد بادشاہ نے چرواہے اور اس کی بیوی کو بلوایا تو انہوں نے کہا وہ ان لڑکوں کے والدین نہیں ہیں بلکہ انہوں نے صرف پرورش کی ہے۔ لڑکوں کے اصلی والدین سے بھی وہ لاعلم تھے۔

آخر کار بادشاہ نے لڑکوں سے پوچھا کہ تم ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ تم کون ہو۔ روموس نے کہا کہ جناب مجھے تو اتنا یاد ہے کہ جب ہم چھوٹے تھے تو جنگل کی وادیوں میں کھیلتے پھرتے تھے۔ اس کے علاوہ کچھ یاد نہیں۔ رمیس نے جواب دیا کہ مجھے تو ایک غار یاد ہے جہاں ہم سوتے تھے۔ اس کے علاوہ کبھی کبھی خواب میں ایک طوفانی دریا دیکھتا ہوں جس سے مجھ کو خوف آتا ہے۔ روموس نے کہا کہ مجھ کو ایک بات اور یاد آئی ایک مادہ بھیڑیا ہمارے ساتھ رہتی تھی اور ہمیں بہت پیار کرتی تھی اور شکار کرنا بھی سکھاتی تھی۔ آخر کار بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں لڑکے ریما کے ہی بیٹے ہیں جن کو ایک مادہ بھیڑیا نے پالا ہے۔ وہ خوشی خوشی ان دونوں کو مندر لے گیا۔ جہاں ریما ابھی تک رہ رہی تھی۔ بادشاہ نے اُس کو بتایا کہ "بیٹی میں نے تحقیقات کر لی ہیں یہ لڑکے بلاشبہ تمہارے ہی کھوئے ہوئے بیٹے ہیں۔ خدا کا شکر بجا لاؤ کہ جن کو تم مرا ہوا سمجھ بیٹھی تھیں۔ وہ زندہ سلامت ہیں۔ اور اتنے بہادر اور جری ہیں کہ انہوں نے مجھ کو میرا تخت و تاج واپس دلوا دیا ہے۔ یہ سن کر ریما اتنی خوش ہوئی کہ بیان سے باہر ہے روموس اور رمیس بادشاہ کے درباری اور رازدار رفیق بن گئے۔ ان دونوں نے مل کر ایک خوبصورت

شہر کی بنیاد ڈالی جو روم کے نام سے بہت مشہور ہے۔ آج بھی ہزاروں سیّاح ہر سال اس شہر کو دیکھنے جاتے ہیں۔

یہ شہر سات پہاڑیوں، وادیوں اور جنگلوں پر مشتمل تھا۔ جہاں وہ پروان چڑھے تھے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ اس کا کیا نام رکھا جائے۔ آخر یہ طے ہوا کہ دونوں بھائی ایک ایک چوٹی پر چڑھ جائیں جو بھائی سب سے زیادہ پرندے دیکھے وہی نام رکھے گا۔ رومولس نے بارہ چڑیوں کے جھنڈ کو دیکھا اور ریمس نے صرف چھ چڑیاں دیکھیں لہٰذا رومولس کے نام پر اس شہر کا نام رکھا گیا۔ جو ایک اعلیٰ تہذیب کا گہوارہ بنا۔

چونکہ دونوں بھائی مل کر اس شہر کا انتظام کرتے تھے۔ اس لئے کبھی کبھی اختلاف بھی ہو جاتا تھا۔ اور جھگڑے کی نوبت بھی آجاتی تھی۔ رومولس کا خیال تھا کہ شہر کے چاروں طرف دلوار بنا کر اس کو محفوظ کر لینا چاہیئے۔ لیکن ریمس کا کہنا تھا کہ روم کی شہرت اور اس کی عظمت ہی اس کی حفاظت کی ضمانت ہے۔ کوئی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ اتنی بڑی دلوار بنا کر وقت اور روپیہ دونوں ضائع کرنا ہے۔

لیکن رومولس نے ریمس کی غیر موجودگی میں یہ دلوار بنا کر ہی چھوڑی جب پردیس سے ریمس واپس آیا تو دلوار کو دیکھ کر اس کا بہت مذاق اڑایا اور کہنے لگا "یہ کیا کمزور سی دلوار ہے۔ یہ تو بھیڑ بکریوں کو بھی آنے سے نہیں روک سکتی۔ بھلا دشمن کو کیا روکے گی"۔ یہ سننا تھا کہ رومولس غصّے سے پاگل ہو گیا۔ اور تلوار کے ایک ہی وار سے اپنے بھائی کو ہلاک کر دیا۔ جب اس کا غصّہ ٹھنڈا ہوا تو اس کو اپنے بھائی کے مرنے کا بہت رنج ہوا۔ اس نے توبہ کی اور عہد کیا کہ غصّہ میں کبھی تلوار نہیں اٹھائے گا۔ اس شہر کو عظیم بنانے کے لئے اس نے دوسرے ملکوں کے قابل اور عالم لوگوں کو روم آنے اور یہاں کی بود و باش اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اس کی یہ حکمت عملی کارآمد ثابت ہوئی اور ایک زمانہ وہ آیا جب ساری دنیا میں روم کے چرچے ہونے لگے۔ یہاں کے علم و فضل، شان و شوکت جاہ و جلال اور رفعت و عظمت قابلِ ذکر تھی۔ دنیا بھر سے اتنے اہلِ علم یہاں آکر بس گئے کہ شہر میں مردوں کی کثرت اور عورتوں کی قلت ہو گئی اور شادیاں کرنے میں دشواریاں پیش آنے لگیں۔ پڑوسی ملک اٹلی میں سابئن نامی ایک مشہور خاندان آباد تھا جن کی عورتیں حسن میں اپنی مثال آپ تھیں۔ اس خاندان کے مرد اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے تھے۔ اور انہیں رومیوں کے قریب نہیں جانے دیتے تھے۔ رومولس نے عورتوں کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ایک ترکیب سوچی۔ اس نے

ایک بہت بڑے میلے کا اہتمام کیا۔ روم کے میلے بھی بہت مشہور تھے۔ لوگ بڑے شوق سے اس میں شرکت کے لئے دور دور سے آتے تھے۔ میلے کے لیے دعوت نامے بھیجے گئے۔ سائن مرد بھی ہزاروں کی تعداد میں اپنی عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ میلے میں شریک ہونے آئے میلہ واقعی قابلِ دید تھا۔ اتنا شاندار کھیل تماشہ اِس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ ہزاروں گائیں اور لاکھوں بھیڑیں کھلی آگ پر بھونی گئیں۔ بڑے بڑے کیک اور ڈبل روٹیاں تیار ہوئیں دور دور سے انگور، انجیر اور آڑو منگوائے گئے اور سارا شہر ہری ہری شاخوں اور رنگ برنگے پھولوں سے سجایا گیا۔ مکانوں، دکانوں اور درختوں سے لمبے لمبے بینر لٹکائے گئے۔ راتوں کو اتنی مشعلیں جلائی گئیں کہ دِن کا گمان ہونے لگا۔ بہت سے کھیلوں کا بھی اہتمام کیا گیا۔ مقابلوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ انسان اور درندوں کے درمیان بھی سنسنی خیز مقابلے ہوئے۔ تیراندازی، نشانہ بازی اور تلوار بازی کے جوہر لوگوں کو مبہوت کیئے دیتے تھے۔

سات روز تک یہ رنگ رلیاں منتی رہیں اور شراب وکباب کے دور چلتے رہے۔ سائن خاندان کے مردوں نے بھی دل بھر کر ان میں حصّہ لیا۔ اور اتنے مدہوش ہو گئے کہ آتشبازی کی جگمگاہٹ بھی ان کو ہوشیار نہیں کر سکی۔ رومیوں نے موقعہ سے فائدہ اُٹھایا اور ان کی عورتوں کو اغوا کر کے چھپا دیا۔

جب سائن مردوں کو ہوش آیا تو ان کو اپنی عورتوں کی تلاش ہوئی کئی روز تک وہ ان کو ڈھونڈتے رہے جب وہ ملیں تو انہوں نے روم سے جانے سے انکار کر دیا۔ یہاں جو ٹھاٹ باٹ انہوں نے دیکھے وہ کہیں اور نہیں ہو سکتے تھے آخر ایک معاہدہ طے پایا کہ سین لوگوں کا بادشاہ ٹائٹس ٹیلیس روم کے بادشاہ رومولس کے ساتھ مل کر روم پر حکومت کریں گے۔

روم اور بھی پھلتا پھولتا رہا۔ اس کی عظمتوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ لکڑی کے مکانوں کی جگہ سنگِ مرمر اور پتھّر کے محلوں نے لے لی۔ اب تو شہر اِن ساتوں پہاڑیوں اور اس جنگل تک پھیل گیا تھا۔ جہاں رومولس اور ریمس کا بچپن گذرا تھا اس جگہ کا نام لوپرکل پڑ گیا۔ لاطینی زبان میں اس کے معنیٰ "بھیڑیا کا گھر" ہوتا ہے۔

رومولس اس انجیر کے درخت کو نہیں بھولا تھا۔ جہاں اس کی کشتی ٹھہری تھی، درخت اب بھی موجود تھا، لیکن اس کے پاس ہی ایک بہت شاندار سنگِ مرمر کا مندر بھی بن گیا تھا۔ مندر کے اندر کانسی کا ایک بڑا سا مجسمہ رکھا ہوا ہے، جو ایک مادہ بھیڑیا کا ہے۔ اسے دو لڑکوں کو دودھ پلاتے ہوئے دکھایا گیا ہے، آج بھی سیّاح اس مجسمے کو دیکھ سکتے ہیں۔

الفاظ جنہوں نے تاریخ کے دھارے موڑ دیئے

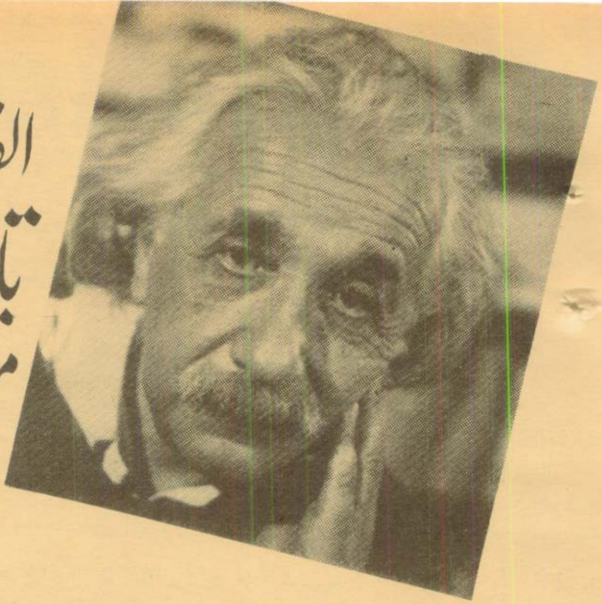

انور سعد

"میرے ڈیڈی کہتے ہیں کہ تم ان کا وقت ضائع نہ کرو. کیونکہ ان کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے تو انکل! کیا آپ واقعی میری وجہ سے ڈسٹرب ہوتے ہیں؟." بچے نے اپنے مہربان دوست کی طرف نگاہیں اٹھا کر دیکھا جو ایک بڑے بلوط کے درخت کے نیچے اس کے پہلو میں بیٹھا گہرے غور و فکر میں منہمک تھا۔ "میں آپ کا بہت وقت ضائع کرتا ہوں ناں! مجھے بہت افسوس ہے." اس نے پھر کہا. بچہ جس شخص سے یہ باتیں کر رہا تھا اُسے ساری دنیا جانتی تھی، سب مانتے تھے کہ وہ اپنے وقت کا سب سے بڑا دماغ ہے. نام تھا اس کا البرٹ آئنسٹائن.

وہ اس بچے کی باتوں کو بڑے غور سے سُن رہا تھا اتنے ہی غور کے ساتھ جتنی کہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان کی بات وہ سنتا. حالانکہ اس وقت اس کا دماغ ایک بڑے اہم مسئلہ کو سلجھانے میں لگا تھا. لیکن اُسے وہ دماغ کے کسی خانے میں ڈال کر اپنے ننھے دوست سے باتیں کرنے کے لئے خود کو فارغ کر لیتا ہے بچہ اب خاموش تھا پروفیسر آئنسٹائن جب سوچتا تھا تو اس کی آنکھیں دھنس سی جاتی تھیں لیکن جب مسکراتا تو آنکھیں روشن ہو جاتیں اور چہرے پر رونق آجاتی. اس وقت حالانکہ وہ مسکرا نہیں رہا تھا لیکن اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ بچے کی طرف مخاطب ہوا. کیا کہا جمیؔ؛ تم اپنے اس بوڑھے دوست کے قیمتی وقت کے ضائع ہونے سے ملول ہو"

بچّے نے آنکھیں اوپر کر کے اس کے چہرے کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا. پروفیسر آئنسٹائن آہستہ سے اُٹھا اور اپنے باغ میں ٹہلنے لگا. جمّی! ہر انسان کا وقت قیمتی ہے. جب وہ کسی کام میں لگا ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ واقعی اسے کرنا چاہتا ہے. میں تم سے گفتگو کرتا ہوں تو یہ بھی تو ایک کام ہے ناں گفتگو کے دوران وقت کا احساس نہیں ہوتا. ایک گھنٹہ چند منٹ کے برابر معلوم ہوتا ہے. اور وقت کتنی آسانی سے گزرتا ہے. ننھے بچّے کے چہرے پر اب خوشی کی جھلک صاف نمایاں تھی.

"جب میں آپ سے ملاقات کے لئے آتا ہوں تو آپ ناراض نہیں ہوتے ہیں ناں؟"
پروفیسر آئنسٹائن نے کہا "نہیں. جمی بالکل نہیں. تمہیں اسکی ذرا بھی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے"
بچہ خوشی سے بول اٹھا "آج میں بہت خوش ہوں انکل!"

پروفیسر! پروفیسر آئنسٹائن!. دو افراد اسے آواز دیتے ہوئے تیز تیز ان کی جانب آ رہے تھے. جمّی اُٹھ کھڑا ہوا. "خدا حافظ" پھر ملوں گا" یہ کہکر وہ اپنے گھر کی طرف دوڑتا ہوا چلا گیا.

سائنسداں آئنسٹائن نے اپنے پکارنے والے دوستوں کو دیکھا. وہ ڈاکٹر لیوزیلارڈ اور ڈاکٹر یوجین وگنر تھے۔ وہ دونوں ماہر طبیعات (Physicst) تھے انہیں دیکھ کر آئنسٹائن کو ایسے لگا کہ دنیا کے سارے مسائل کا بوجھ اس کے کاندھے پر ڈال دیا گیا ہے. اس کے ننھے دوست جمی کے ساتھ اس کا وقت اچھا گذر رہا تھا. لیکن اس کا اپنا مسئلہ بہت ہی گمبھیر نوعیت کا تھا اور یہ ایسا مسئلہ تھا جس کے حل کے لئے دنیا کا کوئی شخص اس کی مدد نہیں کر سکتا. یہ کام اسے خود کرنا تھا. اُسے آج ہی اسی وقت ایک فیصلہ کرنا تھا کہ کیا اُسے ان کاغذات پر دستخط کر دینی چاہیئے جس کے بعد دنیا میں خطرناک سے خطرناک اسلحوں کی تیاری ہو سکتی ہے؟ ڈاکٹر زیلارڈ اور ڈاکٹر وگنر ایک ماہ قبل ہی آئنسٹائن سے ملنے آئے تھے ان کے ساتھ وہ مقالہ تھا جسے ڈاکٹر زیلارڈ اور ڈاکٹر اینرکو فرمی نے لکھا تھا مقالہ میں ان دونوں کے اپنے تجربات کی تفصیلات دکھائی گئی تھی۔ یہ تجربات آئنسٹائن کے ماس انرجی (Mass Energy) تھیوری پر منحصر تھی جو کہ آئنسٹائن کے نظریہ اضافت کا ایک جز تھا اور جسے آئنسٹائن نے ۳۵ سال قبل لکھا تھا. اس مقالہ کے مطابق وہ سب کچھ اب ممکن ہو گیا تھا جسے کبھی انسان انتہائی ناممکن تصور کرتا تھا. ایٹم کے مختلف اشکال کو خاص انداز سے اجزاء میں منقسم کیا جائے تو اس سے ایک زبردست توانائی حاصل ہوتی

ہے۔ اس عمل fission Nuclear کو سائنسدانوں نے نیوکلیئر فیزن PROCESS کہا جس سے خطرناک سے خطرناک ایٹم بم بنایا جا سکتا ہے۔ ان سائنسدانوں کو یہ خطرہ اور خدشہ لاحق تھا کہ ان کے دشمن ملک جرمنی میں اس سمت کافی تیزی سے کام ہو رہا ہے۔ متحدہ ریاست امریکہ نے اس جانب اپنے سائنسدانوں کی توجہ مبذول کرائی تھی۔ آئنسٹائن امریکہ کا سب سے بڑا اور اہم سائنسدان تھا۔ اس کے دستخط کئے ہوئے خط اگر امریکی حکومت کے پاس جاتے تو اس میں خاصا وزن ہوتا

"آیئے آپ لوگ میرے گھر کے اندر چلیں" آئنسٹائن نے کہا پھر گفتگو کریں گے۔

دونوں اس کے اسٹڈی روم میں داخل ہوئے اور سب آرام کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنا بریف کیس کھولا۔ اور ٹائپ شدہ کاغذات نکال کر آئنسٹائن کے سامنے رکھ دیا۔ پروفیسر نے اسے بغیر دیکھے کہا "ایک ماہ قبل جو ہماری ملاقات ہوئی تھی اس کے بعد سے اب تک مسلسل اس مسئلہ پر سوچ رہا ہوں۔ میں نے بہت توجہ سے آپ کا مسودہ پڑھا ہے"۔ آئنسٹائن کے چہرے پر اداسی کی جھلک تھی۔ "میں جانتا ہوں نیوکلیر فیژن اب ممکن ہو چکا ہے" وہ اپنے چہرے کا رُخ دوسری جانب موڑ کر اپنے باغ کی طرف دیکھنے لگا اور پھر اسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ دونوں مہمان اسے توجہ سے دیکھے جا رہے تھے اُن دونوں نے ایک دوسرے کے چہروں کو بھی دیکھا۔ ایک انتہائی اہم ترین فیصلہ تھا جسے آج بوڑھے آئنسٹائن کو کرنا تھا۔ آئنسٹائن کی پشت ان دونوں کی طرف تھی اور وہ اپنے چہرے کو دوسری طرف رکھ کر کاغذ کے ان چند اوراق کو پڑھ رہا تھا جو اس کے ہاتھ میں تھے۔ یہ ایک خط تھا جو امریکہ کے صدر فرینکلن ڈی روزویلٹ، وھائٹ ہاؤس، واشنگٹن ڈی سی کو لکھا گیا تھا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ ڈاکٹر ژیلارڈ اور ڈاکٹر فرمی نے جو کام کیا ہے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ یورینیم کو افزودہ کرکے ایسی زبردست توانائی حاصل کی جا سکتی ہے جس کا علم ابھی تک کسی شخص کو نہ تھا۔ خط میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ اس نظری اصول پر اگر بم بنایا جائے اور اس کا دھماکہ بندرگاہ پر کیا جائے تو پوری بندرگاہ بشمول اس کے آس پاس کے علاقے تباہ ہو جائیں گے۔ ممکن ہے کہ جرمن نے ان معلومات کو پہلے ہی حاصل کر لیا ہو۔ اور وہی سب باتیں تھیں جو ایک ماہ قبل ان لوگوں کی آئنسٹائن کے ساتھ گفتگو میں آئی تھیں۔ آئنسٹائن نے خط کو پڑھا اپنے چہرے کو پلٹا۔ خط اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔ اپنی میز پر بکھری کتابوں اور کاغذات میں سے قلم ڈھونڈ کر نکالا

قلم کو کھولا اور اپنے ملاقاتیوں کے چہرے کی طرف دیکھا. آئنسٹائن کے چہرے پر اب مایوسی کی جھلک نہ تھی بلکہ اب وہاں ایک عزم تھا جو صاف پڑھا جا سکتا تھا. اس نے اس خط پر نوٹ لکھنا شروع کیا " یہ حقیقت ہے کہ نیوکلیر فیژن کا استعمال انسانوں کی تباہی و بربادی کے لئے ہو سکتا ہے. لیکن مجھے معلوم ہے کہ انسانوں کی ترقی اور بھلائی کے لئے بھی یہ ایک بہت بڑی قوت ہے. آپ کا خیر اندیش آئنسٹائن".

نیوکلیر فیژن بیسویں صدی کا سب سے بڑا واقعہ ہے. آئنسٹائن کے چند الفاظ نے تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا. یہ واقعہ ۲ اگست ۱۹۳۹ء کا ہے. جوہری توانائی کی تاریخ کا پہلا دن.

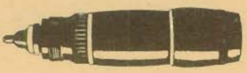

ٹماٹر کی عمر

مشہور سنہری ٹماٹر کتنی پرانی ہے؟ ہمارے ہاں غالباً یہ پچاس ساٹھ سال سے رائج ہے. ایک وقت تھا کہ راولپنڈی میں اسے چینگن (بروزنِ بینگن) کہا جاتا تھا اور اسے گھروں میں کچا کھانے کا سلسلہ شروع ہوا تھا. بعد میں ان کا رواج عام ہوتا گیا اور یہ ٹماٹر ہی کہے جانے لگے.

عام خیال یہ تھا کہ ٹماٹر کی عمر چار سو سال ہے اور یہ لاطینی امریکہ کے ملک پیرو سے دنیا بھر میں پھیلے. چین میں ٹماٹر بظاہر پیرو سے آئے اور چار سو سال پہلے. لیکن اب ایسے لگتا ہے کہ ٹماٹر کی عمر دو ہزار سال سے بھی زیادہ ہے اور یہ کسی ملک کے بھی ہوں اکیس سو سال پہلے چین میں موجود تھے. اس کا انکشاف یوں ہوا کہ ۱۹۸۳ء میں ایک ایسا مقبرہ کھودا گیا جو شاہی خاندان کا تھا اور اکیس سو سال پرانا تھا. اس کے اندر سے کچھ بیج نکلے. یہ بیج بانس کے ڈبوں میں تھے. اس خیال سے کہ یہ بالکل سوکھ نہ جائیں ان ڈبوں پر گیلے کپڑے ڈال دیئے گئے. چند دنوں کے بعد بیج پھوٹ کر پودے بننے لگے. ان پودوں میں سے بعض ٹماٹر کے تھے. چنانچہ ان میں ٹماٹر لگے بھی. یہ ٹماٹر آج کل کے ٹماٹروں کی طرح نکلے. شکل میں بھی، ذائقے میں بھی.

اس سے یہ تو پتہ چل گیا ہے کہ ٹماٹر چین میں دو ہزار سال پہلے موجود تھے اور ان کی عمر اس سے کم نہیں. لیکن یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ ٹماٹر کی اصل چین ہے۔؟

راھنما کتابیں

آپ اور آپ کے اھلِ خانہ کیلئے
گرین گائیڈ اکیڈمی کے تحائف

اِن کا مطالعہ ــــــ علم بڑھائے گا
اِن کی موجودگی ــــــ مفید ثابت ھو گی

قرآنی حکایات کا ۱۰۴ صفحات پر مشتمل خوبصورت مجموعہ ۔
اس کے حصول کے لئے ۱۰ روپے کا منی آرڈر بھجوائیں

خاکِ وطن سے سرزمین حرم تک، معلومات بھی راھنمائی بھی
حجاج اور زائرین کے لئے نادر تحفہ ۔ ۲۰۳ صفحات

اسلام کی بنیادی معلومات جو آپ پر سیکھنا لازم اور سکھانا
کارِ ثواب ہے ۔ مولانا مفتی کفایت اللہ کی تالیف (چار حصے)

سفرِ مبارک اور تعلیم الاسلام مفت حاصل کرنے کے لئے فی کتاب ۲ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھجوائیں ۔ رقم یا کم زیادہ ڈاک ٹکٹ قابلِ قبول نہ ہوں گے ۔

کتاب منگوانے کے لئے اِس پتے پر خط لکھیں ۔

گرین گائیڈ بک سیریز گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۱۲ ڈی ۔ سائٹ کراچی ۱۶

احمد حاطب صدیقی

مِسٹر ککڑوں کُوں سے انٹرویو

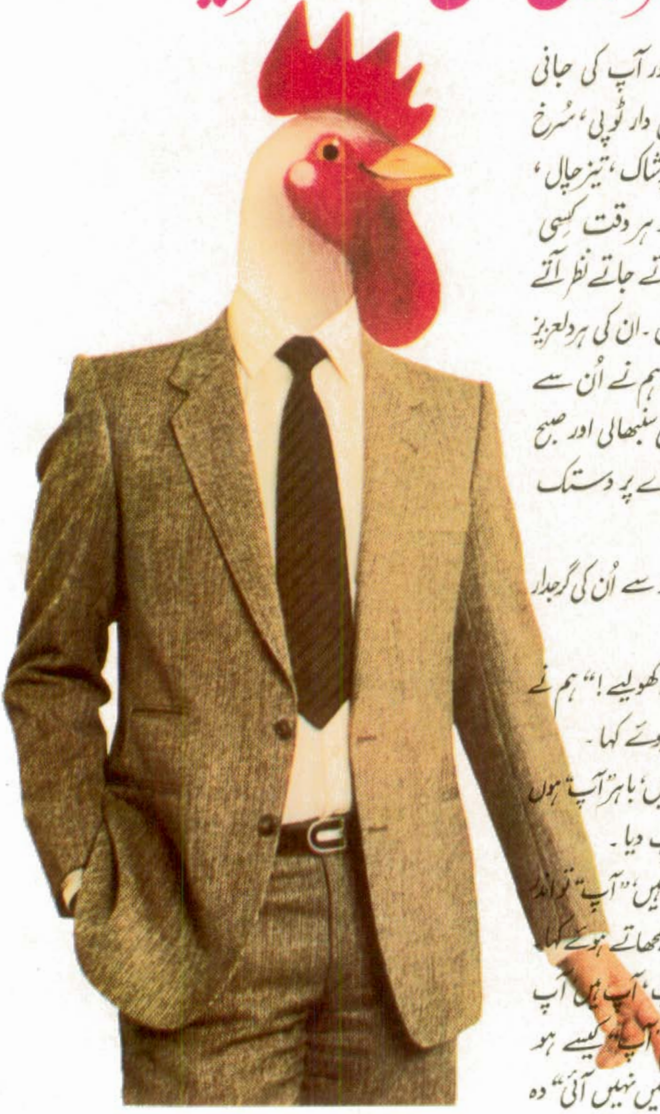

مسٹر ککڑوں کُوں ہماری اور آپ کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ سر پر کلغی دار ٹوپی، سُرخ رنگ کی داڑھی، رنگ برنگی پوشاک، تیز چال، دل نشیں اور دِل خراش آواز۔ ہر وقت کِسی ضروری کام سے جلدی جلدی آتے جاتے نظر آتے ہیں۔ بچّوں میں بہت مقبول ہیں۔ ان کی ہردلعزیز شخصیت کو سامنے رکھتے ہوئے ہم نے اُن سے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ کاپی پنسل سنبھالی اور صبح ہی صبح اُن کے ڈربے کے دروازے پر دستک دے ڈالی۔

"ککڑوں، کون؟" اندر سے اُن کی گرجدار اور کڑک دار آواز سنائی دی۔

"جناب ہم ہیں، دروازہ کھولیے!" ہم نے اُن کی آواز پہچان کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"جناب "ہم" تو اندر ہیں، باہر "آپ" ہوں گے۔" انھوں نے غصّہ سے جواب دیا۔

"نہیں جناب باہر "ہم" ہیں، "آپ" تو اندر ہی ہیں، یقین کیجیے!" ہم نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"بھئی ہم، ہم ہیں اور آپ، "آپ" ہیں آپ "ہم" کیسے ہو سکتے ہیں اور ہم "آپ" کیسے ہو سکتے ہیں، یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی" وہ

ابھی تک اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے ۔
"پھر وہی مُرغے کی ایک ٹانگ ..... توبہ توبہ ..... بُرا نہ مانیے جناب، باہر تو نکلیے، سب سمجھ میں آجائے گا !" ہم نے گڑبڑاتے ہوئے کہا۔
پَر پھڑپھڑانے کی آواز آئی ۔ دروازے کا لاک کھُلا، اپنی چونچ سے انھوں نے دروازے کے دونوں پٹ کے درمیان ذرا سی دراڑ بنائی، اپنی خوب صورت گردن باہر نکالی اور جھانک کر ہمیں دیکھا ۔
"پَق پَق پَقاق ! اَخاہ ! السلامُ علے قُوم !" ہمیں دیکھتے ہی خوش ہو کر باہر آگئے ۔
"وعلیکم السّلام و رحمتہ اللہ و برکاتہٗ !" ہم نے اُن کے پنجے سے ہاتھ ملایا ۔
"پَق پَق پَق پَق آئیے آئیے ! ٹھہریے میں اپنے ڈرائنگ رُوم کا دروازہ کھولتا ہوں" وہ پلٹ کر واپس جانے کے لیے مُڑنے لگے ۔
"نہیں نہیں، مسٹر ککڑوں کوں ! مَیں یہیں لان میں بیٹھ جاؤں گا آپ تکلیف نہ کریں۔" ہم نے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انھیں روکا !
"قَہ قَہ قَہ قَہ ایسی بھی کیا جلدی ہے ؟ دو چار گھڑی تو بیٹھتے ۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اسکول جانے کی جلدی ہے ۔"
"نہیں ایسی کوئی جلدی نہیں، آج تو ہمارے اسکول کی چھُٹّی ہے !"
"پھر یہ آپ کاپی پنسل ہاتھ میں لیے کیوں گھوم رہے ہیں ؟ کیا امتحان ہونے والے ہیں ؟"
"جی نہیں، امتحان بھی ہو چکا اور نتیجہ بھی نکل آیا ۔ آج تو ہم آپ کا انٹرویو لینے آئے ہیں !"
"قَا قَا قَا قَا !! بھئی آپ ہمارا انٹرویو لے کر کیا کریں گے ؟"
"بھئی آپ کو معلوم نہیں ؟ بچّوں کا ایک بہت پیارا رسالہ نکلا ہے، "آنکھ مچولی" ہم اُس کے نمائندے ہیں ۔ آپ کا انٹرویو اُسی رسالے میں چھپے گا ۔
"اچھّا اچھّا، بھئی مبارک ہو، بڑا پیارا نام ہے، آپ کے رسالے کا، ہماری طرف سے سب بچّوں کو مبارک باد دے دیجیے ۔"
"جی ضرور ضرور ! آپ کی مبارک باد اسی انٹرویو کے ذریعے سب بچّوں تک پہنچ جائے گی آپ بھی بچّوں کی طرف سے اس مبارک باد کا شکریہ قبول کیجیے ۔"
"قبول کیا قبول کیا اچھّا اب آپ اپنے سوالات شروع کیجیے !"
"مسٹر ککڑوں کوں ! آپ سے سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ دنیا میں مُرغی پہلے آئی یا انڈا ؟"
ہمارا یہ سوال سنتے ہی مسٹر ککڑوں کوں کا

دماغ گھوم گیا اور وہ اپنے پروں میں چونچ دبا کر بیٹھ گئے۔ بڑی دیر تک سوچتے رہے۔ پھر سر اُٹھا کر بولے :

"بھئی آپ نے پہلا ہی سوال بڑا مشکل کر دیا ہے۔ ہم خود اس دُنیا میں انڈے کی شکل میں آئے تھے۔ ہماری والدہ مرحومہ بڑی شفیق مُرغی تھیں، اُن کا کہنا تھا کہ وہ خود بھی ایک انڈے کی صورت میں اس دنیا میں تشریف لائی تھیں۔ اگر وہ زندہ ہوتیں تو آپ کے اس سوال کا جواب اُن سے پوچھ کر بتاتے مگر چھ ماہ قبل وہ آپ کے گھر میں ہونے والی ایک دعوت کے موقعہ پر شہادت پا گئیں۔"

"تو کیا آپ نے بنی نوعِ مُرغ کی تاریخ نہیں پڑھی؟ آپ کو کچھ تو معلوم ہوگا کہ آخر آپ کی نسل کا آغاز کس طرح ہوا؟"

"بھئی ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہم مُرغے مُرغیوں کو انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ بس اُس کا حکم ہوا اور ہم لوگ پیدا ہو گئے، اس کے بعد اُس نے یہ اُصول بنا دیا کہ ہماری نسل انڈوں سے چلے گی، اس طرح ہمارا ذاتی خیال ہے کہ دُنیا میں پہلے مُرغی آئی اور بعد میں انڈا۔"

"شکریہ! آپ نے ایک بہت پُرانا اور پیچیدہ مسئلہ حل کر دیا!"

"حل کر دیا؟!! وہ مارا!! ٹھہریے! ذرا میں اس خوشی میں ایک بانگ دے لوں

ککڑوں اُوں اُوں اُوں کوں"

"ماشاء اللہ! بڑی طویل اور پُرمسرت بانگ دی ہے آپ نے۔ یہ بتائیے کہ ابھی آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کو انسانوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے، تو اس سلسلے میں آپ کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟"

"جناب ایک تو ہم اکثر رات بھر جاگتے رہتے ہیں اور اگر خدانخواستہ کوئی چور وغیرہ گھر میں داخل ہو جائے تو شور مچا مچا کر لوگوں کو مطلع کرتے ہیں اور صبح سویرے اٹھ کر اذان دیتے ہیں تاکہ نماز پڑھنے والے جاگ جائیں مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ہم تو اپنا فرض پورا کر دیتے ہیں لیکن انسان اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ پڑا سوتا رہتا ہے۔"

"لیکن آپ تو فجر سے بہت پہلے اذان دے دیتے ہیں۔ اتنی جلدی کون اُٹھ سکتا ہے؟"

"جناب فجر کے وقت بھی اذان دیتے ہیں۔ مگر جو اذان فجر سے پہلے ہوتی ہے، وہ مسجد کے مولوی صاحب کو اُٹھانے کے لیے ہوتی ہے، مگر آپ تو مسجد سے ہونے والی اذان سُن کر بھی نہیں اُٹھتے!"

"ہم شرمندہ ہیں! انشاء اللہ کل صبح آپ

کی اذان سنتے ہی اٹھ جائیں گے۔"

"ماشاء اللہ! ماشاء اللہ! آپ بہت اچھے بچے ہیں۔ آپ سے یہی اُمید تھی!"

"شکریہ، مگر یہ بتائیے کہ آدھی رات کو مختلف گھروں سے جو آپ لوگوں کی بانگ سنائی دیتی ہے، وہ کس لیے ہوتی ہے؟ اُس پر ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟"

"وہ آپ لوگوں کے لیے نہیں ہوتی۔ وہ تو دراصل ہم آپس میں ایک دوسرے سے ٹائم پوچھتے رہتے ہیں۔"

"جاگنے اور جگانے کے علاوہ آپ کیا خدمات انجام دیتے ہیں؟"

"پودوں، فصلوں اور گھر کو کیڑوں مکوڑوں سے پاک کرتے رہتے ہیں۔ ہماری اہلیہ آپ سب کی خدمت میں انڈوں کا تحفہ پیش کرتی رہتی ہیں اور جناب آپ لوگوں کے لیے تو ہماری جان بھی حاضر ہے!"

"ارے ہاں، خوب یاد آیا! آپ کی اہلیہ بہت دنوں سے نظر نہیں آرہی ہیں۔ خدا خیر کرے محترمہ "کُٹ کُٹاک" کی طبیعت تو اچھی ہے؟"

"جی ہاں خدا کا شکر ہے (شرماتے ہوئے) وہ پچھلے دنوں کُڑک ہوگئی تھیں۔ آج کل چوزوں کی دیکھ بھال کر رہی ہیں۔ ذرا چڑچڑی ہوگئی ہیں بات بات پر کاٹنے کو دوڑتی ہیں، اسی لیے زیادہ تر گھر ہی رہتی ہیں۔ بس صبح شام ذرا بچوں کو سیر کرانے کے لیے باہر آجاتی ہیں۔"

"ارے یہ تو آپ نے بڑی خوشی کی خبر سنائی۔ آپ کے بچے ہم بچوں کو بہت پیارے لگتے ہیں!"

"جی ہاں! بچے خواہ کسی کے بھی ہوں، سب پیارے ہوتے ہیں!" یہ کہہ کر انھوں نے ہلکے سے آواز دی:

"چُوں چُوں!"

ایک پیارا سا چوزہ باہر آیا۔ اُسے دیکھ کر اُنھوں نے کہا کہ:

"بھئی بچوں کے رسالے "آنکھ مچولی" سے مہمان آئے ہیں۔ اپنی امی سے کہو کہ ذرا انڈوں کا حلوہ بنا کر باہر بھیجیں!"

"یہ بتائیے کہ شُتر مُرغ صاحب سے آپ کی کیا رشتہ داری ہے؟"

"بھئی ہیں تو وہ بھی ہم مُرغوں ہی کی نسل سے، مگر ذرا اونچے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ان کا اُٹھنا بیٹھنا اونٹوں کے ساتھ ہے اس لیے ہم لوگوں سے مِلنا جُلنا پسند نہیں کرتے!"

"سُنا ہے کہ موصوف تھوڑے سے بیوقوف بھی واقع ہوئے ہیں!"

"جی ہاں! بے وقوف بھی اور ڈرپوک بھی

دشمن کو دیکھ کر ریت میں اپنا سر چھپا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ محفوظ ہو گئے۔ ان سے زیادہ بہادر تو ہماری اہلیہ "کٹ کٹاک" ہیں کہ بچّوں کی حفاظت کے لیے بلّی تو کیا چیل سے بھی لڑ جاتی ہیں۔"

"اور مرغِ باد نما صاحب آپ کے کون لگتے ہیں؟"

"بھئی یہ صاحب سچ مچ کے مرغ نہیں بلکہ ہوا کا رُخ پہچاننے کے لیے انسانوں نے ایک پیمانہ بنایا ہے اس کے اوپر ایک گھومنے والا مرغ بنا دیتے ہیں، جس طرف کو ہوا چلتی ہے ان کا رُخ اُسی طرف ہو جاتا ہے اور انسانوں کو بھی اپنا رُخ بدلنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اس لیے انھیں "مرغِ باد نما" کہا جاتا ہے، یعنی ہوا کا رُخ دکھانے والا مرغ!"

"اچھا یہ بتائیے کہ یہ "مرغے کی ایک ٹانگ" والے محاورے کا کیا قصّہ ہے؟"

"بھئی وہ قصّہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے اپنے خانساماں کو پیسے دیئے کہ بازار سے مرغ لا کر پکاؤ۔ اس نے مرغ پکایا۔ مگر دل میں لالچ پیدا ہوا تو ایک ٹانگ خود کھا گیا اور ایک ٹانگ مالک کو پیش کر دی۔ مالک نے پوچھا کہ دوسری ٹانگ کہاں ہے؟ تو وہ کہنے لگا کہ صاحب مرغے کی ایک ہی ٹانگ ہوتی ہے۔ صاحب اُسے باہر پکڑ کر لائیے کہ دکھاؤ، ایک ٹانگ کا مرغ کہاں ہوتا ہے۔ اتّفاق دیکھیے کہ باہر ہماری

برادری کے کوئی مُرغ صاحب ایک ٹانگ پر کھڑے تھے۔ دراصل جب ہم لوگ بہت تھک جاتے ہیں یا زیادہ غور و فکر میں مبتلا ہوتے ہیں تو ایک ٹانگ پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مالک نے "ہُش" کہا تو ہمارے بھائی مُرغ صاحب دوسری ٹانگ نکال کر "ٹُرٹُر ٹُرٹُر" بھاگے۔ مگر نوکر ذرا شرمندہ نہ ہوا۔ کہنے لگا کہ صاحب اگر آپ پلیٹ میں بھی "ہُش" کر دیتے تو دوسری ٹانگ نکل آتی۔ بس اُسی وقت سے یہ محاورہ مشہور ہو گیا۔ اگر کوئی کسی غلط بات پر اڑ جائے تو کہا جاتا ہے کہ ..." وہی مُرغے کی ایک ٹانگ۔"

"اچھا جناب ککڑوں کوں صاحب! اب ہمیں اجازت دیجیے! آپ سے بڑی مفید معلومات حاصل ہوئیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ!"

یہ کہہ کر اُن سے ایک بار پھر پنجہ آزمائی کر کے واپس ہو لیے اور وہ خوشی میں کٹکٹاتے ہوئے اپنے دڑبے میں داخل ہو گئے!

◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉ ◉

○۔ دنیا کا سب سے بھاری مُرغا امریکہ کی ریاست کیلی فورنیا میں ہے۔ اس کا وزن ۲۲ پونڈ ہے۔ اس نے دو بلّیاں ماری ہیں اور ایک کتّے کو زخمی کر چکا ہے۔

○۔ کرکٹ میں سب سے زیادہ رنز کی شراکت کا عالمی ریکارڈ پاکستان کے جاوید میانداد اور مدثر نذر نے ۱۹۸۲ء میں بھارت کے خلاف حیدرآباد ٹیسٹ میں قائم کیا۔

○۔ سب سے اونچی سمندری لہر ۷ جنوری ۱۹۳۳ کو ایک امریکی جنگی جہاز "رماپو" نے ایک طوفان کے دوران فلپائن کے قریب ریکارڈ کی تھی۔ اس کی اونچائی ۱۱۲ فٹ تھی۔

○۔ دنیا کے سب سے کم عمر پروفیسر ۱۹ سالہ کولن میک لاؤرن تھے۔ جنہیں ۳۰ ستمبر ۱۹۱۷ کو ریاضی کے پروفیسر کی حیثیت سے اسکاٹ لینڈ کے "میری شل" کالج میں لیا گیا اور شہرۂ آفاق سائنسدان اور ماہر طبیعیات آئزک نیوٹن کی سفارش پر ۱۹۲۵ء میں ایڈنبرگ یونیورسٹی میں ریاضی کا فل پروفیسر بنا دیا گیا۔

○۔ دنیا کا سب سے بڑا ڈیلٹا بنگلہ دیش میں دریائے گنگا اور برہم پتر کے خلیج بنگال میں گرنے سے بنا تھا۔ اس کا رقبہ تقریباً ۳۰۰۰۰ میل ہے۔

جہاں قالین وہیں صفائی

سنو وھائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری، کراچی

ہیڈ آفس :

عبداللہ ہارون روڈ فون : ۵۱۱۷۱۱

شاخیں :

- بہادر آباد فون : ۴۱۳۶۹۵
- جمشید روڈ " ۴۱۱۳۰۲
- کھارادر " ۲۲۵۸۰۳
- گارڈن روڈ " ۷۲۲۴۳۳
- برنس روڈ ۲۰۳۳۳۶
- ڈیفنس فیز V فون : ۵۲۶۵۳۹
- امیر خسرو روڈ " ۴۱۳۶۹۵
- راشد منہاس روڈ " ۴۱۱۳۰۲
- حسن اسکوائر " ۵۲۶۵۳۹

سنو وھائٹ

ڈرائی کلیننگ انڈسٹری

ہیڈ آفس : عبداللہ ہارون روڈ . کراچی فون ۵۱۱۷۱۱ ۵۲۶۵۳۹

زونل آفس : صدر بازار . راولپنڈی فون ۶۷۹۸۸ ۶۳۲۵۰

معرکہ

م، ع،

جیساکہ آپ کو معلوم ہے کہ حق اسکواڈ نام کی ایک تنظیم ہے۔ جس کے چار ارکان ہیں۔ شہریار، سرفراز، ضیا اور شہزاد۔ اس تنظیم کا واحد مقصد یہ ہے کہ وہ سماج سے تمام برائیوں کا خاتمہ کرے گی اور اس کے لئے جہاں بھی طاقت کا استعمال ضروری ہوگا، کرے گی۔ شہریار جوڈو کراٹے کا ماہر ہے، سرفراز باڈی بلڈنگ کے ذریعے طاقتور بنا۔ ضیا برق رفتاری سے دوڑنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا اور شہزاد بجلی کے آلات اور مشینری کے معاملات کا ماہر ہے۔ گزشتہ ماہ میں آپ نے پڑھا تھا کہ ان لوگوں نے اسکول کے طلبا کے ایک ایسے گروہ کا پتہ چلایا تھا جو امتحانات کے پرچے آؤٹ کرکے دوسرے طلبا کے ہاتھوں بھاری قیمت پر فروخت کرتا تھا۔ حق اسکواڈ کی کوششوں کے نتیجے میں ٹھیک امتحان کے دن اس گروہ کے تمام لڑکے پکڑے گئے اور اسکول سے نکال دیئے گئے۔ حق اسکواڈ کا غار میں اپنا ایک "ہیڈ کوارٹر" بھی تھا جہاں ان کی ضروریات کے تمام سامان تھے۔ امتحانات کے زمانے میں تمام ارکان یہیں مطالعہ بھی کرتے تھے۔ جب وہ لوگ یہ کام انجام دے کر واپس ہیڈ کوارٹر لوٹے تو انہوں نے دیکھا کہ کتابوں اور کاپیوں کے ٹکڑے ہر طرف بکھرے ہیں اور ان کی تمام چیزیں ٹوٹی پڑی ہیں۔ ہیڈ کوارٹر میں ایک تباہی کا عالم تھا۔ کسی نے ہیڈ کوارٹر تباہ کردیا تھا۔ اس کے بعد آگے پڑھیئے کیا ہوتا ہے۔ (ادارہ)

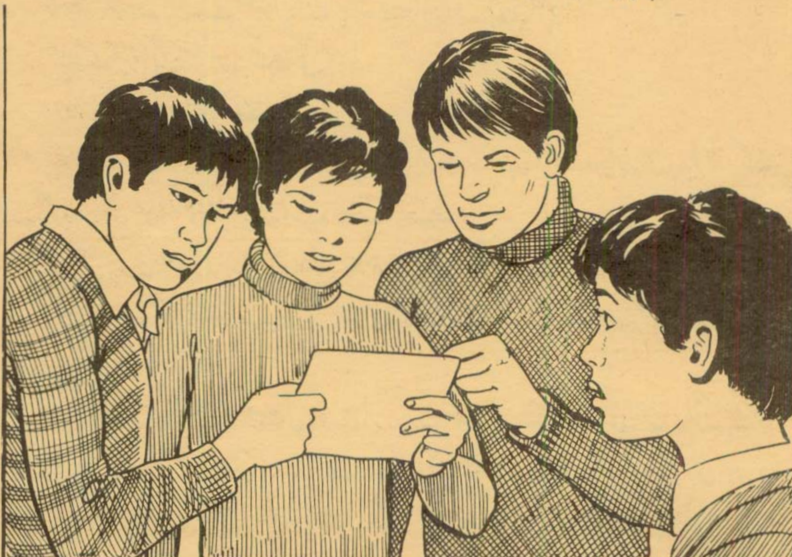

کھڑے حیرت سے دیکھتے رہے۔

چولہا الٹا پڑا تھا۔!

اس میں سے بہنے والا مٹی کا تیل دری میں جذب ہو چکا تھا۔!

ہر طرف کاپیوں کے پھٹے ہوئے صفحات بکھرے ہوئے تھے۔!

چائے کے مگ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے تھے۔!

وہ خاموش کھڑے دیکھتے رہے۔

وہ خاموش تھے۔ لیکن ان کے دلوں میں آگ بھڑک رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں شعلے دہک رہے تھے۔ انتقام کی آرزو ان کے سینوں میں چنگاریوں کی طرح بکھر رہی تھی۔

"حق اسکواڈ" اس وقت ایک طوفان تھا۔ ایک وحشی قوت تھا۔ اگر کوئی اس وقت ان کے سامنے ہوتا تو وہ اس کے پرخچے اڑا دیتے۔

رفتہ رفتہ ان کے سینوں میں بھڑکنے والی آگ بجھنے لگی۔

ان کے لہو کی گردش تھمنے لگی۔

وہ پرسکون ہوتے گئے۔

دوستو۔ "بالآخر شہر یار نے مسکرا کر کہا۔ "مبارک ہو۔ اب ہمارے دشمن بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ گویا "حق اسکواڈ" کی شہرت اب پھیلنے لگی ہے"

اس کی بات سن کر سرفراز، ضیاء اور شہزاد بھی مسکرائے۔

"لیکن یہ سب کس کا کارنامہ ہے۔؟ سرفراز نے آگے بڑھ کر اپنے "ہیڈ کوارٹر" کا معائنہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ شیطان کے کسی نمائندے کی کارستانی ہے"۔ شہر یار نے کہا۔ "بدی کے، برائی کے کسی ایجنٹ کا کام ہے۔ جو ہمیں حق کی راہ پر چلنے سے روکنا چاہتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ اتنی جلدی ہمارے دشمن پیدا نہیں ہوں گے۔ لیکن لگتا ہے کہ "حق اسکواڈ" کے مقابلے پر کوئی اتر آیا ہے

اسی وقت ان کی نظر ایک کونے میں دیوار کے سہارے رکھے ہوئے ایک سفید لفافے پر پڑی۔
شہزاد نے لفافہ اٹھایا۔
لفافے میں سے ایک کاغذ برآمد ہوا۔
کاغذ پر لکھا تھا۔
"حق اسکواڈ کے بیوقوفو۔ تمہارے اس اڈّے کی تباہی، ہماری طرف سے خطرے کی پہلی وارننگ ہے۔ اگر تم لوگوں نے اب بھی اپنی کارستانیاں بند نہ کیں تو تمہارا بھی وہی حشر کیا جائے گا جو تمہارے اڈے کا کیا گیا ہے۔ آج ہم نے مگ توڑے ہیں، اگلی مرتبہ ہم تمہارے دانت توڑ دیں گے۔ اس مرتبہ ہم نے کاپیاں پھاڑی ہیں، اگلی مرتبہ تمہارے سر پھاڑ دیئے جائیں گے کل کے بعد سے اگر تم نے یہاں آنے کی کوشش کی تو نتائج کی ذمہ داری خود تم پر ہوگی

"باطل اسکواڈ"

کچھ دیر تک ہر جانب خاموشی طاری رہی۔
پھر ضیاء نے کہا۔ "بہت عمدہ۔!"
سب نے حیرت سے ضیاء کی طرف دیکھا۔
"واہ واہ۔" ضیاء نے سر ہلا کر کہا۔ "سبحان اللہ۔ یعنی ملاحظہ فرمایئے۔ حق اسکواڈ بمقابلہ باطل اسکواڈ۔ کیا جوڑی ملائی ہے۔ واہ واہ، واہ واہ۔!" وہ زور زور سے سر ہلانے لگا۔
"خدا کے واسطے اتنی زور سے سر مت ہلاؤ۔" سرفراز نے کہا۔ "گردن کے پیچ کھل گئے تو کھوپڑی نیچے جا گرے گی۔"
"آئیڈیا واقعی اچھا ہے۔!" شہزاد نے کہا۔
"کھوپڑی گرنے کا آئیڈیا۔؟" سرفراز نے خوش ہو کر پوچھا۔
"نہیں۔" شہزاد نے کہا۔ "باطل اسکواڈ بنانے کا آئیڈیا۔ لیکن یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں۔؟"
"کوئی بھی ہو سکتا ہے" شہریار نے کہا۔ "اب تک ہم نے جتنے کارنامے سرانجام دیئے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے بعد ہمارے دشمنوں کی فہرست بڑھتی گئی ہے۔ پہلے ہم نے

اسکول کے سامنے سے سڑے ہوئے چھوٹے بیچنے والوں کے ٹھیلے ہٹوائے تھے. پھر ہم نے نقل کے لئے کارتوس بنانے والوں کو اسکول سے نکلوایا تھا. پھر ہم جعلی رپورٹ کارڈ فراہم کرنے والے لالو سے ٹکرائے تھے. اس کے بعد ہم نے امتحانی پرچے چرانے والوں کو پکڑوایا تھا. یہ سب لوگ اب ہمارے دشمن ہوں گے."

"ظاہر ہے۔" سرفراز نے کہا۔ "یہ تو ہو نہیں سکتا کہ وہ ہمیں آکر شاباشں دیں یا ہمارے گلے میں ہار ڈالیں اور ہمارے ساتھ تصویریں کھینچوائیں۔"

"انہی لوگوں میں سے کوئی اب تک انتقام کی آگ میں جل رہا ہے۔" شہریار نے کہا۔ "اس آگ کو بجھانے کے لئے اس نے باطل اسکواڈ بنایا ہے."

"حالانکہ آگ بجھانے کے لئے اسے فائر بریگیڈ بلانا چاہئے تھا۔" ضیاء نے کہا۔

"سوچنا یہ ہے۔" شہریار نے کہا۔ "کہ کل کیا ہو گا۔ انہوں نے خط میں دھمکی دی ہے کہ اگر کل کے بعد ہم یہاں آئے تو اچھا نہیں ہو گا."

"سوچنے کی کیا بات ہے۔" شہزاد نے پرعزم لہجے میں کہا۔ "ہم کل یہاں ضرور آئیں گے۔ پرسوں بھی اور اس کے بعد بھی۔ "حق اسکواڈ" ایسی بچکانہ دھمکیوں سے خوفزدہ نہیں ہو سکتا۔"

"حق اسکواڈ۔" سرفراز نے اچانک پوری قوت سے چلّا کر کہا۔

"زندہ باد۔" ان کے نعرے کی گرج سے پورا غار گونج گیا۔

جس وقت یہ نعرہ گونجا تھا، تقریباً اس وقت وہاں سے کچھ دور چار لڑکے ایک چھوٹے سے کمرے میں سر جوڑے بیٹھے تھے.

ایک کا نام عبدالغفار تھا۔ دوسرے کا عبدالجبار تھا.

ان دونوں کو "حق اسکواڈ" والوں نے نقل کرنے کے لئے کارتوس بیچنے پر رنگے ہاتھوں پکڑوا دیا تھا. اس جرم پر ان دونوں کے نام اسکول سے کاٹ دیئے گئے تھے.

عبدالغفار اور عبدالجبار کے ساتھ ان کے دو جگری دوست تھے. ان کے نام تو نجانے کیا تھے لیکن سب لوگ انہیں مونی اور سونی کہتے تھے۔ مونی بہت موٹا تھا۔ فٹبال کی طرح

گول اور تربوز کی طرح بھاری بھر کم۔ سونی اس کے برعکس سوکھا سا تھا۔ چلتا تھا تو لگتا تھا کہ تنکا فضا میں تیرتا جارہا ہے۔

عبدالغفار اور عبدالجبار کی طرح مونی اور سونی بھی "حق اسکواڈ" کے ستائے ہوئے تھے۔ انہیں بھی نقل کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔

اب یہ چاروں "حق اسکواڈ" سے انتقام لینا چاہتے تھے۔

اس چھوٹے سے کمرے میں وہ "حق اسکواڈ" کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے ہی بنا رہے تھے "میرا دل چاہتا ہے کہ ان کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دوں۔" عبدالجبار کہہ رہا تھا۔ "ان کا خیال آتا ہے تو میری آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔"

"میں تو انہیں ایک درخت سے باندھ کر ان کی دل بھر کر ٹھکائی کرنا چاہتا ہوں۔" عبدالغفار بولا۔

بھاری بھر کم مونی نے کہا۔ "میں ہر وقت تمہارے ساتھ ہوں۔ میری طاقت آخر کس دن کام آئے گی۔ ان چاروں کا بلواڑہ نہ کر دیا تو میرا نام بھی مونی نہیں۔"

دبلے پتلے سونی نے کہا۔ "دل تو میرا بھی بہت چاہتا ہے کہ ان چاروں کی مار لگاؤں لیکن میری صحت اجازت نہیں دیتی۔ مگر فکر نہ کرو۔ میری ذہانت تمہارے ساتھ ہے۔"

عبدالجبار جذبات میں آکر کھڑا ہو گیا۔ "نکل جاؤ حق اسکواڈ کے بے وقوفو۔" اس نے چلّا کر کہا۔ "باطل اسکواڈ تمہیں فنا کر دینے کے لئے میدان میں آگیا ہے۔" اس نے حلق سے بکرے کی سی آواز نکالی اور غصے کے عالم میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔

"بھائی عبدالجبار۔" مونی نے اپنا گول سر ہلا کر کہا۔ "آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ہمیں کل کے بارے میں منصوبہ بندی کرنی ہے۔"

عبدالجبار بیٹھ گیا۔

"کل شام ٹھیک چھ بجے ہم ان بیوقوفوں کے اڈے پر پہنچیں گے۔" سونی نے اپنے ڈنڈے جیسے بازو ہلا ہلا کر کہنا شروع کیا۔ "اگر وہ لوگ مقابلہ کرنے کے لئے موجود ہوئے تو حملہ کر دیں گے۔

سب لوگوں کے پاس ہاکیاں ہونی چاہئیں۔"

"میرے پاس ہاکی نہیں ہے۔" مونی نے کہا۔

"تمہیں ہاکی کی کیا ضرورت ہے۔؟" سونی بولا۔ تم تو خود توپ کے گوسے ہو۔ بہر حال، مجھے یقین ہے کہ وہ سر پھرے قسم کے لڑکے ہیں۔ دھمکیوں سے باز نہیں آئیں گے۔ ہمیں جاتے ہی ان پر حملہ کر دینا ہو گا تاکہ وہ دہشت زدہ ہو جائیں۔ باس کا یہی حکم ہے۔!!"

باس کا نام سنتے ہی وہاں سناٹا چھا گیا۔

"یار سونی۔" عبدالجبار نے کہا۔ "باس سے بیسوں کی بات ہوئی۔؟"

سونی مسکرایا۔ اس کے ہڈیوں بھرے چہرے پر پیلے پیلے دانت چمکنے لگے۔ "حملہ کامیاب رہا اور حق اسکواڈ والے خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے تو ہم سب کو دو دو سو روپے ملیں گے۔!"

"دو دو سو روپے۔!!" عبدالغفار نے حیرت سے کہا۔ سب کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے تھے۔

"ہاں۔" سونی نے کہا "سب کے لئے دو دو سو روپے۔ لیکن شرط وہی ہے۔ حق اسکواڈ کو نیست و نابود کرنا ہے۔ اس کا نام تک مٹا دینا ہے۔"

"تم فکر نہ کرو۔" موتی نے اپنا گول سر ہلا کر کہا۔ "اور کسی سے ذکر نہ کرو۔ کل کا دن حق اسکواڈ کی زندگی کا آخری دن ہو گا۔"

وہ سب دیر تک قہقہے لگا لگا کر ہنستے رہے۔

شام ڈھل رہی تھی

سورج غروب ہونے والا تھا اور سائے پھیلتے جا رہے تھے

"ہیڈ کوارٹر" میں وہ چاروں سر جھکائے، منتظر بیٹھے تھے۔

بہت دیر سے ان دیکھے، انجانے دشمنوں کا انتظار تھا۔ شام چار بجے سے وہ یونہی انتظار کر رہے تھے۔

بالآخر سرفراز نے ایک جماہی لی، انگلیاں چٹخائیں، سر کھجایا اور کہا۔ "میرا خیال ہے کہ بال اسکواڈ والوں کی گاڑی راستے میں پنکچر ہو گئی۔ اب وہ نہیں آئیں گے۔"

"وہ آئیں گے۔" شہریار نے پورے یقین سے کہا۔ "میرا دل کہتا ہے کہ وہ ضرور آئیں گے۔"

"تمہارا دل عجیب و غریب باتیں کہتا ہے بھائی۔" ضیاء نے انگڑائی لے کر کہا۔

اسی وقت باہر قدموں کی آہٹ ہوئی۔
وہ چاروں اچھل کر کھڑے ہو گئے۔
"باطل اسکواڈ" کے چاروں ارکان اچانک اندر داخل ہوئے۔
عبدالغفار، عبدالجبار اور سوتی کے ہاتھوں میں ہاکیاں تھیں، گول مٹول موٹی کے ہاتھ میں کچھ نہ تھا۔
اس سے پہلے کہ وہ "حق اسکواڈ" والوں پر حملہ کرتے، ایک عجیب بات رونما ہوئی۔
شہریار نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔!!
"بھائیو۔" اس نے گڑگڑا کر کہا۔ "ہم پر رحم کرو۔"
"ہمیں مارو مت۔" سرفراز نے عاجزی سے کہا۔
"جو تم کہو گے ہم وہی کریں گے۔" ضیاء کی آواز لرز رہی تھی۔
"لیکن ہمیں مارنا نہیں۔" شہزاد منت کرتا ہوا بولا۔
"باطل اسکواڈ" کے ارکان حیران کھڑے رہ گئے۔
انہیں امید نہیں تھی کہ وہ جن پر حملہ کرنے آئے ہیں، وہ پہلے ہی معافی مانگ لیں گے، حملے سے پہلے ہی خوفزدہ ہو جائیں گے۔ "باطل اسکواڈ" کے چاروں ارکان نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تو تم لوگ وعدہ کرتے ہو کہ اپنا یہ "حق اسکواڈ" کا ڈرامہ ختم کر دو گے۔؟" عبدالغفار نے پوچھا"
بالکل ختم کر دیں گے۔" شہریار نے جلدی سے کہا۔" فوراً ختم کر دیں گے۔"
اور ہمارا حکم مانو گے۔؟"
"آپ لوگوں کا حکم سر آنکھوں پر۔" سرفراز نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔
"ویری گڈ"۔ موتی نے اپنا بڑا سا سر ہلا کر کہا۔" باس بھی یہی چاہتا تھا۔!"
باس کا ذکر سن کر "حق اسکواڈ" کے چاروں ارکان نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔
"ہم تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہیں۔" شہریار نے کہا۔ "لیکن ہمیں مارنا مت۔"
"فکر نہ کرو۔" عبدالجبار نے بدمعاشوں کے انداز میں سینہ پھلا کر کہا۔" دشمن ہتھیار ڈال دے تو ہم اس پر کبھی حملہ نہیں کرتے۔"

"ہم تمہارے حملے سے بہت خوفزدہ ہیں بھائی۔" شہزاد نے کہا۔ "کیوں کہ اگر تم نے ہم پر حملہ کیا تو ہمیں بھی کچھ کرنا پڑے گا۔" وہ مسکرایا۔

"تمہارے دانت توڑنے پڑیں گے۔" ضیاء بولا۔

"تمہاری ہڈیاں چٹخانی پڑیں گی۔" سرفراز نے کہا۔

"تمہیں چیونٹی کی طرح مسلنا پڑے گا۔" شہریار ہنسا۔

"باطل اسکواڈ" کے چاروں ارکان بھونچکے رہ گئے۔

"اوئے۔" عبدالجبار نے سنبھل کر کہا۔ "یہ کیا بکواس کر رہے ہو۔؟" اس نے اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

ہاکیوں سے لیس چاروں دشمنوں نے "حق اسکواڈ" کے چاروں نہتے ارکان پر حملہ کر دیا۔ لیکن دشمنوں کو ان چار نوجوانوں کی قوت کا اندازہ نہیں تھا۔

عبدالجبار اور عبدالغفار نے سب سے پہلے اپنی ہاکیاں گھمائیں۔

آگے کھڑے ہوئے شہریار اور سرفراز تیزی سے جھکے۔ ہاکیاں ان کے سروں پر سے گزر گئیں پھر شہریار نے اپنا ہاتھ گھمایا۔ وہی کراٹے والا ہاتھ جو لکڑی کے تختے توڑ دیتا ہے۔ یہ فولادی ہاتھ عبدالغفار کی کنپٹی پر ایک دھماکے سے لگا۔

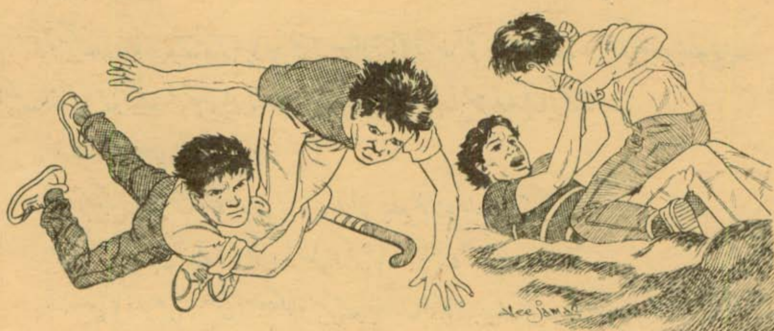

عبدالغفار کو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی لوہے کا گولہ اس کے سر پر آ کر لگا ہے۔ وہ لڑکھڑایا اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔

دوسری طرف سرفراز نے عبدالجبار کو اپنے طاقت ور بازوؤں میں بھینچ رکھا تھا باڈی بلڈنگ

کرنے والا سرفراز اب لوہے کی سلاخیں موڑ دیتا تھا. اس کی گرفت میں آنے والے عبدالجبار کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کی سانس روک دی ہو۔ اس نے چلّانے کی کوشش کی لیکن آواز نہ نکلی سرفراز نے اسے پوری قوت سے دبایا. پہلے ہاکی عبدالجبّار کے ہاتھوں سے نیچے گری. پھر وہ خود بے ہوش ہو کر گرا.

ضیاء اور شہزاد بھی فارغ نہیں بیٹھے تھے وہ دونوں اچھل کر بھاری بھرکم موٹی سے جا ٹکرائے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ان کے گھونسے پوری قوت سے موٹی کے ڈھول جیسے پیٹ میں لگے تھے ۔ موٹی آتش فشاں کی طرح گڑگڑایا. اس کے ساتھ ہی ضیاء اور شہزاد کے مزید دو گھونسے اس کے ڈھول جیسے پیٹ پر بجے۔ موٹی کو یوں لگا جیسے ساری دنیا گھوم رہی ہو. اگلے دو گھونسے کھا کر وہ زمین پر یوں گرا جیسے غبارے سے ہوا نکل گئی ہو ۔

اب صرف دبلا پتلا سوکھی ان کے درمیان کھڑا کانپ رہا تھا. اس کے کپکپاتے ہاتھوں میں ہاکی تھی جس سے وہ ان پر حملہ کرنے آیا تھا. لیکن اب اس کے تینوں ساتھی فرش پر لیٹے ہوئے تھے ۔ اور وہ اکیلا ان چاروں خطرناک نوجوانوں کے درمیان رہ گیا تھا.

دیکھو بھائیو" اس نے لرزتی آواز میں کہا۔ "میرا...... میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نے ..... میں نے ان لوگوں کو سمجھایا تھا لیکن ......"

"لیکن یہ لوگ نہیں مانے۔" سرفراز نے اس کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

"ہاں ۔ بالکل ۔ بالکل یہی بات ہے ۔" سوکھی کا پورا بدن کانپ رہا تھا۔ "دیکھو ..... میں نے تو تم پر حملہ بھی نہیں کیا ...... دیکھو .... میں تو ...."اس نے ہاکی پھینک دی اور ہاتھ جوڑ دیئے۔

"میں تو .... میں تو ...." ضیاء نے بھی اس کی نقل اتاری ۔ "کیا بکری کی طرح ممیا رہے ہو سیدھے کھڑے ہو جاؤ ۔"

سوکھی اٹین شن ہو کر کھڑا ہو گیا.

"ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے ۔" شہریار نے اسے تسلّی دی ۔

"ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے تمہیں۔" سرفراز نے کہا۔

"یوں سمجھو کہ کوئی تم پر حملہ نہیں کرے گا ۔" ضیاء بولا ۔

"بس ایک بات بتا دو ۔ پھر تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا ۔" شہزاد نے کہا۔

سونی نے اپنے لہجے کی کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا..... کیا بات..... ؟"

شہریار مسکرایا۔ ایک قدم آگے بڑھا کر وہ سونی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پھر اس نے سونی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ "باس کون ہے۔ ؟"

غار میں سناٹا چھا گیا تھا۔

خوف سے لرزتے سونی نے ادھر اُدھر دیکھا۔ مختلف کونوں میں اس کے تینوں ساتھی بیہوش پڑے تھے۔ اور اس کے سامنے یہ چار خطرناک نوجوان تھے جن سے بچ کر نکلنا ناممکن تھا۔

بالآخر وہ بولا۔ "میں ...... میں بتانے کو تیار ہوں۔ !!"

پھر کیا ہوا۔ ؟ باس کون تھا۔ ؟

"حق اسکواڈ" کا یہ سنسنی خیز ایڈونچر جاری ہے۔ آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے۔

اتنے سارے پھلوں کا
تازہ نکھرا روپ
احمد
مکسڈ فروٹ جام
TASTE AHMED PRESERVES
AHMED'S
JAM
MIXEDFRUIT

کارٹون اسٹوری لکھیے

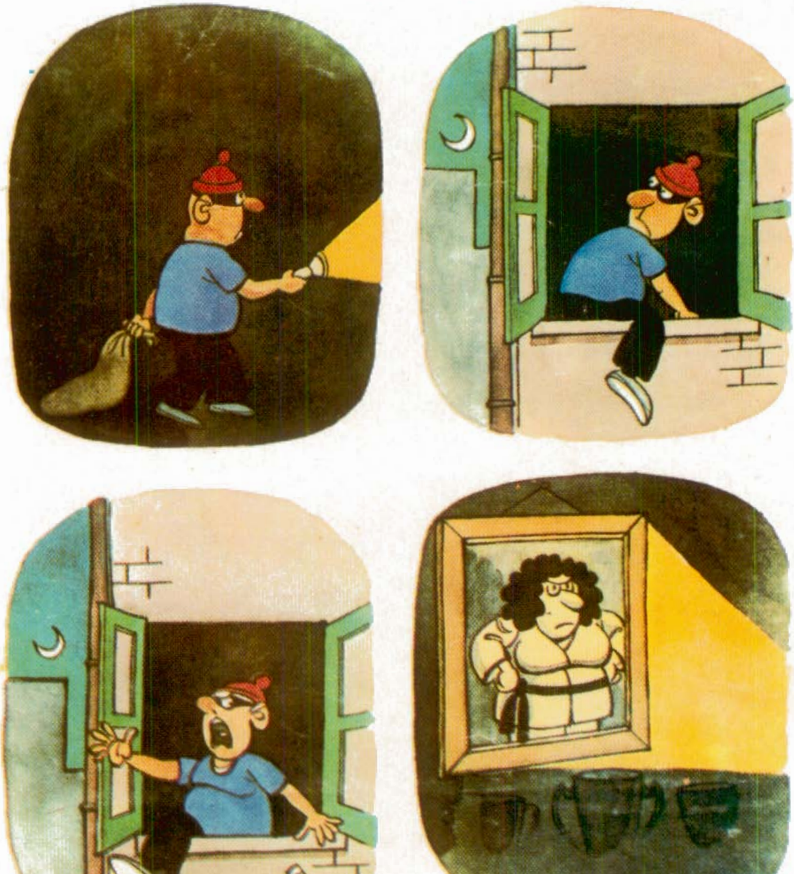

ان کارٹونز کو بغور دیکھئے انہیں دیکھ کر آپ کی سمجھ میں کیا آیا؟ آپ جو کچھ بھی سمجھے ہوں اُسے ایک صفحے کی مختصر کہانی کی صورت میں ہمیں بھجوا دیجئے۔ سب سے اچھی کارٹون اسٹوری لکھنے پر ہم آپ کو انعام بھی دیں گے اور مارچ ۸۰ء کے شمارے میں آپ کی اسٹوری آپ کے نام کے ساتھ شائع بھی کریں گے۔ اِس مقابلے میں شرکت کی آخری تاریخ ۳۰، فروری ہے۔

فرصت نہیں ہے

پروفیسر عنایت علی خان

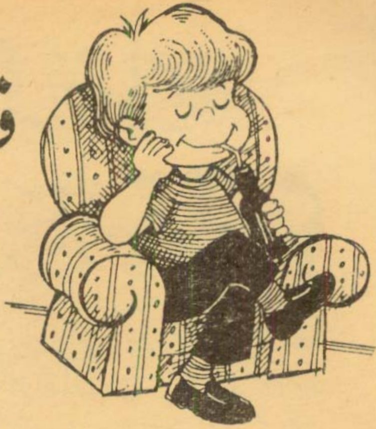

سبق یاد کرنے کی فرصت کسے ہے — کہ خود بھول جانے کی فرصت نہیں ہے
مصیبت ہے وہ امتحانوں کی سر پر — کہ سر تک اٹھانے کی فرصت نہیں ہے

پلس اور مائنس کے جھگڑے نہ پوچھو — گھٹانے بڑھانے کی فرصت نہیں ہے
ہے سبجیکٹ کوئی یہ جیومیٹری بھی — گھٹانے بڑھانے کی فرصت نہیں ہے

جو اپنے لکھیں ہم تو کیسے لکھیں ہم؟ — کہ لکھنے لکھانے کی فرصت نہیں ہے
سوالات تاریخ کے کیا بتائیں — کہ سن ون گنانے کی فرصت نہیں ہے

پہاڑوں سے بڑھ کر ہیں بوجھل پہاڑے — یہ بوجھ اب اٹھانے کی فرصت نہیں ہے
سوالات اور وہ بھی لنگڑی کسر کے — ہمیں سر کھجانے کی فرصت نہیں ہے

عنایت کے اشعار ہوں لاکھ اچھے
ہمیں گنگنانے کی فرصت نہیں ہے

مصنوعات کی دُنیا میں

ایسی کوئی مِثال یا ریکارڈ ہو تو بتایئے؟

مصنوعات کی فروغ کے لئے خاص طور پر زور دیا جاتا ہے کہ ہماری پروڈکٹ نام لے کر طلب کیجیئے۔ جبکہ ہمارا مشورہ بالکل مختلف ہے۔ کیونکہ ہمارے مُفید و مؤثر ٹوتھ پاؤڈر کے نام اور فوائد سے بچہ بچہ واقف ہے۔ تو کیا خریدتے وقت اس کا نام لینا ضروری ہے؟ اِتنا کہنا کافی نہیں کہ

"مجھے اچھّا ٹوتھ پاؤڈر چاہیئے"

غور کیجیئے! ہمیں آپ کے اِنتخاب پر کس قدر بھروسہ ہے کہ ہم آپ کے آزمودہ و پسندیدہ "ٹوتھ پاؤڈر" کا نام "کمپنی کا نام" یہاں تک کہ "مونوگرام" ظاہر کیئے بغیر مصنوعات کی دنیا میں خود اعتمادی کی پہلی مثال قائم کر رہے ہیں۔ آپ کے تعاون ہی سے ہمیں ایک ایسا ریکارڈ قائم کرنے کا موقعہ مِلا جو مصنوعات کی دنیا میں واحِد مِثال ہے۔ یقیناً یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو خدا کے فضل و کرم سے اب تک کسی دوسرے پروڈکٹ کو نصیب نہیں ہوا۔

نوٹ: اپنا پسندیدہ ٹوتھ پاؤڈر خریدتے وقت اس کے لیبل کی فِنشنگ خصوصاً مونوگرام وغیرہ چیک کر لیں۔ ہم شکر گذار ہوں گے اگر آپ جعلی و نقلی کی شِکایت بھیجتے وقت دکاندار کا مکمل پتہ بھی تحریر کریں تاکہ ہم قانونی کارروائی کر سکیں۔ شکریہ

MANUFACTURER OF WORLD'S BEST TOOTH POWDER
P.O. BOX: 2110, KARACHI-18

مشاغل کی کہانی

عقیل عباس جعفری

حصہ اوّل

ڈاک ٹکٹ جمع کرنا

ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنا آج دنیا کا سب سے دلچسپ اور ہر دل عزیز مشغلہ ہے۔ بچے، جوان، بوڑھے سب ہی اس میں شامل ہیں۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ "یہ بادشاہوں کا مشغلہ ہے اور مشغلوں کا بادشاہ" امریکہ کی پچاس فیصد، یورپ کی پچیس فیصد اور ایشیا و افریقہ کی دس فیصد آبادی ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کی شوقین ہے۔

ڈاک کی کہانی ڈاک سروس کو آج ایک باقاعدہ سہولت تسلیم کرلیا گیا ہے۔ خطوط ڈالنا اور وصول کرنا، ہماری زندگی کا روزمرہ ہے۔ لیکن ہم میں صرف چند کو اس طویل طریق کے بارے میں معلومات حاصل ہیں جو سینکڑوں سالوں میں موجودہ شکل اختیار کرسکا ہے۔

پرانے وقتوں میں ڈاک کا انتظام صرف بادشاہوں تک محدود تھا۔ جس کے ذریعے حکمران اپنی قلمرو میں رونما ہونے والے تمام واقعات سے باخبر رہتے تھے۔ قدیم روم، مصر، چین، یونان، انگلستان اور ایران میں ڈاک کا نظام خاصی بہتر حالت میں موجود تھا۔ عہد اسلامیہ بالخصوص خلافت عباسیہ کے دور حکومت میں بھی ڈاک کا بہترین انتظام موجود تھا۔

ہندوستان میں ڈاک کا نظام ۱۲۹۶ء میں علاؤالدین خلجی نے متعارف کرایا۔ اور گھڑ سوار اور پیادہ یا قاصدوں کو اپنی فوج کے حالات، معلوم کرنے کے لئے مامور کیا۔ شیر شاہ سوری نے اس نظام کو مزید ترقی دی۔ اس نے بنگال سے لے کر صوبہ سرحد تک جرنیلی سڑک بنوائی۔ اور اس سڑک کے ساتھ ساتھ سرائیں بھی بنوائیں۔ ہر سرائے میں دو تازہ دم گھوڑے ضروری مراسلوں کو آگے بھیجنے کے لئے ہر وقت تیار رکھے جاتے تھے۔ اکبر اعظم کے عہد میں گھوڑوں کی جگہ اونٹوں کو بھی استعمال کیا جانے لگا۔

اس سلسلہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی خاصی پیش رفت کی۔ اس نے بمبئی، مدراس اور کلکتہ میں بڑے پوسٹ آفس اور بہت سے چھوٹے شہروں میں چھوٹے چھوٹے پوسٹ آفس خطوط کی رسد و ترسیل کے لئے کھولے۔ ۱۷۶۶ء میں لارڈ کلائیو نے ڈاک سروس میں چند مزید اصلاحات کیں۔ اگرچہ ابتداء میں یہ ذریعہ صرف کمپنی کے استعمال کے لئے مخصوص تھا۔ تاہم ۱۷۷۴ء میں عوام پر بھی اس کے دروازے واکردیئے گئے۔ اس وقت سب سے کم محصول ہر سو میل کے لئے ۲ آنے تھا۔

۱۸۴۰ء تک دنیا کے تمام ممالک میں ڈاک کا نظام رائج ہو چکا تھا۔ لیکن خطوط کی اجرت فاصلے کے حساب سے لی جاتی تھی۔ جو خطوط وصول کرنے والا ادا کرتا تھا۔ ہر ملک کے الگ الگ نرخ تھے۔ خط جس ملک سے گزرتا تھا وہ ملک اپنی اجرت وصول کرکے دوسرے ملک کے سپرد کردیتا تھا۔ اس طرح حساب کرنے میں کافی دقت ہوتی تھی اور خط کی اجرت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ جس سے ہر شخص فائدہ حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ ابھی ٹکٹ جاری نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ پوسٹ ماسٹر وغیرہ ہی اس کام کو چلارہے تھے۔

۱۸۳۵ء میں انگلستان کے ایک ریفارمر رولینڈ ہل نے محصول کی صورتحال کا جائزہ لیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ڈاک کی سالانہ آمدنی، محصول کی شرح زیادہ ہونے کے باوجود کم ہے۔ اس نے انکشاف

ٹکٹ جمع کرنے والے دو شوقین

نایاب ڈاک ٹکٹ کا البم

کیا کہ زیادہ تر خطوط "محصول واجب الادا" بھیجے جاتے ہیں جن میں سے زیادہ تر مرسل الیہ قبول نہیں کرتے اس طرح محکمہ کو خواہ مخواہ دوطرفہ کرایہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ لوگوں نے اپنے خفیہ الفاظ اور نشانات مقرر کر لئے تھے۔ جو لفافے پر لکھ دیئے جاتے تھے۔ ان الفاظ یا نشانات کو دیکھ کر مرسل الیہ، خط کا مضمون سمجھ جاتا تھا اور لفافہ بغیر وصول کئے واپس کر دیا جاتا تھا۔

چنانچہ رولینڈ ہل نے ۱۸۳۷ء میں "ڈاک خانوں میں اصلاحات" کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا۔ جس میں اس بات پر زور دیا کہ منزل مقصود کے طویل و مختصر ہونے سے قطع نظر محصول ڈاک کم سے کم اور یکساں لگایا جائے۔ اور اس کی پیشگی ادائیگی کے لئے لفافہ پر ٹکٹ بھی چھاپے جائیں۔ جو لوگ اپنے مخصوص لفافے اور خطوط استعمال کرنے کے خواہشمند ہوں انہیں چھوٹے ٹکٹ خرید کر اپنے خطوط پر چپکا دینے چاہیئے۔

ڈاک ٹکٹ کا جنم رولینڈ ہل کی ان تجاویز کا بڑا مثبت ردّعمل ہوا۔ اور برطانوی پارلیمنٹ نے ۱۸۳۹ء میں "یونیفارم پینی پوسٹیج ایکٹ" پاس کر دیا۔ جس کا نفاذ ۱۰ جنوری ۱۸۴۰ء کو عمل میں آیا۔ اس قانون کے مطابق ادائیگی نقد رقم کی صورت میں کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ ابھی ٹکٹ نہیں بنائے گئے تھے۔

۶ مئی ۱۸۴۰ء کو حکومت برطانیہ نے دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ "پینی بلیک" جاری کیا۔ اس ٹکٹ کا ڈیزائن ولیم ملریڈی نے بنایا تھا اور اس پر ملکہ وکٹوریہ کی تصویر چھپی ہوئی تھی۔ اسے پینی بلیک اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی قیمت ایک پینی تھی اور اس کا رنگ کالا تھا۔

پینی بلیک پر کسی ملک کا نام تحریر نہ تھا۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک دنیا کے کسی ملک نے ڈاک کے ٹکٹ جاری نہیں کئے تھے۔ اس وجہ سے اس پر حکومت برطانیہ کا نام لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی تھی۔ صرف ملکۂ وقت کی شبیہ دے دی گئی تھی۔ اس وقت سے آج تک برطانیہ کے ٹکٹوں پر ملک کا نام شائع نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بادشاہ یا ملکہ کی تصویر ہی کو کافی سمجھا جاتا ہے۔

ٹکٹوں کے اجرائے سے کامیابی مصلحین کی توقع سے بھی زیادہ ہوئی۔ ۱۸۳۹ء میں ۷۶ لاکھ خطوط بھیجے گئے۔ ۱۸۴۰ء میں تعداد ایک کروڑ ۶۹ لاکھ تک پہنچ گئی۔ اور پانچ ہی برسوں کے قلیل عرصے میں یہ تعداد بھی دوگنی ہوگئی۔

برطانیہ میں ڈاک کی اس ترقی کو دیکھ کر دوسرے ممالک نے بھی اس نئے نظام میں دلچسپی لینا شروع کی۔ اور مارچ ۱۸۴۳ء میں سوئٹزرلینڈ نے بھی ٹکٹ جاری کر دیئے۔ چار ماہ بعد یکم جولائی ۱۸۴۳ء کو برازیل بھی ڈاک ٹکٹ جاری کرنے والے ممالک کی صف میں شامل ہوگیا۔ ۱۸۴۵ء میں نے فاختہ کے ٹکٹ جاری کئے۔ ۱۸۴۷ء میں برطانوی مقبوضات میں سب سے پہلے ماریشس نے ٹکٹ جاری کئے۔ حکومت امریکہ کے سب سے پہلے ٹکٹ بھی اسی سال نکلے۔

برِّصغیر کے ڈاک ٹکٹ برصغیر میں ڈاک ٹکٹ کے اجراء کا سہرا سندھ کے کمشنر سر بارٹل فریئر کے سر ہے۔ جنہوں نے یکم جولائی ۱۸۵۲ء کو صوبہ سندھ سے برصغیر بلکہ ایشیا کے پہلے ڈاک ٹکٹوں کا اجراء کیا۔ یہ ڈاک ٹکٹ گول (سرکلر) شکل کے تھے۔ یوں ان ڈاک ٹکٹوں کا دنیا کے پہلے گول ڈاک ٹکٹ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

یہ ٹکٹ De La Rue نامی کمپنی نے چھاپے تھے۔ اور ان کا ڈیزائن مسٹر کوفی Mr. COFFEY نامی ایک شخص نے تیار کیا تھا۔ اس ڈاک ٹکٹ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا نشان "کشادہ تیر" بنا ہوا تھا۔ اور سندھ ڈسٹرکٹ ڈاک کے الفاظ چھپے ہوئے تھے۔ اس ڈاک ٹکٹ کی قیمت نصف آنہ تھی جو نصف تولہ یا اس سے کم وزن کے لفافوں کا محصول ڈاک تھا۔ ہر مزید نصف تولہ کے لئے مزید نصف آنہ کا ٹکٹ لگانا پڑتا تھا۔

سب سے پہلے سرخ رنگ کے ٹکٹ جاری کئے گئے۔ مگر ان کی زندگی بہت مختصر ثابت ہوئی۔ کیونکہ انہیں کمزور کاغذ پر چھاپا گیا تھا۔ پھر سفید ٹکٹ جاری کئے گئے۔ لیکن سفید کاغذ پر نقوش و

عبارت صاف نظر نہیں آتی تھیں۔ اس لئے آخر میں ٹکٹوں کو سفید کاغذ پر نیلی سیاہی سے چھاپا گیا۔
یکم اکتوبر ۱۸۵۴ء کو حکومت ہندوستان نے ملک گیر سطح پر ڈاک ٹکٹ کا نظام متعارف کرایا۔
یوں سندھ ڈاک کا نظام ختم ہوگیا۔ حکومت ہندوستان نے جو ٹکٹ جاری کئے ان کی قیمت دو پیسہ تھی۔ اور رنگ، نیلا۔ ان ٹکٹوں پر ملکہ وکٹوریہ کا چہرہ بنا ہوا تھا۔ بعد میں ایک آنہ اور دو آنہ قیمت کے ٹکٹ بھی چھاپے گئے۔

۱۹۴۷ء تک برصغیر کے ڈاک ٹکٹوں پر بھی برطانیہ کے حکمران کی تصویر چھاپے جانے کا رواج رہا۔ چنانچہ برصغیر کے ڈاک ٹکٹوں پر ملکہ وکٹوریہ کے علاوہ ایڈورڈ ہفتم، جارج پنجم اور جارج ششم کے چہرے چھاپے گئے۔

برصغیر کے پہلے تصویری ٹکٹ ۱۹۳۱ء میں نئی دھلی کے افتتاح کے موقع پر جاری کئے گئے تھے۔ ان ٹکٹوں پر نئی دھلی کی عمارت کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔

پاکستان کے ڈاک ٹکٹ پاکستان ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو معرض وجود میں آیا۔ قیام پاکستان سے قبل یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ جب پاکستان قائم ہو تو ڈاک کے ٹکٹ وغیرہ بھی نئے جاری کئے جائیں۔ لیکن وقت کی کمی کے باعث نئے ڈیزائن بنوانا اور پھر ان کو طبع کرانا ممکن نہ تھا۔ اس لئے فیصلہ ہوا کہ برطانوی ہند کے ٹکٹوں پر لفظ "پاکستان" بالا چھاپ Over Print کر کے کام چلایا جائے۔ چنانچہ گورنمنٹ آف انڈیا، سیکیورٹی پرنٹنگ پریس، ناسک، انڈیا میں ان کی طباعت ہوئی اور یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے تمام ڈاکخانوں سے ان کی فروخت جاری ہوئی۔ اس سے قبل برطانوی ہند کے سابقہ ٹکٹ ہی استعمال ہوتے رہے۔ اب ان کا استعمال ممنوع قرار دے دیا گیا۔ پاکستان بالا چھاپ Over Print والے ٹکٹوں کا استعمال بھی ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔

۹ جولائی ۱۹۴۸ء کو حکومت پاکستان نے یوم آزادی کے سلسلہ میں پاکستان کے پہلے چار ٹکٹ جاری کئے۔ تین ٹکٹ سیٹ کی صورت میں چھپے تھے۔ جن پر "پاکستان زندہ باد۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء" کے الفاظ چھپے تھے۔ ان ٹکٹوں کی قیمت ۱½ آنہ، ۲½ آنہ اور ۳ آنہ تھی۔ ان ٹکٹوں پر علی الترتیب دستور ساز اسمبلی، کراچی ایئر پورٹ اور شاہی قلعہ لاہور کی تصاویر چھپی تھیں۔ چوتھے ٹکٹ پر ہلال اور خوب صورت بیل بوٹے بنے تھے۔ اس ٹکٹ کا ڈیزائن مصور مشرق عبدالرحمٰن چغتائی نے بنایا تھا۔ اس پر بھی "پاکستان زندہ باد ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء" کے الفاظ چھاپے گئے تھے۔ اس ٹکٹ کی مالیت ایک روپیہ تھی۔

اس وقت سے اب تک حکومت پاکستان سینکڑوں مواقع پر ۷۰۰ سے زائد ٹکٹ جاری کر چکی ہے۔

یہ تو تھی ڈاک ٹکٹوں کی مختصر سی تاریخ۔ انشاءاللہ آئندہ شمارے میں ہم آپ کو ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کے قواعد و ضوابط بتائیں گے۔

ابُونثر

مُردَہ باد، زِندہ باد

"ساڈی کہانی!" "آوے ای آوے"

"ساڈی کہانی!" "آوے ای آوے"

"ہماری نظم! "شائع کرد"

"ہمارے لطیفے!" "جلدی چھاپو"

"ایڈیٹر صاحب!" "مردہ باد"

گلی گلی میں نعرہ ہے! "آنکھ مچولی ہمارا ہے"

ایڈیٹر صاحب بڑے مزے سے چائے کی چُسکیاں لیتے ہوئے اور اپنے کمرے کی آرام کرسی پر آرام سے بیٹھے ہوئے نئے "آنکھ مچولی" کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ شور کی آواز سُن کر جلدی

سے اٹھ کھڑے ہوئے. کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو دور تک ننھے منے بچے رنگ برنگے کپڑے پہنے ہوئے رنگین بینر اٹھائے ہاتھوں میں پلے کارڈز تھامے ہوئے قطار در قطار آنکھ مچولی کے دفتر کی طرف نعرے لگاتے ہوئے بڑھ رہے تھے دیکھتے ہی دیکھتے بچوں کا بہت بڑا ہجوم آنکھ مچولی کے دفتر کے سامنے جمع ہو گیا. نظم وضبط قائم رکھنے کے لیے اور افراتفری پر قابو پانے کے لیے اسکاؤٹ بچے اِدھر سے اُدھر دوڑ رہے تھے اور سیٹیاں بجا بجا کر قطار سے باہر رہ جانے والے بچوں کو قطار میں آنے کی ہدایت کر رہے تھے. جب سب بچے اسمبلی کے انداز میں "آنکھ مچولی" کے دفتر کے سامنے جمع ہو گئے تو محافظ اسکاؤٹ دستوں نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ان کے گرد گھیرا بنا لیا اور نعروں کی شدت میں اضافہ ہو گیا.

بینروں پر، جو رنگ برنگے کپڑوں سے تیار کیے گئے تھے، بچوں نے اپنی واٹر کلر پینٹنگ سے اور پلے کارڈز پر پنسل کلر سے یہ نعرے لکھ رکھے تھے.

"کہانیوں کی اشاعت میں تاخیر برداشت نہیں کی جائے گی"

"ہماری نظمیں کہاں گئیں؟ ایڈیٹر صاحب جواب دیں!"

"ردّی کی ٹوکری ـ مُردہ باد"

"ہمارے مزے دار لطیفے، کون کھا گیا؟"

تھوڑی دیر تک زبردست قسم کی نعرے بازی ہوتی رہی. اور بچے پنجوں کے بل اُچک اُچک کر اپنے بینرز اور پلے کارڈز بلند کرتے رہے. کچھ بچے اپنے ہاتھوں میں سیاہ جھنڈیاں بھی تھامے ہوئے تھے، جنہیں وہ بار بار لہرا رہے تھے. اچانک ایک موٹا تازہ بچہ ایک اور بچے کو اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوتے آگے بڑھا اور آنکھ مچولی کے دفتر کی سیڑھیوں پر آکر کھڑا ہو گیا اس کا منہ ہجوم کی طرف تھا. کندھے پر چڑھے ہوتے بچے نے اپنے دونوں ہاتھ اونچے کر کے فضا میں لہرائے اور مجمع پر سناٹا طاری ہو گیا. اس نے جوش و خروش سے تقریر کرنی شروع کی.

"میرے دوستو! میرے بھائیو! میرے ساتھیو!

ہم سب یہاں آج اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں پر احتجاج کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں ہم نے آنکھ مچولی کے ایڈیٹر صاحب کو اپنی کئی کہانیاں، بہت سی نظمیں اور ڈھیر سارے لطیفے بھیجے. مگر ایسا لگتا ہے کہ وہ سب کی سب ردّی کی ٹوکری کی نذر ہو گئیں."

ایک جذباتی بچّے نے اچھل کر فضا میں مکّہ لہرایا اور گلا پھاڑ کر بولا۔
"ردّی کی ٹوکری!"
سب بچّے ایک آواز میں چلّائے۔
"مردہ باد!"
تھوڑی دیر تک "ردّی کی ٹوکری — مردہ باد، ردّی کی ٹوکری — مردہ باد" کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ کندھوں پر چڑھے ہوئے بچّے نے پھر فضا میں ہاتھ بلند کئے اور خاموشی طاری ہوتے ہی ایک بار پھر اپنی تقریر کا سلسلہ شروع کر دیا۔
"ہم "آنکھ مچولی" کے ایڈیٹر صاحب سے اپنی کہانیوں، اپنی نظموں اور اپنے بھیجے ہوئے لطیفوں کا حساب لینے آئے ہیں۔ ہم نے بچّوں کا جو نمائندہ وفد بنایا ہے وہ ابھی دفتر میں جائے گا اور آنکھ مچولی کے ایڈیٹر صاحب کو آپ کے سامنے لے کر آئے گا۔ اور انہیں جواب دینا پڑے گا۔ کہ اتنے دن گزرنے کے باوجود ہماری چیزیں کیوں شائع نہیں ہوئیں۔"

پھر اس بچّے نے مکّہ لہراتے ہوئے تین مرتبہ کہا کہ۔
"انہیں جواب دینا پڑے گا، جواب دینا پڑے گا۔ جواب دینا پڑے گا۔"
اس کے ساتھ ہی "ہپ ہپ ہرّے!" کے زور دار نعرے بلند ہوئے اور چار بچّوں کا وفد دفتر کے اندر آگیا۔ ان میں تقریر کرنے والا بچّہ بھی شامل تھا۔

"السلام علیکم!" بچوں نے کمرے میں آکر بیک آواز ایڈیٹر صاحب کو سلام کیا۔ جو پریشانی میں ادھر سے اُدھر ٹہل رہے تھے۔
"وعلیکم السّلام!" ایڈیٹر صاحب نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔
"جناب باہر چلئے! بچّوں کا جلوس آپ سے ملنے کا منتظر ہے!"
"جناب دو منٹ تو بیٹھئے پہلے آپ سے باتیں ہو جائیں پھر باہر چلیں گے۔ ذرا کرمو! ان بچّوں کے لئے ٹافیاں، بسکٹ اور جوس تو لانا۔"
"جی نہیں، ہم اپنے ساتھیوں کے بغیر کچھ کھا پی نہیں سکتے۔ آپ کو باہر چلنا ہوگا۔"
"بھئی ہم اتنے سارے بچّوں سے ایک وقت میں کیسے بات کر سکتے ہیں۔ آپ ہی لوگ باتیں کر لیں۔

کیا مسئلہ ہے"

"جناب ہم بدتمیز بچے نہیں ہیں. آپ باہر تو چلیں. آپ سے ایک وقت میں ایک ہی بچہ بات کرے گا. ہمیں پتہ ہے کہ کسی کی بات کاٹنا بدتمیزی ہوتی ہے. ہم لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آخر ہماری چیزیں آنکھ مچولی میں کیوں نہیں چھپتیں ؟"

"اچھا ٹھہریئے! جو کہانیاں، نظمیں اور لطیفے اب تک نہیں چھپے ہیں. میں ذرا انکی فائل ساتھ لے لوں"

"ارے تو کیا آپ کے یہاں ردّی کی ٹوکری نہیں ہے ؟"

"جی نہیں! ہم بچوں کی محنت سے لکھی ہوئی چیزیں ردّی کی ٹوکری میں نہیں پھینکتے. البتہ ان کے نہ چھپنے کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوتی ہے!"

اور ایڈیٹر صاحب. بچّوں کے وفد کے ساتھ باہر آگئے.

ایڈیٹر صاحب کو باہر آتے دیکھا تو بچّوں کے جلوس نے زبردست تالیاں بجاکر اُن کا استقبال کیا. ایڈیٹر صاحب نے زور سے "السلام علیکم" کہا اور سب بچوں نے ایک ساتھ "وعلیکم السلام" کہہ کر جواب دیا.

پھر ایک بچے نے ہاتھ کھڑا کر کے سوال کیا.

"میری کہانی "ایماندار لکڑہارا" کیوں شائع نہیں ہوئی ؟"

ایڈیٹر صاحب نے اپنی فائل سے چار پانچ کہانیاں نکالیں. اور بچوں کو دکھاتے ہوئے اس بچے سے مخاطب ہو کر بولے.

"بھئی اوّل تو یہ کہانی بہت پرانی ہے اور سب بچوں کی پڑھی ہوئی ہے. دوسرے ان چار بچوں نے بھی یہی کہانی بھیجی ہے. آپ ہی بتایئے کہ کیا آپ لوگ "آنکھ مچولی" میں ایک ہی کہانی بار بار پڑھنا چاہتے ہیں!"

سب بچے بولے کہ :

"جی نہیں، ہم نئی نئی کہانیاں پڑھنا چاہتے ہیں."

اب دوسرے بچے نے ہاتھ کھڑا کیا اور پوچھا کہ.

"یہ بتایئے کہ میری کہانی "دوستی کا صلہ" آپ نے کیوں نہیں چھاپی ؟"

ایڈیٹر صاحب نے کرمو کو دفتر میں بھیج کر بچوں کا ایک اور رسالہ منگوایا اور سب بچوں کو دکھاتے ہوئے بولے۔

"آپ لوگ خود دیکھ لیں کہ یہ کہانی ایک دوسرے رسالے میں کسی دوسرے صاحب کے نام سے چھپ چکی ہے۔ اب یہ صاحب اسی کہانی کو اپنے نام سے چھپوانا چاہتے ہیں۔ یہ تو چوری ہوئی۔"

"شرم، شرم"

سب بچوں نے نعرے لگائے اور دوسرا بچہ شرمندہ ہو گیا۔ ایڈیٹر صاحب نے تسلّی دی کہ "اگر آپ گھسی پٹی اور پرانی کہانیاں نہ بھیجیں اور دوسروں کی لکھی ہوئی چیزیں چرا کر اپنے نام سے چھپوانے پر اصرار نہ کریں۔ بلکہ اپنی لکھی ہوئی نئی چیزیں بھیجیں تو ہم ضرور شائع کریں گے۔"

اس پر تیسرے بچے نے ہاتھ کھڑا کیا اور کہا کہ،

"میری کہانی "بچوں کی پولیس" تو نئی ہے اور وہ میں نے خود لکھی ہے، وہ آپ نے کیوں نہیں شائع کی؟" ایڈیٹر صاحب نے اُس بچے کی کہانی نکالی اور کہا کہ،

"معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہانی لکھنے کے بعد آپ نے اپنے ابّو یا ماسٹر صاحب کو نہیں دکھائی تھی جس کی وجہ سے اس میں کچھ املا کی اور کچھ گرامر کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ ان کو ٹھیک کرنے کے بعد باری آنے پر ہم اس کو شائع کر دیں گے۔"

چوتھے بچے نے پوچھا کہ،

"آپ نے میرا مضمون "پاکستان کے خوبصورت علاقے" کیوں نہیں شائع کیا؟" ایڈیٹر صاحب نے اس بچے کا مضمون بھی فائل سے نکالا اور سب کو دکھاتے ہوئے بتایا کہ:

"اپنے مضمون "پاکستان کے خوبصورت علاقے" کو آپ نے اتنے بدصورت اور بھدے خط میں تحریر کیا ہے کہ پڑھنا مشکل ہو رہا ہے۔ پھر آپ نے اتنی جگہوں پر کاٹ کاٹ کر لکھا ہے کہ الفاظ ایک دوسرے پر چڑھ گئے۔ اگر آپ اس مضمون کو خوش خط اور کھلا کھلا لکھتے تو پڑھا بھی جاتا اور شائع بھی ہو جاتا۔"

پانچویں بچے نے ہاتھ کھڑا کر کے سوال کیا کہ،

"میری نظم "ہمارے قائدِ اعظم" آپ نے کیوں نہیں شائع کی؟"

ایڈیٹر صاحب بولے ۔

"بھئی آپ کا بھی وہی مسئلہ ہے ۔ آپ نے یہ نظم کسی کو نہیں دکھائی اور ہمیں بھیج دی اس نظم میں بالکل وزن نہیں ہے ۔ یعنی اس کو گایا جا سکتا ہے نہ گنگنایا جا سکتا ہے ۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہم نظم کے بجائے نثر پڑھ رہے ہوں ۔"

چھٹے بچے نے سوال کیا کہ :

"میرے لطیفے نے کیا قصور کیا ہے ؟"

ایڈیٹر صاحب نے اس بچے کا لطیفہ بھی نکالا اور سب بچوں کو سنایا ۔ کسی کو بھی ہنسی نہیں آئی ۔ انہوں نے کہا کہ ،

"آپ خود ہی دیکھ لیجئے کہ لطیفہ اتنا بور ہے کہ کوئی نہیں ہنستا ۔ ایسے لطیفے پڑھ کر ہمارا دل تو ہنسنے کے بجائے رونے کو چاہتا ہے ۔"

یہ سُن کر سارے بچے شرارت سے جھوٹ موٹ رونے لگے ۔ ایڈیٹر صاحب نے بچوں کو بمشکل چپ کرایا ۔

"میرا مضمون "خلائی سیارے" کیوں شائع نہیں ہوا ؟"

ایڈیٹر صاحب نے اُس بچے کا مضمون نکالا ۔ اور کہا کہ آپ لکھتے تو اچھا ہیں مگر آپ نے اتنے مشکل موضوع پر لکھنا شروع کیا کہ وہ آپ سے اچھا لکھا ہی نہیں گیا ۔ اس لئے آپ کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ صرف اُسی موضوع پر لکھا کریں جس پر آپ کو پوری معلومات ہوں ادھوری معلومات کی بنیاد پر لکھا ہوا مضمون فائدہ مند کے بجائے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے ۔ آپ نے سنا ہو گا کہ :

نیم حکیم خطرہ جان

لہذا صرف انہی موضوعات پر لکھا کریں جن پر آپ لکھ سکیں ۔ مشکل موضوعات کو ہاتھ نہ لگائیں ۔"

آٹھویں بچے نے پوچھا کہ :

"میرا مضمون "جانوروں کی باتیں" کیوں نہیں شائع ہوا ۔"

ایڈیٹر صاحب نے مضمون نکال کر دکھایا ۔ مضمون کیا تھا اچھا خاصا رجسٹر تھا ۔ کہنے لگے :

"بھئی ہم چاہتے ہیں کہ "آنکھ مچولی" میں زیادہ سے زیادہ چیزیں شائع ہوں. اگر ہم آپ کا مضمون شائع کرنے کو تیار ہو جائیں تو آٹھ دس "آنکھ مچولی" خرچ ہو جائیں گے. بھائی آپ مختصر لکھا کریں" نویں بچے نے کہا کہ

"جناب میری تو صرف تصویر تھی. وہ کیوں نہیں چھپی"

"ایڈیٹر صاحب نے تصویر نکالی اور کہا کہ:

"یہ تو آپ نے شناختی کارڈ میں سے نکال کر بھیج دی. اس پر اس طرح مہر لگی ہوئی ہے کہ آپ کی داڑھی بن گئی ہے. پھر بہت سے بچے دھندلی تصویریں بھیج دیتے ہیں وہ اگر ہم چھاپیں تو خود آپ اپنی تصویر نہیں پہچان سکیں گے. اکثر بچے اپنی فوٹو کے بجائے کارٹون کھنچوا کر بھیج دیتے ہیں یعنی ہوتے تو وہ فوٹو ہی ہیں مگر کسی کارٹون سے کم نہیں ہوتے.

لہٰذا آپ ہمیں اپنی تصویر بھیجتے وقت ذرا اچھی اچھی تصویریں بھجوایا کریں."

اس کے بعد کسی بچے نے سوال نہیں کیا. ایڈیٹر صاحب نے اعلان کیا کہ اب بچوں کو "آنکھ مچولی" کی طرف سے بسکٹ ٹافیاں اور سوئیٹس کھلائی جائیں گی اور جوس پلایا جائے گا. تاکہ ان کا غصہ دور ہو جائے. انہوں نے بچوں کو ایک بار پھر یاد دلایا کہ "آنکھ مچولی" کے لئے جو چیزیں بھیجیں وہ

- بالکل نئی ہوں.
- اپنی لکھی ہوئی ہوں. نقل کی ہوئی نہ ہوں.
- کسی بڑے کو دکھالی گئی ہوں.
- صاف خوشخط اور صفحے کے ایک طرف لکھی ہوئی ہوں. بھدّی تحریریں اور کٹی پھٹی نہ ہوں.
- سطروں کے درمیان اور حاشیہ پر اتنی جگہ چھوڑی گئی ہو کہ غلطیاں ٹھیک کی جاسکیں.
- مختصر ہوں. چالیس پچاس صفحات تک نہ پہنچ جائیں. زیادہ سے زیادہ فل اسکیپ کے چھ صفحے.
- صرف ان موضوعات پر لکھیں جو آپ کے لئے آسان ہوں.
- باری کا انتظار کریں اور فوراً چھپوانے پر اصرار نہ کریں.
- تصویریں دھندلی، گندی اور کارٹون ٹائپ کی نہ ہوں.

- لطیفے گھسے پٹے، پرانے اور گھٹیا نہ ہوں۔
- نظمیں وزن میں ہوں اور کسی بڑے کو ضرور دکھالی جائیں۔

پھر ایڈیٹر صاحب نے پوچھا کہ :
"کیا آنکھ مچولی" کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے آپ کو یہ باتیں منظور ہیں۔"
"منظور ہیں !" بچوں نے ایک ساتھ نعرہ لگایا اور پھر نعروں کی لائن لگ گئی۔

"اچھی تحریریں لائیں گے۔"
"آنکھ مچولی سجائیں گے۔
گھٹیا تحریریں بند کرو :"
"چوری کی چیزیں ہائے ہائے :"

"نقلچی ٹھاہ۔ نقلچی ٹھاہ !"
"ایڈیٹر صاحب۔ زندہ باد"
"گلی گلی میں نعرہ ہے"
آنکھ مچولی ہمارا ہے"۔

کیمسٹ کی پیدائش

عربوں میں سب سے بڑا کیمیا دان جابرؒ ہے جس کی پیدائش ۷۲۱ء اور وفات ۸۱۵ء میں ہوئی۔ وہ بہت بڑا عالم فاضل تھا اور اسے خلیفہ ہارون رشید کے دربار میں اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ اس نے علمِ کیمیا کے بارے میں تقریباً پانچ سو کتابیں لکھیں۔ اسے دنیا کا سب سے پہلا کیمسٹ بھی کہا جاتا ہے۔ اس نے سب سے پہلے سائنس لیبارٹری قائم کی اور مختلف کیمیائی آلات بنائے۔ فولاد سازی کے مختلف طریقے بیان کئے، چمک دار سیاہی بنائی اور لوہے کو زنگ سے محفوظ رکھنے کا وارنش اور کئی طرح کے تیزاب تیار کئے۔ اُسی نے سب سے پہلے اونٹ کا گوبر جلا کر امونیا گیس حاصل کی۔

CITIZEN
CITIZEN IS A REGISTERED TRADEMARK OF CITIZEN WATCH CO., JAPAN
QUARTZ WATCHES
Vast variety of ladies & gents watches
Excelsior Watch Co (Private) Ltd.
Shahzada Chambers, Zaibunnisa Street, Karachi: Phone : 511504
191-Panorama Centre, Shahrah-i-Quaid-e-Azam, Lahore.
Phone : 301042 - 301043

کراٹے
ایک دفاعی کھیل

تحریر: خالد خان (بلیک بیلٹ)

جوڈو اور کراٹے دو مختلف کھیل ہیں۔ بعض لوگ اسے ایک کھیل سمجھتے ہیں جوڈو شریفانہ طریقے کی لڑائی کہتے ہیں جوڈو کو شریفانہ طریقے کی لڑائی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دفاعی لڑائی ہے۔ جوڈو کشتی کی ایک ایسی قسم ہے جس میں مخالف کے لباس کو پکڑ کر اسے زمین پر گرانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس کھیل کے لئے اسفنج کے گولے کو استعمال کیا جاتا ہے۔

اور کراٹے اس کے برعکس خالی ہاتھوں سے لڑنے کا نام ہے۔ یہ کھیل ساری دنیا میں سب سے زیادہ مقبول بھی ہے۔ اس کھیل میں جسم کے کسی بھی حصّے سے مخالف پر حملہ کیا جاتا ہے کھیل کے دوران مخالف کو گرفت میں لینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ یہ کھیل لکڑی کے فرش پر کھیلا جاتا ہے۔ یہ دونوں کھیل مارشل آرٹ کہلاتے ہیں۔

یہ کھیل ان ممالک میں زیادہ عام ہیں جہاں بُدھ مت کے اثرات ہیں۔ گوتم بدھ کی تعلیمات میں دوسروں کو نقصان نہ پہنچانا پہلی بات ہے یا اس کو اس طرح سمجھ لیجئے کہ کسی انسان کو دوسرے انسان سے کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ لیکن جب بُدھ مت کے ماننے والوں پر ڈاکوؤں اور غنڈوں نے حملہ کرنا شروع کر دیا تو انہوں نے بغیر ہتھیاروں کے دفاع کی ضرورت محسوس کی۔ اور اس طرح کراٹے کا کھیل یا فن وجود میں آیا۔

آج کراٹے کا فن باقاعدہ تجارت بن گیا ہے اور جگہ جگہ کراٹے سکھانے کے تربیتی ادارے کھُل گئے ہیں۔ اس کھیل کا ایک خاص لباس ہوتا ہے جو نہایت ڈھیلا ڈھالا ہوتا ہے۔ اس لباس کو "گی GEE" کہا جاتا ہے اور جس جگہ یہ کھیل سکھایا جاتا ہے اس کو "ڈوجو DOJO" کہتے ہیں۔

کراٹے کے کئی اسٹائل ہوتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں صرف تین رائج ہیں۔ پہلے نمبر پر بانڈو کراٹے، دوسرے نمبر پر شوتوکان اور تیسرے پر گوجورلیو۔ بانڈو کراٹے برما سے تعلق رکھتا ہے۔ بقیہ دونوں اسٹائل جاپانی ہیں۔ پاکستان

کے ماحول اور لوگوں کے قدوقامت کے لحاظ سے یہاں بانڈو کراٹے زیادہ عام ہے۔

بانڈو کراٹے برمی باشندوں کی ایجاد ہے اور برمی باشندے جسمانی ساخت کے لحاظ سے پاک وہند کے باشندوں سے کافی مماثلت رکھتے ہیں۔ اس لئے اس اسٹائل کی پریکٹس کرنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا ہمارے لئے آسان ہے۔ بانڈو کراٹے دنیا کا واحد اسٹائل ہے جس میں جسم کے تمام حصوں پر ضرب لگائی جا سکتی ہے اور اس کے ساتھ ہی تمام کو حصوں ضرب لگانے کے کام میں بھی لایا جا سکتا ہے۔

بانڈو کراٹے میں ڈسپلن پر جتنی توجہ دی جاتی ہے۔ دنیا کا کوئی اور اسٹائل اس کی پرواہ نہیں کرتا۔

اس اسٹائل میں نہ صرف یہ کہ ضرب لگانا بلکہ کسی حملے کے سہنے کی طاقت کو بھی پیدا کیا جاتا ہے۔ اور اس کے لئے یوگا کی مشقیں بھی کرائی جاتی ہیں۔ بانڈو کراٹے میں بریکنگ پر خاص توجہ دی جاتی ہے۔ اس اسٹائل کی سب سے منفرد خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حملہ کرتے وقت ضرب اپنی پوری قوت سے لگائی جاتی ہے۔ جب کہ دنیا کے اور تمام اسٹائلز اس بات کی اجازت نہیں دیتے جس سے انسان میں خود اعتمادی اور فیصلہ کرنے کی طاقت پیدا نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کے اثرات زندگی پر بہت کم پڑتے ہیں۔

کراٹے کی خوبی یہ ہے کہ اس پر مکمل عبور حاصل کرنے کے لئے ایسی ورزشیں کرنی پڑتی ہیں۔ جن سے جسم کا ہر حصہ چاق وچوبند ہو جائے اور بوقت ضرورت اپنے حریف پر بھرپور وار کرنے کے لئے استعمال کیا جا سکے جب کہ

دوسرے تمام کھیلوں میں جسم کے کچھ خاص حصّوں کو طاقتور بنانے پر توجہ دی جاتی ہے۔

کراٹے کا کھیل نہ صرف جسمانی بلکہ انسان میں چھپی ہوئی اس طاقت کو بھی ابھارتا ہے جس سے عام لوگ ناواقف ہیں اس کے پیدا ہونے سے ایک کمزور نظر آنے والا شخص بھی طاقتور شخص پر حاوی ہوجاتا ہے۔ اس کھیل میں انتہائی کم عرصے میں کھلاڑیوں کو تیکنکس کا چناؤ کرنا پڑتا ہے اور اس طرح جسمانی اعضاء کے استعمال کے ساتھ ساتھ دماغی طور پر بھی کھلاڑی کی نشوونما ہوتی ہے۔ اور ان تیکنکس کا زیادہ فائدہ ذاتی دفاع کے وقت ہوتا ہے۔

اس طرح کراٹے نہ صرف ایک کھیل کی حدتک ہی خوبیاں پیدا کرتا ہے بلکہ کھلاڑی میں خوداعتمادی۔ ذاتی دفاع، اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی اجاگر ہوتی ہے۔ کراٹے کا کھلاڑی بلیک بیلٹ (جو کراٹے سیکھنے کی آخری منزل ہوتی ہے) لیتے وقت ایک عہد کرتا ہے کہ وہ اس فن کا غیر ضروری استعمال نہیں کرے گا۔ اور وہ اس فن کا استعمال عام لوگوں پر نہیں کرے گا اگر کوئی شخص اس عہد کو توڑتا ہے تو کراٹے کی کمیٹی اُس سے اُس کی بیلٹ واپس لے لیتی ہے۔

پاکستان میں کراٹے کی ترویج میں اشرف طائی کے کراٹے سینٹر کا بہت بڑا کردار ہے۔ اشرف طائی بانڈو کراٹے اسٹائل کے ماہر پاکستان میں نہ صرف لڑکے بلکہ لڑکیاں بھی کراٹے میں دلچسپی لے رہی ہیں اور کراٹے کے کھلاڑیوں کا کہنا ہے کہ کراٹے انسانیت، برداشت احترام اور انصاف کا دوسرا نام ہے۔

علم خدا تک پہنچنے کا زینہ ہے۔ اس سے تعلق جوڑنا ایسا ہے جیسے تاریکی میں روشنی پیدا کرنا،

علم سے بڑا کوئی دوست نہیں۔

علم لازوال دولت اور انسانیت کی معراج ہے۔

علم ایسا نور ہے جس سے سب فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن اسے حاصل کرنے کے لئے پروانوں کی طرح جلنا پڑتا ہے۔

علم ایسا پھول ہے جو کبھی مُرجھاتا نہیں اور ہمیشہ خوشبو دیتا ہے۔

علم کا کوئی کنارہ نہیں۔ آسمان اور زمین کی وسعتیں اس میں ڈوب جاتی ہیں۔

علم ایسا کنواں ہے جس کا پانی جتنا پیو اتنا ہی بڑھ جاتا ہے۔

علم ایسی روشنی ہے جو کہ روح کو منوّر کر دیتی ہے۔

ٹویوناصک کا مشورہ!

برتن خریدنے سے پہلے ڈاکٹر سے پوچھئے

ڈاکٹر آپ کو پلاسٹک سے بنے ہوئے برتن خریدنے سے منع کرے گا۔
اُس کا مشورہ دھات سے بنے ہوئے برتنوں کے استعمال
کے بھی خلاف ہوگا اور شاید مٹی کے برتن آپ کو پسند نہ ہوں
یقیناً ڈاکٹر کا مشورہ شیشے کے برتنوں کے حق میں ہوگا اور

ٹویوناصک

کی مصنوعات سو فیصد آپ کے معیار پر پوری اتریں گی۔

صحت اور خوبصورتی ساتھ ساتھ

ٹویو ناصک گلاس ویئر

NASIC

ناصر صدیق کارپوریشن (پاکستان) لمیٹڈ

92 - مین گلبرگ۔ لاہور فون: 883387 کراچی فون: 444226

محمود غزنوی

حق کی تلاش

شام ہو چلی تھی، سورج مغرب کی سمت ڈوب رہا تھا. دھوپ ٹھنڈی اور زرد ہو چکی تھی گرجے کے چاروں طرف چہل پہل بڑھ گئی تھی لوگ گرجا گھر کی جانب آ رہے تھے کچھ لوگ گرجا گھر میں عبادت کر رہے تھے. کوئی ہاتھ جوڑے کھڑا تھا کوئی کچھ مانگ رہا تھا. کس سے مانگ رہے تھے اور کس کی عبادت کر رہے تھے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی. گرجا گھر کے بڑے دروازے سے ایک نوعمر لڑکا کھڑا یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا اس لڑکے کا نام "مایہ" تھا مایہ گرجا گھر کا سارا منظر بڑی حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا. عبادت ختم ہو گئی تو لوگوں نے گرجے سے باہر آنا شروع کر دیا. مایہ سب کچھ حیرت سے دیکھتا رہا آخر کار اس کے قریب سے ایک بوڑھے شخص کا گزر ہوا. "مایہ" نے بڑے ادب سے اس بزرگ سے عیسائی مذہب کے بارے میں پوچھا کیونکہ اسے عبادت کا یہ طریقہ بہت پسند آیا تھا بوڑھے شخص نے لڑکے کی دلچسپی دیکھی تو بڑی شفقت کے ساتھ "مایہ" کو مشورہ دیا کہ وہ ملک شام چلا جائے وہاں ہمارا سب سے بڑا پیشوا (پادری) رہتا ہے وہ اس کی صحیح تربیت کرے گا.

ہر شخص کا کوئی نہ کوئی مذہب ضرور ہوتا ہے. "مایہ" کے والدین آتش پرست تھے یعنی آگ کی پوجا کرتے تھے. "مایہ" خود بھی آتش کدے کا نگراں تھا لیکن اسے آگ کی پوجا کرنا بالکل پسند نہیں تھا چنانچہ وہ بوڑھے عیسائی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اپنے والدین اور گھر بار کو چھوڑ کر ایران سے ملک شام روانہ ہو گیا. شام جا کر بڑے پادری سے ملاقات کی. پادری کی خدمت کرنا شروع کر دی اور عیسائی مذہب اختیار کر لیا. کافی عرصہ گزر گیا مایہ عیسائیوں کے ساتھ گرجا گھر میں عبادت کرتا اور پادری کی خدمت گزاری میں وقت گزارتا رہا. ایک دن پادری نے مایہ کو بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر بڑی شفقت سے سمجھاتے ہوئے کہا "بیٹے

میری عمر بہت زیادہ ہوگئی ہے میں بہت بوڑھا ہوچکا ہوں عنقریب میں اس دنیا سے رخصت ہوجاؤں گا. مجھے ایسا کوئی بھی نیک اور سچا شخص نظر نہیں آتا جو تمہاری صحیح رہنمائی کرسکے۔ سنو تم ایسا کرنا کہ میرے انتقال کے بعد عرب چلے جانا وہاں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے یہ نبی بڑی عظمت اور بزرگی والا ہوگا. جو حضرت ابراہیمؑ کے دین کو دوبارہ زندہ کردے گا. تم ضرور اس سچے نبی سے ملاقات کرنا وہ تمہاری صحیح رہنمائی کرے گا.

پادری کا کچھ عرصہ بعد انتقال ہوگیا تو مایہ نے عرب کی طرف سفر شروع کردیا کیونکہ اس کے دل میں سچائی کو تلاش کرنے کی جستجو تھی اسی مقصد کے لئے اس نے اپنے آتش پرست والدین اور گھر بار کو چھوڑ دیا تھا چنانچہ مایہ تاجروں کے ایک قافلے میں شامل ہوکر عرب کی طرف روانہ ہوا. راستے میں تاجروں کی نیت خراب ہوگئی. انہوں نے مایہ کو اپنا غلام بنا کر فروخت کردیا ایک یہودی نے مایہ کو اچھے دام دے کر خرید لیا اور مایہ کو مدینے لے آیا. یہ وہ زمانہ تھا جب اللہ کے آخری رسولؐ مکہ میں اللہ کا پیغام پھیلانے کے بعد ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تھے "مایہ" نے سنا کہ اللہ کے رسولؐ مدینہ میں موجود ہیں تو پادری کی نصیحت کے مطابق جاکر آپؐ سے ملاقات کی اور اسلام قبول کرلیا. حضور اکرمؐ نے "مایہ" کو یہودی آقا سے خرید کر آزاد کردیا اس زرخرید غلام کا نام "سلمان فارسیؓ" رکھا.

حق کی جستجو رکھنے والے سلمان فارسیؓ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا مرتبہ عطا کیا تھا جو اللہ کے آخری رسولؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "سلمان فارسی" ہمارے اہل بیت میں سے ہیں" اس مرتبے کو دیکھتے ہوئے تمام صحابہ کرامؓ حضرت سلمان فارسی کی بے پناہ عزت و تکریم کرتے تھے. جنگ خندق کا موقعہ آیا. بڑی زبردست جنگ تھی کفار کی بہت بڑی فوج مسلمانوں کے مدمقابل آگئی تھی مدینے پر براہ راست حملہ ہوا تھا حضور اکرمؐ نے اصحاب کرام کو جمع کرکے مشورہ لیا کہ اس جنگ میں کیا تدابیر اختیار کی جائیں. حضرت سلمان فارسی نے مشورہ دیا کہ دشمنوں سے محفوظ رہنے کے لئے خندق کھودلی جائے. آنحضرت نے اس مشورے کو پسند فرمایا. تمام اصحاب نے مل کر خندق کھدوائی خود ہمارے پیارے نبیؐ نے اس خندق کی کھدائی میں شرکت کی. یہ اسلامی جنگوں میں پہلی خندق تھی جو حضرت سلمانؓ کے مشورے سے حفاظت کے لئے بنائی گئی تھی۔ دشمن اس حفاظتی تدبیر سے بہت پریشان ہو گئے اور مسلسل کئی دن تک مدینہ کا محاصرہ کئے رہے لیکن کوئی صورت کارگر نہ ہوسکی اور اس حفاظتی صورت حال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے

طوفانی ہواؤں نے دشمن کو پسپا کر دیا۔اسی نسبت سے اس جنگ کا نام "غزوۂ خندق" رکھا گیا حضرت عمرؓ فاروق کے دورِ خلافت میں حضرت سلمان فارسیؓ کو مدائن کا گورنر مقرر کر دیا گیا تھا مگر ان کی سادگی میں قطعی فرق نہیں آیا۔ایک معمولی سی جھونپڑی میں رہتے تھے تکیے کی جگہ پکی اینٹیں سر کے نیچے رکھتے تھے۔ایک مرتبہ اپنے شاگرد کے ہمراہ دریائے دجلہ جانے کا اتفاق ہوا۔آپ نے شاگرد سے کہا گھوڑے کو پانی پلا لاؤ۔شاگرد نے دریا کے کنارے جا کر گھوڑے کو پانی پلا دیا۔آپ نے شاگرد سے پوچھا گھوڑے کے پانی پینے سے دریا کے پانی میں کمی آئی؟ شاگرد نے ادب سے جواب دیا ہرگز نہیں۔آپ نے شاگرد کو نصیحت کی کہ علم کی مثال بھی ایسی ہی ہے۔اسے جتنا بھی خرچ کرو اس میں کمی نہیں آتی۔علم واحد دولت ہے جو کبھی ضائع نہیں ہوتی۔اسے کوئی چرا نہیں سکتا۔یہ گم نہیں ہو سکتی بلکہ اسے جتنا خرچ کرو اتنی ہی بڑھتی ہے۔امیرالمومنین حضرت علیؓ کا قول ہے۔دولت کی انسان کو حفاظت کرنا پڑتی ہے جب کہ علم انسان کی حفاظت کرتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
مجھے میرے رب نے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔
(۱) کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈروں۔
(۲) کسی پر مہربان ہوں یا کسی کے خلاف غصہ میں، دونوں حالتوں میں انصاف ہی کی بات کہوں۔
(۳) چاہے امیر ہوں یا غریب، راستی واعتدال پر قائم رہوں۔
(۴) جو مجھ سے کٹے میں اُس سے جڑوں۔
(۵) جو مجھے محروم کرے میں اُسے دوں۔
(۶) جو مجھ پر زیادتی کرے، میں اُسے معاف کر دوں۔
(۷) میری خاموشی غور و فکر کی خاموشی ہو،
(۸) میری نگاہ عبرت کی نگاہ ہو،
(۹) میری گفتگو ذکرِ الٰہی کی گفتگو ہو — اور نیکی کا حکم دوں اور بدی سے روکوں،

فاطمہ ثریّا بجیا

حارُو، شارُو اور مانی

"پہلی قسط"

بچو! کہانیاں تو ساری کی ساری مزیدار اور دلچسپ ہوتی ہیں..... صبح اٹھے مدرسے گئے.. خوب جی لگا کر پڑھائی کی .... ورزش کی گھر آئے کھانا کھایا.... تھوڑی دیر لوٹے پوٹے پھر ہوم ورک کرنے بیٹھ گئے. اب رات تک فرصت ہی فرصت مگر سونے سے پہلے تھوڑا بہت ادب کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے ادب پڑھنے سے سوچنے کی طاقت بڑھتی ہے. ادب سے شائستگی طبیعت کا حصہ بن جاتی ہے پھر علم بڑھتا ہے لکھنے اور بولنے کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے. اچھی کہانیاں بھی ادب ہی ہوتی ہیں. مزے مزے کی کہانی بھی پڑھ رہے ہیں. کہانی کے بُرے کرداروں پر غصہ بھی آرہا ہے اچھوں سے محبت بھی ہو رہی ہے. کبھی ڈر رہے ہیں کبھی سوچ رہے ہیں کہ اب کیا ہوگا؛ جی چاہ رہا ہے کہ جلدی سے انجام پڑھ ڈالیں. مگر پھر رک جاتے ہیں نہیں بھئی بغیر پوری کہانی پڑھے انجام پڑھ لیا تو مزا کیا خاک آئے گا. اچھا یہ تو ہو گئیں کچھ باتیں ادب اور کہانی کے بارے میں جو کہانی آپ پڑھ رہے ہیں وہ ایک ایسی پیاری لڑکی کی کہانی ہے جو سوچتی تھی سمجھتی تھی اور چھوٹی سی عمر میں بہت ہمت والی تھی. اس پیاری سی لڑکی کا نام تھا مانی ....

کہتے ہیں شام کے ملک میں جسے ہم آج سیریا بھی کہتے ہیں ایک بہت دولتمند بزرگ آدمی رہتے تھے ان کا نام سالم..... سالم کے دو بیٹے تھے .... ایک کا نام تھا حارث اسے ابا جان حارد پکارتے تھے دوسرے کا نام شارق جسے ابا جان سالم شارو کہہ کے بلاتے تھے شام کے لوگ سالم کی بہت عزت کرتے تھے ...... بلکہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ بوڑھا سالم دراصل پرانے بادشاہوں کا کوئی اہم آدمی ہے جواب کسی سلطنت کا اہم آدمی نہیں رہا ہے۔ لیکن اس کا مزاج اس کی عادتیں سب بہت اچھے بادشاہوں یا امیروں جیسی ہیں۔ ہر ایک سے بہت خلوص سے ملتا ہے کبھی بڑی بڑی شیخی کی باتیں نہیں کرتا ...... غریبوں کا خیال رکھتا ہے۔ کوئی مہمان چلا جائے تو بہت خوش ہو کر مہمان کی خاطریں کرتا ہے اور چھوٹے موٹے تحفے بھی دیتا ہے۔ مگر بچو سالم شہر سے دور ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا مکان بھی بہت بڑا نہیں تھا۔ عام آدمیوں کی طرح ساری زندگی گزارتا تھا۔ مائی سالم کی بیٹی نہیں تھی ..... لیکن سالم نے مائی کو اپنی بیٹی کی طرح پالا بھی تھا اور پیار بھی بہت کرتا تھا۔ اور پیار کیوں نہ کرتا۔ مائی بہت اچھی لڑکی تھی۔ صورت شکل تو تھی ہی شہزادیوں جیسی ....

گلاب جیسا رنگ، روشن بڑی آنکھیں بہت لمبے خوبصورت بال...... ہنستی تھی تو دیکھنے والے بھی خود بخود ہنس پڑتے تھے۔ مانی کو روتے یا غصہ کرتے تو کبھی کسی نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ مانی سالم کی بیٹی نہیں تھی تو پھر کون تھی یہ ہم آپ کو بعد میں بتائیں گے؟۔ سالم بوڑھا ہو گیا تھا بیمار رہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حارو اور شارو دونوں بڑے ہو چکے تھے اس کا کام سنبھال لیں کچھ باغات تھے جن میں بڑے اچھے اچھے پھلوں کے درخت تھے کچھ کھیتیاں تھیں جہاں اناج کی فصلیں ہوتی تھیں کچھ چراگاہیں تھیں جہاں مویشی اور بہترین گھوڑے پرورش پاتے تھے۔ پھلوں کے باغات کو سنبھالنا فصلیں اگانا ان کی نگرانی کرنا اور مویشیوں کو سنبھالنا گھوڑوں کی پرورش اور تجارت کو سنبھالنا بوڑھے سالم کے بس کی بات نہیں رہی تھی وہ چاہتا تھا حارو اور شارو یہ کام سنبھال لیں لیکن حارو اور شارو دونوں ہی بہت لاپروا، بہت کاہل اور لالچی بھی تھے دونوں جوان تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کا باپ بہت دولتمند آدمی ہے۔ باپ کی دولت کا غرور بھی بہت تھا۔ سالم بیچارا حیران ہوتا تھا کہ اس نے تو اپنے بیٹوں کو بہت اچھا بنانے کی کوشش کی تھی مگر یہ ہوا کیا دونوں میں سے ایک بھی اچھا انسان نہیں بن سکا۔ ملازموں نوکروں کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آنا۔ بڑوں کا ادب نہ کرنا۔ پڑھنے لکھنے سے بیزاری.......

بس دونوں سارا وقت یا تو چراگاہوں میں گھوڑے دوڑاتے رہتے تھے۔ نشانہ بازی کرتے تھے۔ راہ چلتے لوگوں اور اپنے باپ کے ملازموں کو ڈراتے تھے جب حارو شارو چراگاہ میں پہنچ جاتے تو سالم کے سارے ملازم سہم جاتے تھے۔ کبھی گھوڑے دوڑا کر ملازموں کو کچلنے کی کوشش کرتے کبھی بندوق اور تلوار چلا کر انہیں ڈراتے اور جب لوگ ڈر جاتے تو قہقہے لگاتے بھاگتے چلے جاتے....... ملازموں نے کئی بار سالم سے حارو اور شارو کی شکایتیں بھی کیں۔ سالم نے سمجھایا ڈرایا دھمکایا یہاں تک کہ ایک بار گھر سے نکال دیا...... مگر حارو اور شارو اس سزا پر کوئی اچھا اثر اس لئے نہیں ہوا کہ وہ اپنے بُرے دوستوں کے گھر چلے گئے جن سے حارو شارو کی بہت دوستی تھی۔ بُرے دوستوں نے حارو اور شارو کی بڑی آؤ بھگت کی ان لالچی دوستوں کو یہ معلوم تھا کہ حارو اور شارو کا باپ بہت پیسے والا آدمی ہے جب مر جائے گا تو ساری دولت حارو اور شارو ہی کو

ملے گی اور اس وقت ہم حارد اور شارو کو بے وقوف بنا کر خوب عیش کریں گے۔ بلکہ یہ سوچ کر سارے دوست قہقہے لگا لگا کر ہنستے تھے کہ حارو اور شارو کو بے وقوف بنانے کی ضرورت کیا ہے۔ وہ تو ہیں ہی بے وقوف ...... پھر ان چالاک دوستوں نے حارو شارو کو ترکیب بتائی یا پٹی پڑھائی کہ اپنے دولتمند باپ سے جھگڑا نہ کرو اگر اس نے اپنی ساری دولت مانی کو یا غریبوں کو دے دی تو تم دونوں فقیر ہو جاؤ گے اس لیۓ بہتر یہی ہے کہ اپنے ابا سے معافی مانگ لو۔ حارو شارو یقیناً بے وقوف تھے دولت کے لالچ میں سالم سے معافی مانگی اور پھر آکر گھر میں رہنے لگے۔ مانی سے دونوں بھائی نفرت کرتے تھے۔ مانی رات دن بوڑھے سالم کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ چراگاہوں باغوں اور اناج کی فصلوں کا حساب رکھتی تھی ...... پورا گھر سنبھالتی تھی۔ سالم اسے اتنا چاہتا تھا کہ ایک لمحے کے لیۓ بھی اپنی آنکھوں سے دور نہیں رکھتا تھا۔ مانی ایسی اچھی لڑکی تھی غریبوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی سے پیش آتی تھی۔ اگر سالم کا کوئی ملازم یا ملازم کا گھر والا بیمار ہو جاتا مانی اس کی تیمار داری کرتی تھی۔ علاج کرواتی تھی۔ سارا گاؤں مانی سے محبت کرتا تھا لوگ تو یہ تک کہتے تھے کہ مانی کو سالم کی بیٹی یا اس کی جائیداد کا وارث ہونا چاہیئے۔ سالم کے دونوں بیٹے تو مانی کے نوکر بننے کے لائق بھی نہیں ہیں یہی وجہ تھی کہ حارو اور شارو مانی سے جلتے تھے۔ اگر ان کا بس چلتا تو وہ دونوں مانی کو اٹھا کر ایسے جنگل میں چھوڑ دیتے جہاں درندے مانی کو پھاڑ کھاتے مگر سالم اور سالم کے سارے ملازم مانی کی پوری طرح حفاظت کرتے تھے یہ تو تھیں کچھ ایسی باتیں جو کہانی کو سمجھنے کے لیۓ بتانا ضروری تھیں اب بھی شروع ہو رہی ہے اصلی کہانی .... سالم بوڑھا تو تھا ہی ایک بار بہت بیمار ہو گیا اسے اپنے بچنے کی کوئی امید نہیں رہی تھی۔ جیسے جیسے بیماری بڑھتی جاتی تھی۔ سالم پریشان ہوتا جاتا تھا اسے مانی کی فکر تھی اسے معلوم تھا کہ اس کی موت کے بعد حارو اور شارو مانی کو بہت پریشان کریں گے ہو سکتا ہے وہ مانی کی جان لے لیں ...... حارو شارو اور ان کے خراب دوست بہت خوش ہو رہے تھے کہ اب تو سالم ضرور مر جائے گا اور پھر وہ جو چاہیں گے کریں گے لیکن اس بیماری کے دنوں میں سالم خاموش رہنے لگا تھا گھر کے اندر ایک تہ خانہ تھا جس میں حارو شارو کا خیال تھا کہ باپ کی ساری دولت چھپی ہوئی ہے۔ کیونکہ بارہ تگڑے تگڑے وفادار چوکیدار اس

تہ خانے کی حفاظت کرتے تھے۔ سالم کبھی کبھار اکیلا اس تہ خانے میں جاتا تھا اور کچھ دیر رہ کر واپس آجاتا تھا لیکن اس بیماری کے زمانے میں وہ ہر روز تہ خانے میں جاتا تھا اور کبھی کبھی تو پوری رات گزار کر باہر آتا تھا۔ اب وہ اکیلا ہی نہیں جاتا تھا مائی اس کے ساتھ ہوتی تھی مگر حارو اور شارو کو اس بات کا پتہ نہیں تھا جہاں رات ہوئی حارو شارو اپنے دوستوں میں چلے جاتے تھے اور رات گئے تک گپیں مارتے شیخ چلی جیسی منصوبہ بندی کرتے اور جب گھر واپس آتے تو گھر کا سناٹا دیکھ کر سمجھتے کہ سالم اور مائی دونوں سو گئے ہیں۔ یہ دونوں بھی سو جاتے ایک دن بہت سویرے جب سالم کے خوبصورت باغ میں چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ پھولوں کی خوشبو سے سارا باغ مہکا ہوا تھا۔ سالم نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلوایا.....

حارو شارو صبح اٹھنا تو جانتے ہی نہیں تھے بڑی مشکل سے نوکروں نے اٹھایا۔ دونوں باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ادب سے اسی طرح سر جھکا کر کھڑے ہو گئے جیسے ان دونوں سے زیادہ باادب اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ سالم نے بیٹوں سے کہا۔

یہ تم دونوں جانتے ہی ہو کہ میں اس سال بہت بیمار ہو گیا ہوں۔

جی باباجان خدا آپ کو صحت دے۔

دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔ سالم نے پھر کہا۔

تمہارے خیال میں مجھے دوبارہ صحت واپس مل سکتی ہے۔؟

حارو شارو ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے...... وہ دل سے چاہ رہے تھے کہ ان کا باپ مر جائے۔ ابھی کچھ جواب دینے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ سالم نے کہا......

مجھے صحت واپس مل سکتی ہے میری بیماری دور ہو سکتی ہے۔

یہ سن کر حارو شارو کے ماتھے پر گھبراہٹ سے پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں سوچنے لگے ہم تو سمجھ رہے تھے باباجان اب بچ ہی نہیں سکتے اور یہ تو زندہ رہنے کی سوچ رہے ہیں۔ سالم نے پھر خود ہی اپنا فیصلہ سنا دیا بیٹوں کے جواب کا کوئی انتظار نہیں کیا۔ سالم بولا

یہاں سے بہت دور تقریباً پچیس ہزار میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سیاہ پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے جو دریائے زرد کے کنارے کنارے اونچا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں ابھی تک کوئی ایسی آبادی نہیں ہے جہاں انسان بستے ہوں یہ جنوں پریوں دیوؤں

اور بھوتوں کی دنیا ہے سیاہ پہاڑوں کے اندر ایک ایسی خوبصورت وادی ہے جس کی مثال انسانوں کی دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اس وادی میں سیب انار انگور ناشپاتی جو بھی پھل پیدا ہوتا ہے وہ جواہرات کی طرح جگمگاتا اور رنگین ہوتا ہے۔ ان پھلوں کا مزا دنیا کے تمام پھلوں سے اچھا ہوتا ہے۔ یہاں کے درختوں کی شاخیں زمرد اور چاندی سونے کی طرح چمکتی ہیں۔ اس وادی کی مٹی سنگِ مرمر اور موتیوں کی طرح سفید ہے۔ یہاں کے پھولوں کی خوشبو سونگھ کر لوگ بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ پرندے اس طرح چہچہاتے ہیں جیسے گیت گا رہے ہوں یہاں بہت سارے چشمے ہیں ان ہزاروں چشموں میں ایک چشمہ ایسا بھی ہے جو ایک بلور یا کرسٹل جیسی چمکتی ہوئی پہاڑی چٹانوں سے نکلتا ہے اور سال میں ایک بار موسم بہار کے پہلے دن علی الصبح سورج کے طلوع سے پہلے اس کا پانی گرنا شروع ہوتا ہے اور سورج کی پہلی کرن کے چمکتے ہی بند ہو جاتا ہے۔ اس پانی کو اگر مجھ جیسا بوڑھا اور بیمار انسان پی لے تو عمر کم از کم سوا سو برس کی ہو جاتی ہے مجھے پتہ ہے کہ تم دونوں میرے بیٹے مجھے بہت چاہتے ہو اور یہ بھی چاہتے ہو کہ میں زندہ رہوں۔

یہ سن کر تو حارو اور شارو دونوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں مارے گھبراہٹ کے ہکلاتے ہوئے بولے۔

بابا جان وہاں پہنچنا تو بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے

سالم مسکرایا اور بولا۔

ناممکن ہی کو تو ممکن بنانا ہے۔ اگر تمہیں مجھ سے محبت ہے تو یہ کام ضرور کرو اور تم میں سے جو بھی یہ کام کرے گا اسے میں یہ انگوٹھی دوں گا......

یہ کہتے کہتے سالم نے مخمل کی ایک خوبصورت ڈبیا کے اندر سے جواہرات سے جگمگاتی ایک انگوٹھی نکالی اور دکھاتے ہوئے بولا۔

یہ انگوٹھی اس بیٹے کا انعام ہو گی جو میرے لئے چشمۂ شفا کا پانی لائے گا یہ انگوٹھی شام کے قدیم بادشاہوں کی امانت ہے جس کے پاس یہ انگوٹھی ہو گی۔

وہ عرب کے سب سے خوبصورت حصے یعنی ملک شام کا بادشاہ بن جائے گا۔ حارو شارو تو انگوٹھی دیکھ کر ہی بیتاب ہو چکے تھے اب جو بادشاہت کی بات سنی تو

جھگڑنے لگے حارو بولا۔

میں آپ کا بڑا ہی بیٹا ہوں مجھے ہی بادشاہ بننا چاہیے میں آپ کے لئے چشمہ۔ شفا کا پانی لاؤں گا۔

شارو نے بات کاٹ دی بولا۔

بکواس۔ حارو بھائی سخت لالچی ہیں یہ آپ کو کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے میں پانی لاؤنگا اور میں بادشاہ ہوں گا حارو نے شارو کی گردن دبا دی اور بولا۔

زیادہ بکواس کی تو ابھی تمہیں جان سے مار دونگا بڑے بیٹے کے ہوتے ہوئے تم کون ہوتے ہو بادشاہ بننے والے۔

سالم نے بڑی مشکل سے دونوں کو چھڑایا وہ دونوں تو پہلوانوں کی طرح زمین پر لوٹنے اور ایک دوسرے کو مارنے لگے تھے۔ مانی خاموش تھی اسے افسوس ہو رہا تھا سوچ رہی تھی کہ سالم جیسے اچھے بزرگ کو اللہ میاں نے اتنے خراب بیٹے کیوں دیئے ہیں جو کبھی سالم کی بات نہیں مانتے۔ سالم جیسی کوئی اچھائی ان دونوں میں نہیں ہے۔ کتنا اچھا ہو کہ حارو اور شارو بھی اچھے انسان بننے کی کوشش کریں۔

سالم نے پھر ایک بار دونوں کو سمجھایا اور بڑے پیار سے شارو سے بولا

شارو حارو کو جانے دو اتنے دنوں تم میری خدمت کرنا۔ میرا جو بیٹا میری خدمت کرے گا۔ اس کے لئے میری ساری دولت ساری جاگیر ہو گی اس کے علاوہ جو کچھ میرے گھر کے تہ خانے میں موجود ہے وہ ساری دنیا کی دولت کے آدھے کے برابر ہے۔ تم دل لگا کر ایک اچھے بیٹے کی طرح میری خدمت کرو۔ مانی کو اپنی بہن سمجھ کر بہن کی محبت کا حق ادا کرتے رہو۔ تم بھی بادشاہوں سے کم نہیں ہو گے۔ بلکہ بہت بڑے بڑے بادشاہ ایسے امیروں کو اسی لئے دوست بناتے ہیں کہ وہ ایسے امیروں کو اپنا وزیر اور مشیر بنا کر فخر کرتے ہیں۔ تمہارا بھائی اگر کامیاب ہو بھی گیا تب بھی تم خود ایک بہت اہم آدمی بن سکتے ہو۔

باپ کا فیصلہ سن کر حارو اور شارو جھگڑنے سے تو باز آ گئے لیکن ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی پریشانی میں لگ گئے۔ شارو کو یقین تھا کہ حارو یا تو چشمہ۔ شفا کی تلاش میں مر جائے گا اور اگر زندہ واپس آ گیا تو اس کی واپسی سے پہلے باپ سے بادشاہت کی انگوٹھی چھین کر خود

بادشاہ بن جائے گا۔ حارد سوچ رہا تھا کہ وہ چشمہ شفا تک پہنچنے کی کوشش کرے گا لیکن اگر نہ پہنچ سکا تو واپس آئے گا اور باپ بھائی دونوں کو مار کر ہر چیز کا مالک خود بن جائے گا۔ حارد خیالی پلاؤ پکاتا گھر سے باہر جانے ہی والا تھا کہ سالم نے اسے پھر ایک بار آواز دے کر پاس بلایا اور کہا۔

میرے اچھے بیٹے سفر کے لئے یہ نقشہ اور اشرفیاں پاس رکھ لو اس نقشے کی مدد سے تم دریائے زرد تک پہنچ سکتے ہو دریائے زرد کے پاس پہنچ کر ایک رات آرام ضرور کرنا اور اگر کسی کو تمہاری مدد کی ضرورت ہو تو ضرور مدد کر دینا چاہے تمہیں اپنی اشرفیاں ہی کیوں نہ دینا پڑی۔ حارد نے بڑی تیزی کے ساتھ باپ کے ہاتھ سے ایک پرانا نقشہ لیا اور اشرفیاں لیکر چلا گیا۔ اپنے دو چار خراب دوستوں کو ساتھ لیا اور اشرفیوں کی تھیلیاں اٹھا کر گھوڑوں پر سوار ہو کر سب کے سب دریائے زرد کی جانب چل پڑے۔ جگہ جگہ رکتے رُکاتے عیش کرتے بڑھتے چلے گئے پیسہ پاس تھا دوست احباب ساتھ تھے بڑا اچھا وقت بڑے آرام کے ساتھ گزر گیا۔ جس شہر سے گزرتے جب وہاں کے بادشاہ یا حاکم کو پتہ چلتا کہ حارد سالم کا بیٹا ہے تو لوگ بڑی عزت کرتے مہمان ٹھہراتے اور بڑی عزت کے ساتھ رخصت کر دیتے تھے جب تمام ایسے شہر اور ایسے گاؤں گزر گئے جہاں انسان آباد تھے تو یہ قافلہ ایسی جگہ پہنچا جہاں جدھر دیکھو جنگل ہی جنگل تھا۔ یہاں پہنچ کر حارد کے دوست ہمت ہار گئے اشرفیاں بھی تھوڑی سی رہ گئی تھیں۔ نقشہ کے مطابق دریائے زرد اس جنگل کے پار ہی بہہ رہا تھا۔ حارد بہت خوش تھا۔ اس کا خیال تھا کہ باقی سفر بھی اتنے ہی آرام سے گزر جائے گا جیسے گزرتا رہا ہے لیکن حارد کے خراب دوستوں کی نیت خراب ہو چکی تھی۔ ان سب نے آپس میں سازش کی۔ اور یہ فیصلہ کر لیا کہ ہم تو اس گھنے اندھیرے اور خوفناک جنگل میں حارد کے ساتھ کبھی نہیں جائیں گے۔ بس یہ کریں گے رات کو اشرفیاں چرا کر یہاں سے واپس لوٹ جائیں گے۔ دوستوں نے یہی تماشہ کیا کہ بہت رات گئے تو باتیں کرتے رہے ہنستے ہنساتے رہے جب حارد گہری نیند سو گیا تو اشرفیوں کی تھیلیاں لے کر بھاگ نکلے۔ سویرا ہوا حارد کی آنکھ کھلی دیکھا کہ سارا خیمہ یا کیمپ خالی ہے گھوڑے بھی غائب ہیں اور دوست بھی۔ حارد دوستوں کو آوازیں دے دے کر تھک گیا پھر اشرفیوں کا خیال آیا دیکھا کہ جتنی تھیلیوں میں اشرفیاں باقی رہ گئیں

تھیں وہ بھی غائب ہیں۔ حارو مارے پریشانی کے دیوانہ ہو گیا نہ گھوڑا پاس تھا نہ پیسہ نہ کوئی ساتھ دینے والا روتا تھا۔ اور اس ویران جنگل میں اپنی بے بسی پر تڑپتا تھا۔ جب رو رو کر تھک گیا تو زندگی میں پہلی بار دماغ پر زور دے کر سوچا کہ اب کیا کرے ؟......

دریائے زرد کے اسقدر قریب پہنچ چکا تھا بادشاہ بننے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ ایک بار ہمت کی اور جنگل کے اندر گیا تو اسے پتہ چلا کہ جنگل کسے کہتے ہیں۔ یہ بالکل نئی آوازیں تھیں جو حارو کو سنائی دے رہی تھیں.... اونچے اونچے درخت ان کی دور دور تک پھیلی ہوئی شاخیں حارو کو ایسا لگ رہا تھا۔ بہت سے اژدھے ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے شاخوں کی صورت میں سر پر چھائے ہوئے ہیں۔ آوازیں تھیں کہیں چٹختی ہوئی شاخوں کی...... کہیں پتوں کی سرسراہٹ کی...... کہیں کھولتی ہوئی دلدل کی پھک پھک۔ دلدل کی سطح پر بلبلے پھوٹتے تھے پھر بننا شروع ہو جاتے تھے......خوف کے مارے حارو کو ایسا محسوس ہوا جیسے بدن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگی ہیں......کبھی کبھی ہوا چلتی تو شاخیں ادھر اُدھر ہو جاتیں تھیں تھوڑی سی دھوپ نظر آتی تو اندھیرے میں راستہ نظر آنے لگتا تھا۔ مگر حارو کی حالت بگڑ رہی تھی۔ اب اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ جنگل سے باہر نکل آئے مگر راستہ بھول چکا تھا چاروں طرف جنگل تھا اور جنگل کی آوازیں اچانک ایک زور دار پھنکار کی آواز آئی حارو کے حلق سے چیخ نکلی ایک نہایت خوفناک اژدہا جس کے دو پھن تھے اپنی چار زبانیں لپ لپاتا حارو کی طرف بڑھ رہا تھا.....

امریکہ کی ایک وادی "وائٹ ہاؤس" میں کنگسٹن منزل کے قریب ایک پتھر ہے، جسے لوگ بجنے والا پتھر کہتے ہیں۔ اس پتھر میں اوپر کی طرف ایک کشادہ سوراخ ہے جس میں پھونک مارنے سے اتنی زوردار آواز پیدا ہوتی ہے کہ پانچ میل تک سُنی جاتی ہے۔

یہ تصویر دنیا کے نایاب ترین جانور "بی زارا لے لے" کی ہے جو فرانس کے ایک چڑیا گھر سے خاص طور پر حاصل کی گئی ہے۔ اس کے بقیہ ساتھی مڈغاسکر کے جنگلوں میں موجود ہیں جن کی تعداد دنیا بھر میں پچاس سے زیادہ نہیں ہے سنا ہیں پہلے یہ بکثرت پائے جاتے تھے...... پھر انہوں نے ایک دوسرے سے لڑنا شروع کر دیا اور کم ہوتے چلے گئے۔

واقعی جو آپس میں لڑتے رہتے ہیں ان کی نسلیں اسی طرح ختم ہو جاتی ہیں۔

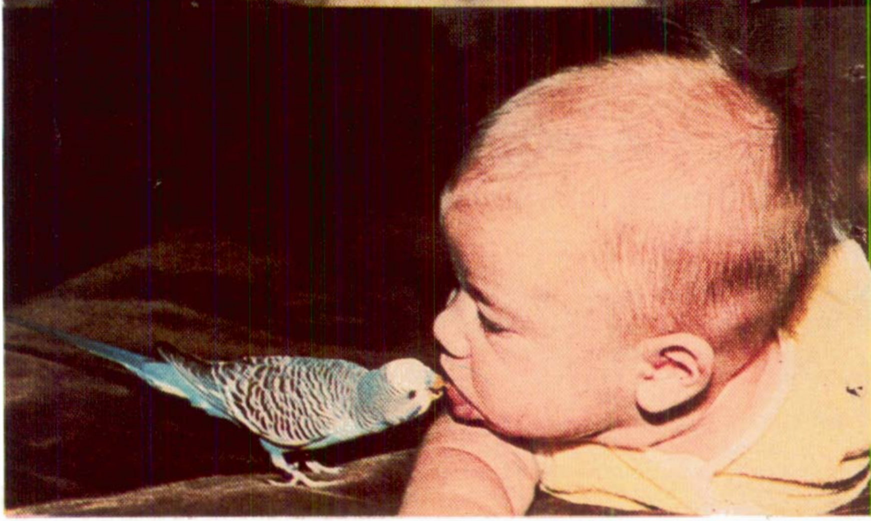

منے میاں۔ آپ کو امی نے دودھ نہیں دیا چلو کوئی بات نہیں ہم آپ کو اپنی چونچ سے اپنے حصے کی چُوری کھلا دیتے ہیں۔

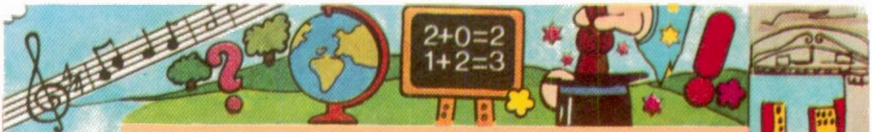

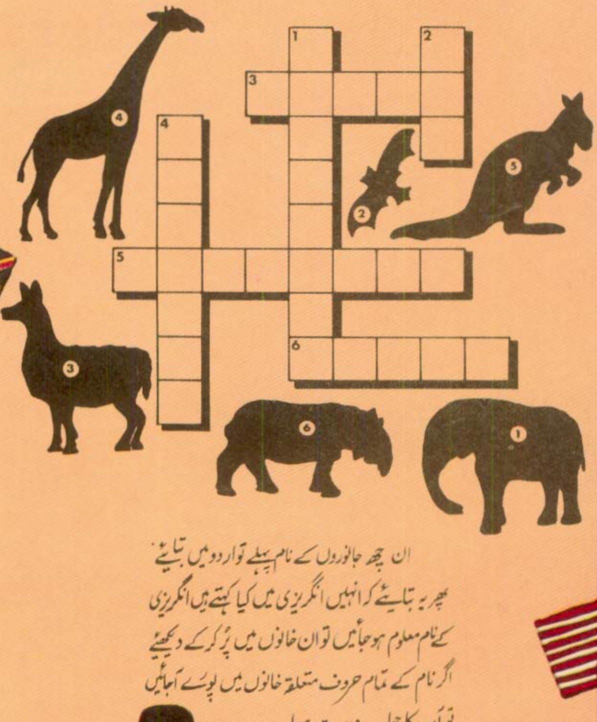

ان چھ جانوروں کے نام پہلے تو اردو میں بتائیے
پھر یہ بتائیے کہ انہیں انگریزی میں کیا کہتے ہیں انگریزی
کے نام معلوم ہو جائیں تو ان خانوں میں پُر کر کے دیکھیے
اگر نام کے تمام حروف متعلقہ خانوں میں پورے آجائیں
تو آپ کا جواب درست ہوا۔

گزشتہ شمارے کے سرورق کی کہانی

جواد حسن جواد

آنکھ مچولی دسمبر کے شمارے کا سرورق دیکھ کر سرگودھا سے ہمارے ایک علم دوست ساتھی جواد حسن جواد نے جو کچھ محسوس کیا اور سمجھا اُسے منظوم شکل میں آنکھ مچولی کے قارئین کے لئے بھجوا دیا، ہم یہ خوبصورت تحفہ جُوں کا توں اپنے پڑھنے والوں کے لئے پیش کر رہے ہیں۔

رسالے کا سرورق بھایا مجھے
عجب اس نے منظر دکھایا مجھے
سرورق نے یوں لُبھایا مجھے
قصہ عجب یاد آیا مجھے

پرستان کا نہ طلسمات کا
یہ قصہ ہے شہرِ خیالات کا
کہ اِک بادشاہ ملکِ خوش رنگ کا
محل تھا سجایا ہوا ڈھنگ کا

رعایا تھی اُس شہہ کی چند جانور
شمار اُن کا کیا جتنے بُلبل کے پر
شہنشاہ کے اُن پہ احسان تھے
یہ چند جانور اس کے دربان تھے

گلہری و بلبل و خرگوش تھے
سبھی شہہ کی خدمت میں پرجوش تھے

دو چوہے تھے جو چُست و چالاک تھے
شہنشاہ سے کتنے بے باک تھے
شہنشاہ کو نیند آتی نہ تھی
جو قصہ رعایا سناتی نہ تھی

عجب بات تھی یہ عجب تھا سماں
کہ بلبل کو آتی نہ تھی داستاں

کہانی سنانے کا یہ سلسلہ
گلہری نے خود اپنے ذمہ لیا

چڑھی ہاتھ پہ شہہ کے وہ دم اٹھا کر
کہانی سنانے لگی گنگنا کر

رُکی، رُک کے دیکھا سناتے ہوئے
سبھی سو گئے مسکراتے ہوئے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

انڈس
واٹر کولر
پاکستان میں پہلی مرتبہ
آسٹرو پاک
کلپر فین
برقی پنکھوں کی ٹیکنالوجی میں آسٹرین
سائنس کی اختراعی پیشکش
آپ کے حکم کے تابع - بغیر ہاتھ لگائے
حکم کریں پنکھا چلے
حکم کریں پنکھا رُکے
وال/ٹیبل/پیڈسٹل فین کے بطور
استعمال کیا جاسکتا ہے۔
* بجلی کے خرچ میں ۵۰ فیصد بچت * غیر معمولی ہلکا پنکھا
* شاک پروف * انتہائی خوشنما * اسٹریملائینڈ باڈی
* بے حد پائیدار * زنگ سے محفوظ - آواز سے مبرا
* متعدد پائیدار رنگوں میں دستیاب
* تحفے تحائف میں دینے کے لئے بے نظیر
ایک سال کی گارنٹی
کوئی شکایت ہو تو فون 233667
کرکے فوری ہوم سروس
حاصل کیجئے۔
البرخت پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ
پہلی منزل، نسروانجی بلڈنگ، مچھی میانی روڈ، کراچی۔ فون: ۲۳۳۶۶۷
MASS

جو آج بھی زندہ ہیں

صدف حسنین کاظمی

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔

سارا شہر گہرے سنّاٹے اور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف کہیں کہیں پہرے داروں کی چاپ اُبھرتی۔ پھر گہری خاموشی چھا جاتی۔ شہر کے سبھی لوگ دن بھر کے کام کاج سے تھک کر گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔!

لیکن ۔ اسی شہر کے ایک گوشے میں ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک لڑکا چراغ روشن کئے۔ نہایت خاموشی سے مطالعے میں غرق تھا۔ ! اسے نہ تو نیند ستا رہی تھی نہ تھکن۔ کل تو اس کا امتحان بھی نہیں تھا۔ لیکن وہ مسلسل پڑھ رہا تھا۔ ! کچھ دیر بعد اس نے محسوس کیا کہ چراغ کی لَو مدّھم ہوتی جا رہی ہے۔ اس نے چونک کر چراغ کی سمت دیکھا۔ اس میں تیل رفتہ رفتہ ختم ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے سوچا۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔ خیر جتنا بھی پڑھ سکوں۔ پڑھ لینا چاہیئے۔ وہ پھر پڑھنے لگا۔ تبھی ۔ چراغ کی لو ایک مرتبہ جھلملائی اور غائب ہو گئی۔ چراغ بجھ گیا۔

وہ اندھیرے میں کتاب ہاتھ میں لئے چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر کتاب ہاتھ میں لیکر باہر نکل آیا۔ گلی میں پہرے دار ہاتھ میں قندیل لئے چکر لگا رہا تھا۔ لڑکا آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب جا پہنچا۔ اس نے پہرے دار سے کہا۔ جناب کیا آپ مجھے اپنی قندیل کی روشنی میں پڑھنے کی اجازت دے دینگے؛ پہرے دار نے تعجب سے اسے دیکھا۔ یہ دس گیارہ سال کا بھولا بھالا سا لڑکا اتنی رات کو پڑھنا چاہتا ہے۔

"ہاں بیٹا ضرور۔ ! لیکن مجھے تو مسلسل چلنا پڑتا ہے۔ تم کیسے پڑھ لوگے"؟

لڑکا اس سوال سے پریشان نہیں ہوا۔

آپ قندیل اٹھا کر چلیئے۔ میں ساتھ ساتھ پڑھتا جاؤنگا۔

پہرے دار چند لمحے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ تم اپنے گھر میں کیوں نہیں پڑھ لیتے"؟

"جناب میں اس حیثیت کا مالک نہیں کہ اپنے چراغ کے لئے تیل خرید سکوں۔ جب تک چراغ میں تیل تھا۔ میں اس کی روشنی میں پڑھتا رہا۔ اب وہ بجھ گیا تو آپ کے پاس آیا ہوں"

نیک دِل پہرے دار اس کے جذبے سے بہت متاثر ہوا۔ اور بولا "ٹھیک ہے۔ تم میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ"!

چنانچہ لڑکا اور پہرے دار چل پڑے۔ قندیل مسلسل ہل رہی تھی۔ مگر لڑکا کسی نہ کسی طرح اس کی روشنی میں پڑھتا ہوا چلتا رہا۔ آخر جب کافی رات بیت گئی۔ تو پہرے دار نے اُسے آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ لڑکا شکریہ ادا کرکے گھر چلا گیا۔ اسی طرح کئی راتوں تک ہوتا رہا۔ پہرے دار اس بچے سے اتنا متاثر ہوا۔ کہ اس نے اپنی قندیل اس بچے کو دے دی۔

آخر جب بچے کو اس کی تنخواہ مل گئی۔ تو اس نے تیل بھی خرید لیا اور پہرے دار کا بہت بہت

شکریہ ادا کیا۔ وہ رات میں پڑھتا تھا اور دن میں ایک جگہ بہت معمولی سی نوکری بھی کرتا تھا۔ جس سے صرف اتنے پیسے مل جاتے تھے کہ جیسے تیسے گزارہ ہو جاتا تھا۔ اس کا بھری دنیا میں کوئی نہ تھا۔ اس کو بہت کم عمری ہی میں محنت مزدوری کرنا پڑی تھی۔ اور راتوں کو وہ تنہا بیٹھ کر پڑھتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا آغاز بہت غربت میں کیا تھا۔ راتوں کو پہرے دار کی قندیل کی روشنی میں پڑھتا رہا۔ اور۔ پھر ایک دن آیا۔ جب اس کے علم کے چراغوں سے دنیا روشن ہو گئی۔

ایک ہزار سال سے زیادہ ہو گئے۔ لیکن فارابی آج بھی زندہ ہے۔ یہ تھا ابونصر محمد الفارابی۔ اپنے وقت کا سب سے بڑا عالم، بہت عظیم موسیقی داں ——— اور غالباً ——— سب سے زیادہ زبانوں کا ماہر بھی۔

فارابی کا اصل نام ابونصر محمد بن ادزلغ بن ترخان ہے۔ ابونصر' ایرانی نسل کا تھا۔ اسکا باپ ایک فوجی جنرل تھا۔ فارابی کے والدین بہت عرصہ قبل ایران سے ترکستان، جو موجودہ روس میں ہے چلے گئے تھے۔

وہیں پر فاراب کے ایک قصبہ واسیج میں ۲۵۹ھ ہجری میں ابونصر پیدا ہوا۔ اس نسبت سے فارابی کہلایا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن اتنا معلوم ہوا ہے کہ پہلے پہلے بہت مشکل حالات میں زندگی گزاری، باغ کا رکھوالا بھی رہا۔ لیکن ان حالات نے اسے پریشان نہیں کیا۔ وہ ایک دریا کی طرح تھا۔ جو سب کو سیراب کرتا ہوا۔ کناروں پر پھول کھلاتا ہوا۔ آگے ہی آگے بڑھتا جاتا ہے۔ چٹانیں اسکا راستہ نہیں روک پاتیں۔ دریا کسی اور سمت بہہ نکلتا ہے۔!

ابونصر فارابی نے ابتدائی تعلیم فاراب اور بخارا میں حاصل کی۔ پھر وہ بغداد گیا۔ جو اس وقت اسلامی علوم و فنون کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بغداد میں وہ چالیس سال تک رہا۔ اور چھ عباسی خلفاء کا زمانہ دیکھا۔ عربی زبان کا ماہر بنا۔ کہا جاتا ہے کہ فارابی پچاس ساٹھ سے زیادہ زبانیں جانتا تھا۔ ایک موقع پر ایک علم دوست خلیفہ سیف الدولہ کے دربار میں اس نے خود کہا کہ میں ستر سے زیادہ زبانیں جانتا ہوں۔ اس کے علم اور قابلیت سے سیف الدولہ نہایت متاثر ہوا۔ اور اسے اپنا خاص درباری بنا لیا۔ آپ سوچیں گے کہ اب تو اس کے خوب ٹھاٹ ہو گئے ہوں گے لیکن ایسا نہیں تھا۔ وہ طبیعت کا انتہائی سادہ اور بے نیاز مزاج کا آدمی تھا۔ سرکاری خزانے سے صرف چند درہم

روزانہ لیتا تھا۔ یعنی کبھی آج کے حساب سے بہت ہوئے تو آٹھ دس روپے۔ سیف الدولہ نے کئی بار کہا کہ اور رقم لے لیا کرو۔ مگر فارابی کو مال و دولت سے نہیں علم و حکمت سے دلچسپی تھی۔ اس نے اپنے وقت کے تقریباً تمام علوم میں مہارت حاصل کی جن کے ناموں کا تذکرہ بھی بہت طویل ہو گا۔ اس نے بہت سادہ زندگی بسر کی۔ کبھی کسی کی خوشامد کی نہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلایا۔ اسی حالت میں وہ علم حاصل کرتا اور علم پھیلاتا رہا۔ بتایا جاتا ہے کہ فارابی نے تقریباً ہر مضمون میں کئی کئی کتابیں لکھی ہیں اس کی کتابوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہے۔

فارابی بہت اعلیٰ درجے کا حکیم بھی تھا۔ مگر اس نے اس میدان میں زیادہ کام نہیں کیا۔ وہ زیادہ تر فلسفہ کے مسئلوں سے بحث کرتا تھا۔ عظیم عالم ابو علی ابن سینا جو صرف ابنِ سینا یا شیخ الرئیس اور صرف شیخ بھی کہلاتے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں کہ میں نے فارابی سے بہت کچھ سیکھا ہے، اس سے فارابی کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

پیارے بچو۔ اس عظیم مسلمان فلسفی اور اپنے وقت کے ایک عظیم عالم کا انتقال ۳۳۹ھ ہجری بمطابق ۹۵۰ء عیسوی (میں دمشق (شام) میں ہوا۔ اس وقت فارابی کی عمر اسّی سال کے لگ بھگ تھی آج فارابی ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ لیکن انہوں نے جسطرح محنت مشقت اور علم کی محبت اور اس کو پھیلانے کی کوششوں میں زندگی بسر کی، سادگی، اخلاق اور دین کی پابندی کو اپنا طریقہ بنائے رکھا۔ وہ ہمارے لئے روشنی فراہم کرتے ہیں۔ فارابی کے انتقال کو ایک ہزار سال گزر چکے ہیں۔ لیکن۔ آج بھی فارابی زندہ ہیں۔ جو علم کی راہ میں زندگی گزارے وہ اللہ کی راہ میں زندگی بسر کرتا ہے۔ ایسے شخص کو کیسے موت آسکتی ہے۔

شرط

ایک آنکھ والے شخص نے دوسرے شخص سے شرط لگائی جس کی دو آنکھیں موجود تھیں۔

"میں تم سے زیادہ دیکھتا ہوں۔"

"وہ کیسے"؟ دو آنکھ والے نے کہا۔ "میں تمہاری دونوں آنکھیں دیکھ رہا ہوں اور تم صرف ایک آنکھ دیکھ رہے ہو۔ تم ہار گئے میں جیت گیا۔"

امجد اسلام امجد

آئیے ڈرامے لکھنا سیکھیں

پیارے بچو.

آپ روزانہ ٹی وی پر ڈرامے دیکھتے ہیں. کبھی کبھی اِن میں ایسے ڈرامے بھی ہوتے ہیں جو خاص طور پر آپ لوگوں کے لئے لکھے گئے ہوتے ہیں. کئی بار آپ کے جی میں بھی ڈرامہ لکھنے کا خیال آیا ہوگا اور شاید بعض ڈرامے دیکھ کر آپ نے سوچا بھی ہوگا کہ آپ اگر اُن سے بہتر نہیں تو اُن جیسا ڈرامہ ضرور لکھ سکتے ہیں.

تو آیئے آج ہم آپ کو ٹی وی ڈرامہ لکھنے کے لئے کچھ موٹی موٹی باتیں بتاتے ہیں سب سے پہلے تو آپ یہ دیکھیے کہ ٹی وی پر جو کچھ نظر آتا ہے وہ ٹی وی کیمرے کا مرہُونِ منّت ہوتا ہے یعنی آپ صرف وہی کچھ دیکھ سکتے ہیں جو کیمرے کی آنکھ آپ کو دکھاتی ہے گویا سب سے ضروری بات یہ ہوئی کہ ٹی وی کے لئے ڈرامہ لکھتے وقت آپ کو کیمرے کی آنکھ بننا پڑے گا کیونکہ اس کے بغیر آپ اُس منظر کو صحیح طرح سے نہیں لکھ سکیں گے جو آپ دکھانا چاہتے ہیں.

آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ ڈرامہ کن چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے.

۱: کہانی (پلاٹ + واقعات)

۲: کردار

۳: منظر (سیٹ - وقت - روشنی)

۴: مکالمے

۵: صوتی اثرات

۶: میک اپ

(۱) کہانی : کہانی سے مراد وہ واقعات ہیں جن کے ذریعے سے آپ اپنے تجربات، مشاہدات، مقاصد اور خیالات وغیرہ کو ایک مخصوص ترتیب کے ساتھ پیش کرتے ہیں اس ترتیب کو دوسرے لفظوں میں پلاٹ بھی کہا جاتا ہے۔ کہانی کے واقعات جسقدر دلچسپ، بامعنی اور مربوط ہوں گے اتنا ہی دیکھنے والوں یعنی ناظرین کی دلچسپی اس میں قائم رہے گی۔

کہانی کے لئے اس کی تمہید، ابتدائی حصّہ یا تعارف یعنی (INTRODUCTION) ایسا ہونا چاہیئے کہ کرداروں کا ناک نقشہ اور واقعات کے ساتھ ان کا تعلق واضح (ESTABLISH) ہو جائے۔

دوسرے حصّے میں کرداروں کی وضاحت اور واقعات کا پھیلاؤ دکھایا جاتا ہے اسے کہانی کا اِرتقا یعنی (EVOLUTION) کہتے ہیں۔

تیسرے حصّے میں کہانی اپنے (CLIMAX) یعنی نقطۂ عُروج کی طرف بڑھتی ہے جس میں کرداروں کا باہمی تعلق، تصادم اور واقعات کا بہاؤ ایک فیصلہ کُن موڑ پر پہنچ جاتے ہیں۔

کہانی کا چوتھا اور آخری حصّہ اس کا انجام ہوتا ہے یہ جتنا زیادہ منطقی (LOGICAL) اور حقیقت کے قریب ہوگا اتنا ہی دیکھنے والوں پر اثر کرے گا۔

(۲) کردار:

ڈرامے میں کہانی چونکہ کرداروں کے ذریعے سے سنائی اور دکھائی جاتی ہے اس لئے کردار نگاری میں تسلسل ((CONTINUITY)) کا ہونا بے حد ضروری ہے یعنی آپ جسطرح کا کردار دکھانا چاہتے ہیں اسی کے مطابق اُس کا ماحول، لباس، بول چال، حرکات وسکنات اور مکالمے رکھے جائیں تاکہ دیکھنے والوں کو کسی قسم کا دھچکا یا جھول محسوس نہ ہو، مثلاً ایک سنجیدہ شخص خواہ مخواہ بغیر کسی وجہ کے مسخروں جیسی حرکتیں کرنے لگے یا ایک بد دیانت اور بدمعاش آدمی اچانک اچھی اچھی باتیں کرنا شروع کردے۔ کردار میں اگر کسی قسم کی تبدیلی دکھانا مقصود ہو تو اس کے لئے کہانی میں مؤثر اور زوردار واقعات کا ہونا بے حد ضروری ہوتا ہے۔

(۳) منظر نگاری۔

آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ ٹی وی سکرین پر جب بھی کچھ کردار آتے ہیں تو ان کے ساتھ ہی وہ جگہ بھی دکھائی جاتی ہے جہاں وہ اس وقت موجود ہیں مثلاً گھر کے کسی کمرے میں، باغ میں، سکول میں دفتر میں یا کسی ہوٹل وغیرہ میں۔ یعنی کردار اور منظر کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے کہانی کے واقعات

کے مطابق کوئی کردار جس جگہ پر دکھانا مقصود ہو اس جیسی جگہ بنانی پڑتی ہے ٹی وی کے اندر اس کے لئے سیٹ لگایا جاتا ہے۔ آؤٹ ڈور یا بیرونی منظر کی صورت میں عام طور پر متعلقہ منظر سے ملتی جلتی LOCATION یعنی جگہ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روشنی (LIGHTING) کے ذریعے منظر کے وقت کی وضاحت بھی کی جاتی ہے۔

منظر نگاری میں موسم، وقت اور مزاج کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے اس کے علاوہ کرداروں کی معاشی اور سماجی حالت کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً کسی ایسے آدمی کے گھر میں قیمتی چیزیں رکھنا جو خود بھوک سے مر رہا ہو خلافِ واقعہ ہوگا اور اس طرح کا منظر کہانی اور کردار کے وقار اور اعتبار (CREDIBILITY) کو مجروح کرتا ہے۔

۴ مکالمے۔

مکالمہ یعنی (DILOGUE) افراد کے درمیان ہونے والی گفتگو کو کہا جاتا ہے مگر عام طور پر اس سے مراد وہ تمام گفتگو ہوتی ہے جو کسی منظر میں شامل مختلف کردار کرتے ہیں۔ مکالمہ میں سب سے ضروری بات یہ ہوتی ہے کہ آپ کردار کی تعلیم، مزاج، سماجی و معاشی حالت اور واقعات سے اس کے تعلق کو ہردم سامنے رکھیں۔ مکالمے، کردار کے حوالے سے جتنے زیادہ فطری اور حقیقی (NATURAL & REALISTIC) ہوں گے اتنا ہی ان کا اثر زیادہ ہوگا۔ مثلاً ضرورت مند اور پریشان حال شخص کے جملوں میں عاجزی اور سنگدل اور ظالم شخص کی باتوں میں نفرت اور تکبّر کا ہونا اُن کے مکالموں کو بامعنی اور حقیقت پسندانہ بنانے کا باعث ہوگا۔

صوتی اثرات (SOUND EFFECTS)

صوتی اثرات کی زیادہ ضرورت تو ریڈیو ڈرامے میں ہوتی ہے مگر ٹی وی ڈرامے میں بھی ان کا استعمال ناگزیر ہے مختلف چیزوں کے رکھنے، چلنے اور گرنے کی آوازیں، منظر میں موجود آواز دار چیزوں کی مخصوص آوازیں اور سین کے موڑ کے مطابق پسِ منظر میں بجنے والی موسیقی بھی منظر کے تاثر میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔

میک اَپ

کرداروں کی عمر، شخصیت اور حالت میں ہونے والی تبدیلیوں کو میک اَپ کے ذریعے سے

نمایاں کیا جاتا ہے یعنی آپ چاہیں تو کسی کردار کو بیس سال کی عمر سے لے کر ستر اسی برس کی عمر تک میک اپ کے ذریعے سے اس طرح دکھا سکتے ہیں کہ وہ دیکھنے میں عمر کا وہی تاثر دے جو آپ دکھانا چاہتے ہیں۔

ان چند باتوں کے علاوہ کچھ اور باتیں مثلاً سکرین پلے، مختلف اصطلاحات

(OVER LAP - SOPER IMPOK-DISSOLVE-CUT-FLASH BACK)

اور کچھ مخصوص تکنیکی الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں مگر آپ کی سطح پر فی الحال انہیں نہ جاننے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

ایک مرتبہ نواب سرسید راس مسعود کے سامنے ایک امریکی خودپسندی کے انداز میں اپنے ملک کی بڑائی اور داستان بگھار رہا تھا اس نے کہا کہ دنیا بھر میں سب سے لمبی سرنگ امریکہ میں ہے جو ۲۵ میل سے زیادہ لمبی ہے۔ راس مسعود صاحب کو شرارت سوجھی کہنے لگے "بس! اس سے تو کہیں زیادہ لمبی سرنگ ہندوستان میں ہے جو مغل بادشاہوں نے دہلی سے آگرے تک بنائی تھی تاکہ جنگ کے موقع پر وہ خفیہ سفر کر سکیں۔ یہ سرنگ کوئی سوا سو میل لمبی ہے" امریکی نے ایک بار پھر امریکہ کی عزت برقرار رکھنے کی کوشش کی اور کہنے لگا کہ ہمارے ہاں سرنگ میں بجلی کی روشنی ہوتی ہے۔ ان لوگوں نے روشنی کا بھلا کیا انتظام کیا ہوگا؟ راس مسعود کے دماغ میں بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اسکا جواب ذہن میں آیا بولے "اسی میں تو انہوں نے اپنا کمال دکھایا تھا۔ اس زمانے میں بجلی تو ہوتی نہ تھی، اس لئے جب سرنگ تیار ہوگئی تو انہوں نے ساری مغل فوج کو برسات کے موسم میں جنگل بھجوا دیا تاکہ وہ فوجی جنگل سے کروڑوں جگنو پکڑ کر سرنگ میں چھوڑ دیں چنانچہ جگنوؤں کی چمک دمک سے سرنگ روشن ہوگئی اور اب تک ان جگنوؤں کی اولاد وہاں بستی ہے اور وہاں کے اندھیرے میں اُجالا کرتی رہتی ہے" یہ سن کر بے چارہ امریکی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور اسے شبہ تک نہیں ہوا کہ وہ اسقدر سنجیدہ چہرہ بنا کر مذاق کر رہے ہیں۔ (خواجہ غلام السیدین)

پیاری تتلی

ساحرہ انور

رنگ برنگی پیاری تتلی
گھومتی پھرتی ہے پھولوں پر
اچھے رنگوں والی تتلی
رنگ برنگی پیاری تتلی

ہاتھ بڑھاؤ ہاتھ نہ آئے
جھٹ سے اُڑے پٹ سے کھو جائے
ایسی ہے یہ نرالی تتلی
رنگ برنگی پیاری تتلی

چمپا سے ہے دوستی پکی
اور چنبیلی بھی ہے سہیلی
پھولوں کی متوالی تتلی
رنگ برنگی پیاری تتلی

مُنے کی ٹوپی سے نکل کر
ننھی کی مٹھی سے پھسل کر
خوب بجائے تالی تتلی
رنگ برنگی پیاری تتلی

ثاقبہ رحیم الدّین

سُرخ مچھلی

بہت دنوں کی بات ہے ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمہارا خدا بادشاہ ـــــ ہاں تو اُس بادشاہ کے خزانے بھرے پڑے تھے۔ ملک میں خوشحالی اور رعایا سُکھی تھی ـــــ یہ ان وقتوں کا ذکر ہے۔ جب جاپان کے خوبصورت دیس میں انسانوں، جانوروں، پرندوں، درختوں اور مچھلیوں میں آپس میں میل ملاپ تھا سب مِل جل کر سادہ زندگی گزارتے تھے۔ سورج نکلتا تو بادشاہ کے محل سے نقارہ بجنے کی آواز آتی، رعایا اٹھ بیٹھتی اور محنت ولگن سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتی ۔ جوں ہی سورج ڈوبتا، سب سلام دعا کے بعد آرام کرتے اور سو جاتے تھے۔

جاپان کے اس علاقے میں سورج بہت زیادہ گرم اور روشن تھا۔ پاس ہی گہرا نیلا سمندر پھیلا ہوا تھا۔ وہاں کے بادشاہ کا نام "ہوڈیمی" تھا۔ بس یہ نہ پوچھو کہ بادشاہ کیسا تھا ـ ہوڈیمی بادشاہ حسن کا مجسمہ شان وشوکت میں لاجواب اور مال ودولت میں بے مثال تھا۔ وہ بڑا نیک دل اور نیک مزاج تھا۔ وہ سورج کی دیوی کا پوتا کہلاتا تھا۔

بادشاہ اپنے وطن کا ماہر اور ہردل عزیز شکاری تھا۔ رعیت نے اسے "یاماساپی ہیکو" کا خطاب دیا تھا۔ جس کے معنی ہیں "پہاڑوں کا خوش قسمت شکاری" ملک کی زمینیں زرخیز تھیں اور جانور بے شمار تھے بادشاہ ہوڈیمی کا ایک بھائی تھا، جس سے اُسے بے حد محبت تھی۔ اُس کا نام "سامی ہیکو" تھا۔ وہ سمندر میں مچھلیوں کا شکار کرتا تھا۔ اس کے شکار کی دور دور شہرت تھی۔ دونوں بھائی محل میں رہتے تھے اور ہنسی خوشی دن گزار رہے تھے۔

جاڑوں کی ایک دوپہر کا ذکر ہے، دونوں بھائی نرم نرم دھوپ میں باغ میں بیٹھے مونگ پھلیاں اور تلی ہوئی مچھلیاں کھا رہے تھے دونوں اپنے بچوں کے قصے سنا کر ہنس رہے تھے کہ شکاری بھائی بادشاہ ہوڈیمی

کے ذہن میں ایک نیا خیال آیا۔ کہنے لگا "بھائی ہم دونوں یقیناً اپنے اپنے پرانے شوق سے اکتا گئے ہیں۔ کیوں نہ ہم ایسا کریں کہ تم شکار کے لئے پہاڑ پر جایا کرو اور میں تمہاری جگہ سمندر میں مچھلیاں پکڑا کروں۔" یہ بات دوسرے بھائی کو پسند آئی۔ وہ جلدی سے بولا "ہاں ہاں ٹھیک ہے۔ چلو تم مجھے اپنا تیر کمان دو اور میں تمہیں اپنی بنسی دیتا ہوں۔" اس طرح سے دونوں میں یہ طے ہو گیا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے اپنا اپنا شوق تبدیل کر دیں گے۔

دونوں بھائی دل ہی دل میں سمجھتے تھے کہ اب ان کی دلچسپیوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ مگر شکاری بھائی ہوڈیمی قطعی نہیں جانتا تھا کہ مچھلیاں کتنے زیادہ گہرے پانی میں ملتی ہیں اور بنسی کے کانٹے میں کون کون سے کیچوے اور مرے ہوئے کیڑے لگائے جاتے ہیں۔ مچھلیوں کا شکاری بھائی سامی ہیکو بالکل ناواقف تھا کہ جنگلی جانوروں کا شکار کیسے کیا جاتا ہے۔

اب ہوا یہ کہ خوش قسمت ماہر شکاری یعنی بادشاہ نے اپنے بھائی کی بنسی اور کانٹا لیا اور سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔ اُس نے کانٹے پر رینگتے ہوئے کن کھجورہ کا چارہ لگایا اور پانی میں اچھال کر پھینک دیا۔ وہ

خود ایک بڑی چٹان کے سرے پر بیٹھ کر انتظار کرنے لگا۔ مچھلیوں کو بھی مذاق سوجھا۔ وہ ہنستیں اور اچھلتی کودتیں تو پانی کی سطح پر بلبلے اُٹھتے۔ ہوڈیمی بڑے شوق سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا اور سوچتا تھا کہ ابھی کانٹا کھینچ لوں گا اور مچھلی ہاتھ آجائے گی۔ وہ اسی طرح سارا دن سمندر کے کنارے بیٹھا رہا۔ سورج اور سمندر کی گرمی و حدت نے مل جل کر اس کا منہ لال کر دیا۔ اُس نے کئی بار کانٹا پانی سے نکال کر دیکھا، نیا چارہ لگایا، مگر سب بے کار گیا۔ یہاں تک کہ ہر طرف شام کی لالی پھیل گئی۔ ہوڈیمی نے مایوس ہو کر ڈوری کھینچی، تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ڈوری کے ساتھ کانٹا نہیں تھا۔ وہ پریشان ہو گیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس کے بھائی کو یہ کانٹا بہت پسند تھا۔ اسی لئے بھائی اس کانٹے کی ہر قیمتی چیز سے زیادہ حفاظت کرتا تھا۔ مگر جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر میں ہوڈیمی کا بھائی بھی وہاں آگیا۔ اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ اس کا کانٹا کھو گیا ہے تو وہ بہت غصّے میں آگیا۔ بڑے بھائی کو خوب برا بھلا کہنے لگا۔ خاص کر ہوڈیمی کو اس وقت بڑا دکھ ہوا جب اس کے بھائی نے یہ کہا "میں خوب سمجھتا ہوں۔ تم ہی نے شوق تبدیل کرنے کی تجویز پیش کی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ یہی ہوگا۔ میں کچھ نہیں جانتا میرا کانٹا تلاش کر کے واپس کرو۔"

اس بات کو کئی دن گزر گئے۔ کھوئی ہوئی چیزیں بھی مشکل ہی سے ملا کرتی ہے اور سمندر تو پھر سمندر ہے۔ ہوڈیمی نے سمندر کنارے کانٹا تلاش کرنے کی بڑی کوشش کی مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہ واقعی بڑا شرمندہ تھا۔ وہ اپنے محل میں واپس آیا اور اس نے اپنی پیاری تلوار کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ تلوار توڑ کر اس نے مچھلی پکڑنے کے پانچ سو کانٹے تیار کروائے اور بھائی کو پیش کیے۔ اس کے دوبارہ معافی مانگنے کے باوجود بھی بھائی کی ناراضگی دور نہ ہوئی۔ سامی ہیکو نے کہا "بادشاہ سلامت آپ چاہے مجھے دس لاکھ کانٹے لاکر دے دیں، میں معاف نہیں کروں گا۔ مجھے صرف میرا کانٹا چاہیے ۔۔۔"

ہوڈیمی نیک اور عادل انسان تھا اور اپنے بھائی سے سچی محبت کرتا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ مسلسل سمندر کنارے جائے گا اور کانٹا تلاش کرتا رہے گا۔

دن گزرتے رہے اور ہوڈیمی کی پریشانی بڑھتی گئی۔ ایک صبح ہوڈیمی سمندر کے کنارے پریشانی کے عالم میں اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اتنے میں وہاں ایک بوڑھا شخص آیا۔ اس کے بال برف کی طرح سفید اور آنکھیں بھوری بھوری تھیں۔ وہ چھڑی ٹیک کر چلتا تھا۔ اُس نے ہوڈیمی کو پریشان دیکھ کر کہا "مجھے معلوم ہے کہ تمہارا کانٹا کھو گیا ہے۔ مگر وہ یہاں نہیں ملے گا۔ بیٹا میرا نام "نوکینا" ہے۔ نہ کبھی نہ اتنی جلدی مایوس نہیں ہوتے۔" یہ بات کہتے وقت جانے کیسے بوڑھے کی چھڑی کانپی اور گر گئی۔ وہ اٹھانے جو جھکا تو اُس کے کندھوں

پر چادر پھسل گئی۔ ہوڈیمی نے بڑھ چھڑی اٹھا کر دی اور اس بوڑھے نے پھر سے چادر اچھی طرح سے اڑھا دی۔ بوڑھا تو کینا مسکرانے لگا۔ ہوڈیمی نے بے صبری سے پوچھا "تو پھر میرا کانٹا کہاں ہے" بوڑھے نے جواب دیا "وہ تو سمندر کی تہہ میں چلا گیا ہے اور کسی مچھلی کے پیٹ میں ہے جس نے اسے نگل لیا تھا۔" یہ سن کر ہوڈیمی سوچ میں پڑ گیا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیئے۔

بوڑھے نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سمجھایا۔ "تم اِس سمندر کی تہہ میں "رائن کو" کے علاقے تک جاؤ اور وہاں کے بادشاہ سمندری اژدہے سے اپنی مشکل بیان کرو۔ بس وہی تمہاری مدد کر سکتا ہے۔" بوڑھے نے ہوڈیمی کو ایک گول ٹوکری دی اور کہا۔ "تم اِسے سمندر میں ڈال کر بیٹھ جانا اور اپنا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے رکھنا۔۔۔ یہ ٹوکری بہت جلد تمہیں سمندر کی تہہ تک لے جائے گی۔"

ہوڈیمی نے بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور ٹوکری کو سمندر میں ڈال کر بیٹھ گیا۔ اُس کا بیٹھنا کیا تھا۔ کہ ٹوکری خود بخود ایک رخ کی طرف بہنے لگی۔ یوں تو رائن کو تک جانے کے لئے مہینوں لگ جاتے ہیں مگر وہ چند گھنٹوں میں رائن کو پہنچ گیا۔

اس نے ایک محل کے پاس پہنچ کر ٹوکری سے نکل کر ایک جھاڑ نما درخت پر چڑھ گیا۔ درخت پر بیٹھے ہوئے وہ اپنی سوچ میں گم تھا کہ نیچے ایک کوئیں پر نظر پڑی۔ کنوئیں کے پاس دو بچیاں کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔ انہوں نے پانی میں ہوڈیمی کا عکس دیکھا تو ٹھٹھک کر رہ گئیں ہوڈیمی درخت سے نیچے اترا اور اپنا تعارف کروانے لگا۔ "میرا نام ہوڈیمی ہے۔ جاپانی مجھے خوش قسمت شکاری کے نام سے پکارتے ہیں۔" بڑی بچی خوش ہو کر حیرت سے کہنے لگی "کیا واقعی تم ہوڈیمی ہو، میں نے تمہاری بڑی شہرت سنی ہے۔ میں سمندر کے بادشاہ کی بیٹی ہوں اور میرا نام "پوتاما ہے" اور یہ میری چھوٹی بہن ہے۔" یہ سن کر ہوڈیمی بڑا خوش ہوا۔ اور اپنا مقصد بیان کیا کہ وہ ان کے باپ سے ملنے آیا ہے۔ غرض دونوں شہزادیاں اسے اپنے باپ کے پاس لے گئیں۔ بادشاہ نے ہوڈیمی کا شاندار استقبال کیا اور عزت سے اپنے تخت کے پاس بٹھایا۔ بادشاہ نے ہوڈیمی کی آمد کو اپنی خوش قسمتی سمجھا۔ جب جشن منایا جا رہا تھا تو جل ترنگ کی دُھن زوروں پر بج رہی تھی۔ اس پیارے ماحول میں ہوڈیمی نے بادشاہ سے اپنی مشکل بیان کی۔ بادشاہ نے سب مچھلیوں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔

بادشاہ نے کہا کہ ہمارے مہمان کا کانٹا سمندر میں کھو گیا ہے۔ معزز مہمان کا خیال ہے کہ کوئی مچھلی شاید کانٹا لے آئی ہے۔ حکم دیا جاتا ہے کہ کانٹا فوری طور پر پیش کیا جائے۔ اتنے میں ایک چمکیلی کٹل مچھلی آ گئے

بڑھی اور بولی "میرا خیال ہے کہ کانٹا سرخ بریم مچھلی نے چرایا ہے۔ وہ گلے کی تکلیف کی وجہ سے بہت عرصے سے کھاتی نہیں ہے۔" اسی وقت سرخ بریم مچھلی کو پیش کیا گیا۔

واقعی سرخ مچھلی کے گلے میں کوئی چیز پھنسی ہوئی ہے۔ وہ مشکل سے بات کر سکتی تھی۔ بولنے کی کوشش میں اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بیچاری سرخ مچھلی بھوکی تھی اور اِدھر اُدھر تیرتی پھر رہی تھی۔ اُس نے غلطی سے خوراک سمجھ کر چارہ سمیت پورا کانٹا نگل لیا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ سرخ مچھلی کے معافی مانگتے ہی بادشاہ نے معافی قبول کر لی۔

سرخ مچھلی نے اپنی دوست کی مدد سے سمندر میں قلابازیاں کھائیں اور بہت زور لگا کر کانٹا اُگل دیا۔ بادشاہ نے کانٹا سنار کے پاس بھجوایا اور سونے کے پانی سے چمکوایا۔ جب سرمئی سوگی مچھلی جو خادمہ تھی، ہوڈیمی کو سنہرا کانٹا پیش کر رہی تھی تو سب مچھلیاں جھوم جھوم کر ناچ رہی تھیں۔ ہوڈیمی نے بادشاہ کے ہاتھ چومے اور ہر ایک کا شکریہ ادا کر کے ٹوکری میں بیٹھ گیا — اور سمندر کے سفر کو روانہ ہوا۔

بادشاہ ایک اونچی ہری بھری جھاڑی پر بیٹھ گیا اور بلند آواز میں کہنے لگا "سرخ مچھلی تم بڑی اچھی ہو۔ تم نے اپنی غلطی مان لی تھی تو میں کیوں نہ تمہیں سچے دل سے معاف کرتا۔ میں چاہتا ہوں کہ سمندر ہمیشہ صاف رہے، اس کی نیلی لہریں چمکتی رہیں اور ہماری مچھلیاں ہمیشہ تیرتی رہیں۔"

ہوڈیمی اپنے وطن پہنچا۔ دونوں بھائیوں میں دوستی ہوئی اور دونوں پھر سے ہنسی خوشی محل میں رہنے لگے۔

تعلیم

"میں سمجھتا ہوں کہ انسان کی روح بغیر تعلیم کے چتکبرے سنگ مرمر کے پہاڑ کی مانند ہے کہ جب تک سنگ تراش اس میں ہاتھ نہیں لگاتا اس کا دھوندلا اور بھدا پن دور نہیں کرتا اس کو خراش تراش کر سڈول نہیں بناتا اس کو پالش اور جلا سے آراستہ نہیں کرتا۔ اس وقت تک اس کے جوہر اُسی میں چھپے رہتے ہیں اور اس کی خوش نمانسیں اور دلربا رنگتیں اور خوبصورت خوبصورت بیل بوٹے ظاہر نہیں ہوتے۔ یہی حال انسان کی روح کا ہے۔ انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اس پر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوتا اس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر قسم کے کمال کی خوبیاں جو اس میں چھپی ہیں اور جو بغیر اس قسم کی مدد کے نمود نہیں ہو سکتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔" (سر سید احمد خاں)

کوئس®

مصنوعات بنانے والے پیش کرتے ہیں

• کوئِس مشروبات :
کوئِس **لیمن** کے اضافے کے ساتھ اب
چھ مختلف مزیدار ذائقے -
آئسکریم، سیب، انناس، سنترہ، ویمٹو اور لیمن -

• کوئِس اچار :
مینگو اور مِکس - لذیذ، چٹ پٹے، مزیدار -

• کوئِس فیرنی مکس :
زعفرانی اور سادہ -
ایک لیٹر اُبلتے ہوئے دودھ میں ایک پیکٹ
فیرنی مکس ملا کر پانچ منٹ سے دس
منٹ تک پکائیں - فیرنی تیار -

• کوئِس کسٹرڈ پاؤڈر :
تین مزیدار ذائقے - آپکے ذوق کے عین مطابق -

توشیبا
کا مخصوص انداز
آپ کے تفریحی لمحات کو دلچسپ ترین بنانے کیلئے
سُپر۔ ایس، ایس آئی بلیک اسٹرائپ II
توشیبا
C-2020P ٹیبل ٹاپ "20 کلر ٹی وی سیٹ
TOSHIBA
آر۔ بی انڈسٹریز (پرائیوٹ) لمیٹڈ
رضوی چیمبرز، اکبر روڈ، صدر، کراچی۔ فون: 720033-720034

آئیے بنیں "آرٹسٹ"

خانے میں دی ہوئی تصویر کو
لائینوں کی مدد سے مکمل کریں۔
اچھا آرٹسٹ بننا ہے تو
نفاست کا خیال رکھنا ہوگا۔

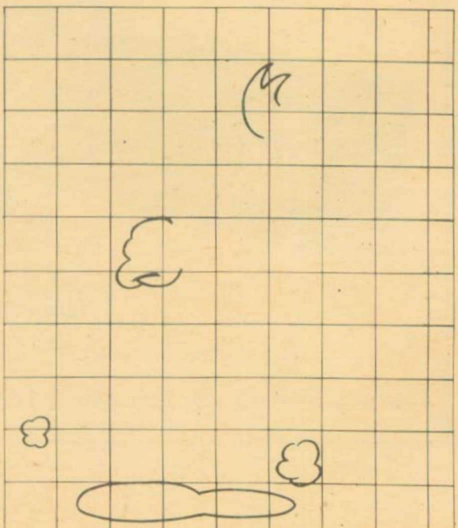

دودھ اور مکھن کا
شیریں احساس

رائل بٹر ٹافی
رائل چاکلیٹ ٹافی

رائل کنفیکشنری انڈسٹریز 24/22-سی-ایس-آئی-ای-گوجرانوالہ

اندھا بابا

طاہر مسعود

عرفی کو اسکول سے واپسی میں دیر ہو گئی تھی۔ وہ نیلی آنکھوں اور گھنگریالے بالوں والا سفید رنگت کا لڑکا تھا۔ روزانہ اسکول میں چھٹی کا گھنٹہ بجتے ہی وہ گھر کا رستہ لیتا۔ اس کے دوسرے ساتھی عدیل، آصف، عدنان وغیرہ کچھ دیر پارک میں بھی گزارتے تھے جہاں مصنوعی جھیل میں بطخیں تیرتی رہتی تھیں۔ وہاں کھیلتے اور درختوں پہ چڑھتے تھے لیکن عرفی کبھی ان کے ساتھ نہ پارک میں گیا تھا اور نہ ہی ان دلچسپ کھیلوں میں شریک ہوا تھا۔ اس کا جی تو بہت چاہتا تھا لیکن اس نے کبھی ایسا کیا نہیں تھا۔ اسے بادل اچھے لگتے تھے، درخت اچھے لگتے تھے، بطخیں اچھی لگتی تھیں پارک میں جانا بھی اچھا لگتا تھا۔ اور کیوں نہ اچھا لگتا۔ آخر وہ بچہ تھا۔ اور بچوں کو تو یہ چیزیں اچھی لگتی ہیں۔ لیکن اسے ڈر لگتا تھا۔ کیونکہ اس کی امی نے بتایا تھا کہ جو بچے رستے میں رک کر کھیلتے ہیں انہیں اندھا بابا اٹھالے جاتا ہے۔ اس نے کبھی اندھے بابا کو دیکھا نہیں تھا۔ امی نے بتایا تھا کہ وہ لمبا سا چوغہ پہنے ہوتا ہے، بال لمبے اور شانوں پہ بکھرے ہوتے ہیں وہ گندے بچوں کو اٹھا کے اپنے چوغے میں چھپا لیتا ہے اور پھر تیز تیز قدموں سے اپنی کٹیا کی طرف چل دیتا ہے، جہاں پہنچ کے وہ انہیں کھا لیتا ہے۔ اس نے امی کی بات کا یقین کر لیا تھا لیکن اس کی سمجھ میں آج تک یہ نہیں آیا تھا کہ اس کے دوست جو پارک میں کھیلتے ہیں اور دیر سے گھر پہنچتے ہیں۔ انہیں اندھا بابا کیوں نہیں ملا۔ کئی بار اس کا جی چاہا کہ امی سے پوچھے لیکن ہر بار کوئی نہ کوئی ایسی بات درمیان میں آگئی کہ اسے پوچھنا یاد ہی نہ رہا۔ لیکن یہ خیال روز واپسی پہ ضرور ستاتا جب وہ اپنے دوستوں کو پارک کی طرف جاتا دیکھتا تھا۔ اگلے روز اگر عدنان، آصف یا عدیل میں سے کوئی غیر حاضر رہتا یا ان میں سے کسی کو اسکول پہنچنے میں تاخیر

ہوجاتی تو وہ دل ہی دل میں سمجھ بیٹھتا کہ ہو نہ ہو کل اندھا بابا اٹھالے گیا ہے۔ لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوجاتا جب وہ تینوں کو اکٹھا دیکھ لیتا۔ شاید اس کی امّی جھوٹ بولتی ہیں۔ وہ دل ہی میں سوچتا۔ لیکن پھر جلد ہی اسے اس خیال پہ شرمندگی ہوئی۔ کیونکہ اس کی امّی بہت اچھی تھیں اور اس نے انہیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا تھا۔

آج جب وہ اسکول سے گھر کے لئے روانہ ہوا تو آصف دور سے اسے دیکھ کے چیخا، "عرفی — پارک چلوگے؟"

"نہیں — میں گھر جاؤں گا" اس نے بھی تقریبًا چلّا کر جواب دیا۔

"تم بالکل بدھو ہو عرفی — چلتے کیوں نہیں۔ بہت مزہ آئے گا" عدیل نے بھی آصف کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"تم لوگ جاؤ۔ میں تو گھر جاؤں گا۔" عرفی نے مضبوطی سے کہا۔ حالانکہ اس کا دل بہت چاہ رہا تھا۔ اس نے کبھی جھیل نہیں دیکھی تھی۔ اس کی امّی اسے پارک نہیں لیجاتی تھیں۔

اگر ابوّ ساتھ رہتے تو شاید وہ ان کے ہمراہ پارک کی سیر کرنے جا سکتا تھا لیکن وہ عرصہ دراز سے ملک سے باہر تھے۔ جہاں سے ان کے خط باقاعدگی سے آتے تھے یا پھر کبھی کبھار وہ اس کے لئے مختلف قسم کے کھلونے بھیج دیتے تھے۔ جن سے وہ کھیلتا رہتا تھا۔ چھوٹی سی بندوق خوبصورت سا بلاّ اور گیند اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔ لیکن وہ ان سے کھیل کھیل کے تنگ آچکا تھا۔ آخر وہ ان سے کب تک کھیلتا۔ وہ تو اس پارک میں جا کے مصنوعی جھیل کے نیلے پانیوں میں بطخوں کو تیرتے، ہرنیوں کو چوکڑیاں بھرتے اور لمبی گردن والے زرافے کو دیکھنا چاہتا تھا۔ یوں بھی یہ پارک — پارک کے علاوہ اچھا بھلا چڑیا گھر بھی تھا اور جب عدیل اور آصف نے اسے چلنے پہ اصرار کیا تو ایک لمحے کے لئے تیار بھی ہوگیا تھا — لیکن پھر اسے ایک دم امّی کا کہا یاد آگیا۔ اور وہ ان کے ساتھ چلنے کے خیال کو ذہن سے جھٹک کے گھر کی طرف چل دیا۔

پیلی عمارت والی سڑک کو عبور کرتے ہوئے اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک دراز قد قامت بوڑھا جس نے رنگ برنگے کپڑے کے ٹکڑوں سے بنا ہوا لمبا چوغہ پہن رکھا ہے اور جس کے بال سفید، الجھے ہوئے اور کسی قدر بڑے ہیں۔ اپنے ہاتھ میں چھڑی لئے کھڑا ہے۔

خوف کی سرد لہر عرفی کی رگوں میں سرایت کرگئی۔ "اندھا بابا" بے ساختہ ایک ہی خیال اس کے ذہن میں آیا۔ مگر وہ تو پارک نہیں گیا — لیکن وہ جانا تو چاہتا تھا۔ اس نے ارادہ تو کیا تھا۔ اس کے ذہن میں خیالوں کا ہجوم تھا۔ خوف تھا۔ اور اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ اور جب وہ سڑک عبور کرکے دوسری طرف پہنچا تو اس وقت تک اندھا بابا اس کے سر پہ آپہنچا تھا۔ وہ لاٹھی ٹیکتا ہوا آیا تھا اس کی رفتار بھی تیز تھی۔

اب یہ ضرور مجھے اٹھا کے اپنے چوغے میں چھپالے گا۔ عرفی نے یہ سوچا اور چاہا کر بھاگنا شروع کر دے، چلانا شروع کردے۔ لیکن اس سے قبل کر وہ کوئی قدم اٹھاتا اس کے کانوں میں آواز آئی:"

"سنا بیٹا!" عرفی ٹھٹھک گیا۔ آواز ملائم اور شفیق تھی۔ اسے سن کر بالکل بھی خوف نہیں آیا۔ اس نے گردن موڑ کے دیکھا۔ بوڑھے کی آنکھیں بے نور تھیں اور چہرے پر بے پناہ جھریاں تھیں۔

"بیٹا!" مجھے سڑک تو پار کرادینا!"

عرفی کے لئے فیصلہ کرنا دشوار ہوگیا۔ کہیں یہ اندھے بابا کی کوئی چال تو نہیں، سڑک پار کرتے ہی وہ اسے اٹھا کے اپنے چوغے میں چھپاکر بھاگ تو نہیں جائے گا۔ ابھی اسی قسم کے خیالات اس کے ذہن میں تیزی سے آرہے تھے۔ اس نے بوڑھے کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ ایک پریشان حال چہرہ تھا۔ اُسے وہ نظم یاد آئی جس میں ایک جگنو نے اندھیری رات میں بُلبل کو اس کے آشیانے تک پہنچایا تھا۔ عرفی نے آگے بڑھ کے بوڑھے کی لاٹھی تھام لی اور سڑک کے دونوں طرف دیکھتے ہوئے اس پار چل دیا۔

عرفی جب گھر پہنچا تو اسے دیر ہوگئی تھی۔ زیادہ نہیں تھوڑی سی دیر لیکن وہ بہت خوش تھا۔ اس نے امیّ سے کہا:

"امیّ پتہ ہے آج کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟" امیّ نے اس کے گلے سے بستہ نکالتے ہوئے پوچھا۔

"آج مجھے اندھا بابا ملا تھا؟"

"کیا تم پارک گئے تھے۔؟"

"نہیں ـــ وہ مجھے رستے میں ملا تھا، آپ تو کہتی تھیں کہ وہ بچوّں کو کھالیتا ہے لیکن اس نے تو میرے سر پہ ہاتھ پھیرا اور مجھے دعائیں دیں"

"اچھا" امیّ نے دلچسپی سے کہا۔

"ہاں۔ میں نے اسے سڑک پار کرائی۔ وہ دیکھ نہیں سکتا تھا۔"

"تم نے اچھا کیا عرفی ـــ مگر اب تم جلدی سے کپڑے بدل لو، کھانا پہلے ہی ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

امیّ یہ کہہ کر باورچی خانے کی طرف چلدیں۔ عرفی کو محسوس ہوا کہ وہ اب بڑا ہوگیا ہے کیونکہ آج اس نے ایک بڑا کام کیا تھا۔

خبردار

بلوائی مالک مکان کو بڑی مشکلوں سے گھسیٹ کر باہر لے آئے۔ کپڑے جھاڑ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بلوائیوں سے کہنے لگا "تم مجھے مار ڈالو لیکن خبردار میرے روپے پیسے کو ہاتھ لگایا۔"

Reshma 222®
دھلائی کیلئے جدید ترین صابن
ریشماں 222®
میل کاٹنے کیلئے لیموں کے رس
اور آپکے ہاتھوں کی نازک جلد کی
حفاظت کیلئے ناریل کے تیل کی
اضافی خصوصیت کے ساتھ
AMIN
امین سوپ اینڈ آئیل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پوسٹ بکس :4602، کراچی۔ فون: 231343-237856
MASS

قسط نمبر ۱

سیّد ابواحمد عاکف

دھرتی پر میرا سفر

دریائے سندھ اپنے سفر کی رُوداد خود سُناتا ہے

میں ایک دریا ہوں۔ ویسے تو لوگ مجھے بہت سے مختلف ناموں سے جانتے ہیں مگر پاکستان میں بسنے والے زیادہ تر لوگ مجھے دریائے سندھ کہتے ہیں یہاں خاص بات یہ ہے کہ میرے انگریزی نام انڈس INDUS پر اس پورے برصغیر کا نام انڈیا رکھا گیا ہے۔ یوں تو بہت سے دریا مجھ سے زیادہ لمبے اور بڑے ہیں۔ مگر میرا شمار ان چار مشہور دریاؤں میں ہوتا ہے جن کے کناروں پر انسان نے جدید تہذیب کی بنیاد ڈالی یعنی ان چار دریاوں کے کناروں پر انسانوں نے پہلی بار بڑے شہر بسائے اور مل جل کر بڑے گروہوں میں رہنا شروع کیا۔ ان دریاؤں

کے نام نیل، دجلہ، فرات اور یانگٹزے YANGTAZE ہیں۔ نیل اور یانگٹزے مجھ سے بہت زیادہ لمبے ہیں مگر میں بھی تبت اور لداخ کے پہاڑوں سے نکل کر بحیرہ عرب میں گرنے سے پہلے دو ہزار میل (تین ہزار کلومیٹر) کا سفر طے کرتا ہوں اور اس طرح میرا شمار دنیا کے لمبے ترین دریاؤں میں ہوتا ہے۔

یہ تو آپ کو پتہ ہی ہوگا کہ براعظم ایشیا کے بیچوں بیچ دنیا کے تین سب سے بڑے سلسلے ہیں، ہمالیہ، قراقرم اور ہندوکش۔ ان پہاڑوں کی اونچائیوں پر سارا سال برف جمی رہتی ہے۔ مگر ہاں چوٹیوں سے کچھ نیچے کی برف بہار کے بعد سے پگھلنا شروع ہو جاتی ہے۔ پہاڑوں کے دامن میں انتہائی حسین جھیلیں بھی ہیں جو سردیوں میں جم جاتی ہیں۔ اوائل بہار میں ان پہاڑوں اور جھیلوں کی برف پگھل کر چھوٹے چھوٹے نالوں کی شکل اختیار کر لیتی

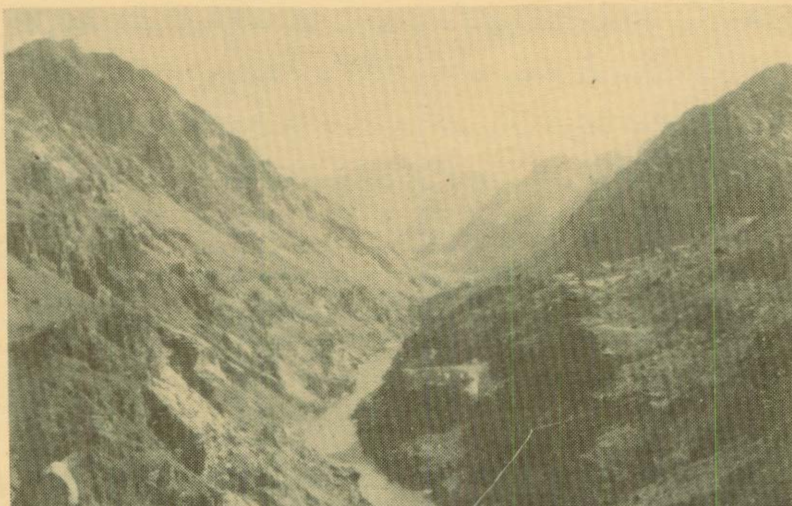

ہے۔ جنوب مغربی تبت میں واقع کیلاس کے پہاڑی سلسلے میں ایک مقام پر جہاں ایسے ہی بہت سے نالے آملتے ہیں وہیں سے میں ایک دریا کی شکل میں اپنے سفر کا آغاز کرتا ہوں۔ اس مقام کی بلندی سطح سمندر سے سولہ ہزار فٹ زیادہ ہے تبت سے نکل کر میں ہمالیہ کے پہاڑی

سلسلے میں کوئی ۲۰۰ میل کا سفر طے کرتا ہوں یہ علاقہ لداخ کہلاتا ہے اور یہیں میرے کناروں پر پہلا بڑا شہر آباد ہے۔ اس شہر کا نام لیہ ہے اور یہ آج کل مقبوضہ کشمیر میں واقع ہے۔

لیہ سے تقریباً پچاس میل کے فاصلے پر میں ڈالسر نامی گاؤں کے قریب جنگ بندی اور قبضے کی حدود کو عبور کرتا ہوا پاکستان میں داخل ہوتا ہوں اس مقام پر پاکستانی افواج انتہائی مشکلات کے باوجود اپنے وطن کے دفاع کے لئے سارا سال تیار رہتی ہیں بہت سی سرحدی چوکیوں پر تو پورے سال برف جمی رہتی ہے۔

سرحد پار کرنے کے تین میل کے بعد دریائے مشنگو جو خود بھی کشمیر سے آرہا ہے مجھ میں آملتا ہے۔ گرمیوں کے آغاز میں اس مقام پر آپ بڑی آسانی سے میرے مٹیالے اور مشنگو کے صاف نیلے پانی میں تفریق کر سکتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں کافی دور سے سفر کرتا ہوا آ رہا ہوتا ہوں اور یوں راستے میں بہت سے پہاڑی نالوں کا پانی اور کیچڑ میں مل کر میرے پانی کو مٹیالہ کر دیتا ہے۔

اس علاقے میں بہت سے چھوٹے چھوٹے خوبصورت گاؤں میرے کناروں پر آباد ہیں ان میں رہنے والے لوگوں کے لئے باہر کی دنیا سے واحد رابطہ ایک پتلی سی کچی سڑک ہے جو میرے کناروں کے ساتھ ساتھ پہاڑوں سے چمٹی ہوئی چلتی رہتی ہے۔ اس سڑک پر صرف جیپ یا ٹریکٹر سے سکردو جایا جا سکتا ہے جو میرے کناروں پر واقع پاکستان کا پہلا شہر ہے۔ اسکردو سے پہلے اور پھر کچھ دور جاکر اس کے بعد مجھ پر کشتیوں سے سفر اس لئے ممکن نہیں کہ میرے پاٹ کے درمیان پانی کی سطح کے ساتھ ساتھ بہت بڑے بڑے پتھر ہیں اور پھر میری رفتار اس قدر تیز ہے کہ ماہر سے ماہر کشتی راں بھی مجھ سے نبرد آزما نہیں ہو سکتا۔ اسکردو سے کوئی بیس میل پہلے دریائے شیوک مجھ میں شامل ہو جاتا ہے۔ اسی دریا پر میرے ساتھ سنگم سے ساٹھ میل پر سیاچین گلیشیر کا علاقہ ہے جہاں آج کل ہماری اور بھارتی افواج کے درمیان کافی کشیدگی ہے۔ سرحد میں داخل ہونے کے ساٹھ میل کے بعد میں اسکردو کی وسیع وعریض وادی میں داخل ہو جاتا ہوں۔ یہ وادی کوئی بیس میل لمبی اور بارہ میل چوڑی ہے۔ یہاں میرا بہاؤ جو اسکردو سے پہلے بہت تیز ہوتا ہے۔ کئی سست رفتار حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ اسکردو ضلع بلتستان کا

صدر مقام ہے اور کے ۔ ٹو یا ماشر بروم جیسی چوٹیوں کو سر کرنے والی جماعتوں کے لئے پہاڑوں پر چڑھنے سے پہلے کی منزل حال ہی میں اسکردو کو سڑک کے ذریعے شاہراہ قراقرم سے منسلک کر دیا گیا ہے اور یوں گلگت تک کا ڈیڑھ سو میل کا سفر کئی دِنوں سے کم ہو کر چند گھنٹے رہ گیا ہے ۔ مگر اب بھی پہاڑی چٹانوں اور تودوں کے گرنے کی وجہ سے کبھی کبھار راستہ بند ہو جاتا ہے اور پھر باقی ملک سے رابطہ صرف ہوائی جہاز کے ذریعے رہتا ہے ۔

اسکردو کی وادی چھوڑنے کے بعد میرے سفر کا سب سے خطرناک حصّہ آتا ہے ۔ یہاں میں کئی ہزار فٹ بلند پتھر کی سپاٹ اور عمودی چٹانوں کے درمیان سے بہتا ہوں بعض مقامات پر تو میری گہرائی ۱۶۰۰ فٹ سے زیادہ ہے جو دنیا کے تمام دریاؤں میں سب سے زیادہ ہے ۔ سو میل تک شمال مغرب کی سمت میں بہتے ہوئے میں بُنجی نامی قصبے پہنچتا ہوں جو شاہراہ قراقرم پر گلگت سے ۲۰ میل دور واقع ہے یہاں دریائے گلگت جو خود دریائے ہنزہ کا پانی بھی ساتھ لا رہا ہوتا ہے ۔ مجھ میں شامل ہو جاتا ہے یہیں سے مشہور قراقرم ہائی وے ، جسے شاہراہ ریشم بھی کہتے ہیں ۔ میرے ساتھ ہو لیتی ہے ۔ اس عظیم سڑک کی تعمیر میں بیس سال لگے اور (۵۰۰) پانچ سو سے زیادہ پاکستانی اور چینی فوجی جوانوں اور محنت کشوں کی جانیں بھی کام آ گئیں ۔ اس شاہراہ کو جسے بین الاقوامی اخبارات نے ایشیا کی معجزاتی سڑک کا خطاب دیا پاکستان کے شمالی علاقوں کی شہ رگ کی حیثیت حاصل ہے ۔ اس کی تعمیر سے پیشتر شمالی علاقوں میں سفر انتہائی دشوار گزار تھا بلکہ سردیوں میں تو برف گر جانے کے بعد ناممکن ۔ اب اسلام آباد سے ہنزہ تک کا سفر صرف سولہ گھنٹے میں اور چین کے مشہور شہر کاشغر تک تیس گھنٹے میں پہنچا جا سکتا ہے ۔ آٹھ صدیاں پہلے اسی راستے سے مشہور قدیمی سیاح مارکو پولو یورپ سے چین گیا تھا اور اس علاقے سے گزرنے میں اسے کئی ماہ لگے ۔ اب اگلے سال یہاں سے ایک گاڑیوں کی دوڑ کا اہتمام کیا گیا ہے جس میں فرانس کے شہر پیرس سے چین کے دار الحکومت پیکنگ (یا موجودہ بیجنگ) کے درمیان سولہ ہزار کلو میٹر کے فاصلے کو صرف پچیس دِنوں میں طے کرنا ہو گا جس مقام پر سڑک پاکستان میں داخل ہوتی ہے اسے درۂ خنجراب کہتے ہیں اور یہاں سڑک کی بلندی سطح سمندر سے سولہ ہزار فٹ ہے ۔

ننجی سے جنوب کی جانب بہتے ہوئے میں اپنے ہی نام سے موسوم وادی یعنی انڈس ویلی اور انڈس کوہستان سے گزرتا ہوں یہاں شاہراہ قراقرم میرے ساتھ کبھی دائیں کنارے پر تو کبھی بائیں کنارے پر چلتی رہتی ہے۔ سڑک پر سفر کرنے والی گاڑیوں کے لئے منظر بہت دلفریب ہوتا ہے۔ نیچے میرا بہاؤ اور اوپر بلند و بالا پہاڑ جن پر کہیں برف پوش چوٹیاں ہیں تو کہیں دور تک چیڑ کے درخت۔ راستے میں چیلاس، داسو، پٹن، بیشام اور ٹھگرام نامی قصبے آتے ہیں۔ ٹھگرام کے بعد سڑک تھاکوٹ کے مقام پر مجھے عبور کرتی ہوئی مانسہرہ اور ایبٹ آباد کی طرف چلی جاتی ہے۔ میری وادی نہ صرف سڑک بنانے والوں کے کام آئی بلکہ راولپنڈی سے گلگت اور اسکردو جانے والے ہوائی جہازوں کے لئے بھی راہ نما ہے جہاز میرے عین اوپر پرواز کرتے ہوئے جاتے ہیں کیونکہ دونوں جانب پچیس ہزار فٹ بلند پہاڑ ہیں (جن میں مشہور چوٹی نانگا پربت بھی ہے) جب کہ فوکر جہازوں کے اڑان کی انتہا پندرہ ہزار فٹ ہے۔

تھاکوٹ سے کچھ ہی فاصلے پر تربیلا ہے۔ یہاں دنیا کا دوسرا سب سے بڑا مٹی کی بھرائی سے تعمیر شدہ بند ہے۔ اس بند کے ذریعے سے روکے گئے پانی سے جہاں ہماری زرخیز زمینوں کے لئے پانی میسر ہوتا ہے وہیں ملک کے کارخانوں اور شہروں کے لئے بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ تربیلا کا محل وقوع بہت خوبصورت ہے۔ بند کی وجہ سے سرسبز و شاداب پہاڑوں کے درمیان وادی میں دور تک ایک لمبی جھیل بن گئی ہے۔ ہوائی جہاز سے اس کا نظارہ تو ناقابلِ فراموش ہے۔

تربیلا کے بعد میں پوٹھوار کے مرتفعائی اور کم بلند پہاڑی علاقے میں داخل ہو جاتا ہوں بند کے کچھ ہی فاصلے پر دریائے سوات اور پھر کوئی پندرہ میل دور نوشہرہ کے قریب دریائے کابل مجھ میں آ ملتے ہیں، میرے اور دریائے کابل کے سنگم کے فوراً بعد گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے نو تعمیر شدہ اٹک (خیر آباد) کا پل آتا ہے مگر اصل شہرت ۱۸۸۳ء میں تعمیر کردہ سُرخ رنگ کے اس فولادی پُل کو حاصل ہے جو میرے اوپر ریل اور سڑک کا پہلا مشترکہ پل ہے اور جو اٹک کے پل کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ اسی مقام پر میرے نیچے سے ایک سرنگ بنانے کی بھی کوشش کی گئی تھی مگر اس علاقے

کی سخت چٹانوں کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوا۔ اٹک سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب "سفر کی انتہا" ہے میرے حوالے سے اس کے معنٰی اس لئے درست ہیں کہ اٹک سے اوپر میرے چڑھاؤ (بہاؤ کی مخالف سمت) کی جانب کشتی کا سفر تقریباً ناممکن ہے۔ اس مقام سے ۵۱۰ سنہ قبل مسیح (کوئی ڈھائی ہزار سال قبل) میں ایران کے حکمران ڈاریس DARIUS کے حکم پر یونانی ملاح سکائی لیکس SCYLAX نے اپنے دریائی سفر کا آغاز کیا اور میری پوری لمبائی پر سفر کرتا ہوا بحرِ عرب تک پہنچا۔ ۱۹۷۸ء میں تین پاکستانی مہم جو نوجوانوں نے بھی اٹک سے سو میل اور اوپر چڑھاؤ کی طرف سے اپنا سفر شروع کیا اور میرے آخری سرے تک گئے تاریخی اعتبار سے بھی اٹک ایک اہم مقام ہے کیونکہ برصغیر میں شمال مغرب کے درۂ خیبر سے داخل ہونے والے تمام فاتح اور ان کی افواج اکثر یہیں سے مجھے عبور کر کے پنجاب اور شمالی ہندوستان کے میدانی علاقوں میں داخل ہوئے ۱۵۸۶ء میں مغل بادشاہ اکبر نے موجودہ پل کے عین اوپر ایک پہاڑی پر اس مقام کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کروایا یہ قلعہ آج بھی اٹک کے تابناک ماضی کی ایک شاندار نشانی کے طور پر موجود ہے۔

اٹک سے جنوب کی طرف میرے دائیں کنارے پر صوبہ سرحد کا ضلع پشاور اور بائیں

کنارے پر صوبہ پنجاب کا سابق کیمبلپور اور موجودہ اٹک ضلع ہے۔ اس علاقے میں میرے دونوں کناروں پر کم بلند پتھریلی چٹانیں اور پہاڑیاں ہیں آزادی سے قبل یہاں ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد رہتی تھی اور ان کے مندر اور گھاٹ آج بھی میرے کناروں پر موجود ہیں. مجھ پر واقع اگلا شہر خشمال گڑھ ہے مگر یہاں پہنچنے سے قبل میں کئی دفعہ اپنا رُخ بڑے بڑے زاویوں سے تبدیل کرتا ہوں خشمال گڑھ میں ہی مجھ پر دوسرا ریل اور سڑک کا پل ہے جو سنہ ۱۹۰۷ء میں تعمیر ہوا تھا اس پل پر راولپنڈی سے کوہاٹ جانے والی سڑک گزرتی ہے۔ خشمال گڑھ سے نیچے پہاڑ کی جانب میں قدرے پرسکون ہو جاتا ہوں مگر یہاں پر بھی نیچی پہاڑیاں میرے پانی کو اپنے درمیاں محدود رکھتی ہیں۔ لیکن اب زیرِ آب پتھروں پر بہاؤ والے حصے ا

اور موڑ کم ہو جاتے ہیں۔ خشمال گڑھ سے پچاس میل کی مسافت پر مکھڈ نامی قصبہ میرے بائیں کنارے پر آتا ہے اور پھر مکھڈ سے مزید پچیس میل آگے کالا باغ کا شہر میرے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ اس مقام پر ملک کا سب سے زیادہ بجلی پیدا کرنے والے بند تعمیر کرنے کا منصوبہ آج کل حکومت کے زیرِ غور ہے۔ اور ہاں اس علاقے میں خام لوہے اور نمک کی مشہور کانیں بھی واقع ہیں جن کی پیداوار کو میرے اوپر سے ٹرالی کے ذریعے دوسرے کنارے تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

کالا باغ کے فوراً بعد میرے پانی پر ایک اور قسم کی رکاوٹ تعمیر کی گئی ہے۔ یہ ہے جناح بیراج آپ کو یقیناً ڈیم یا بند اور بیراج میں فرق تو پتہ ہی ہوگا مگر چلیے میں ایک بار پھر بتاتا چلوں۔ ڈیم تو ایسے مقامات پر بنائے جاتے ہیں جہاں دریا کا راستہ روک کر ڈیم کے پیچھے زرعی استعمال یا بجلی بنانے کے لئے پانی کا ذخیرہ کیا جا سکے۔ عام طور پر ڈیم پہاڑی علاقوں میں دریائی وادیوں کے آرپار بنائے جاتے ہیں ان کے برعکس بیراج اس لئے تعمیر کئے جاتے ہیں کہ ان کی مدد سے دریا کے بہاؤ کو آڑ دیکر بیراج کے دائیں اور بائیں سے نہریں نکالی جا سکیں۔ ڈیم کے برخلاف ان کے پیچھے کوئی آبی ذخیرہ نہیں ہوتا اور اس لئے یہ میدانی علاقوں میں تعمیر کئے جاتے ہیں۔

جناح بیراج ان چھ بیراجوں میں پہلا ہے (سن تعمیر کے لحاظ سے نہیں بلکہ جغرافیائی طور پر شمالاً جنوباً میرے بہاؤ کے حوالے سے) جو مجھ پر تعمیر کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ چشمہ، تونسہ، گدو، سکھر اور حیدرآباد کے مقامات پر بھی بیراج ہیں۔

ضیاالحق قاسمی

کِینہ پروَری

آپ نے یہ تو سنا ہی ہو گا اور اپنی کتابوں میں بھی پڑھا ہو گا کہ کوّا بڑا چالاک اور لومڑ بڑا مکّار جانور ہے دوسرے جانوروں میں بھی الگ الگ عادتیں ہوتی ہیں جیسے انسانوں میں بھی الگ الگ قسموں کی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ اونٹ ایک بڑا جانور ہے جس کے بارے میں

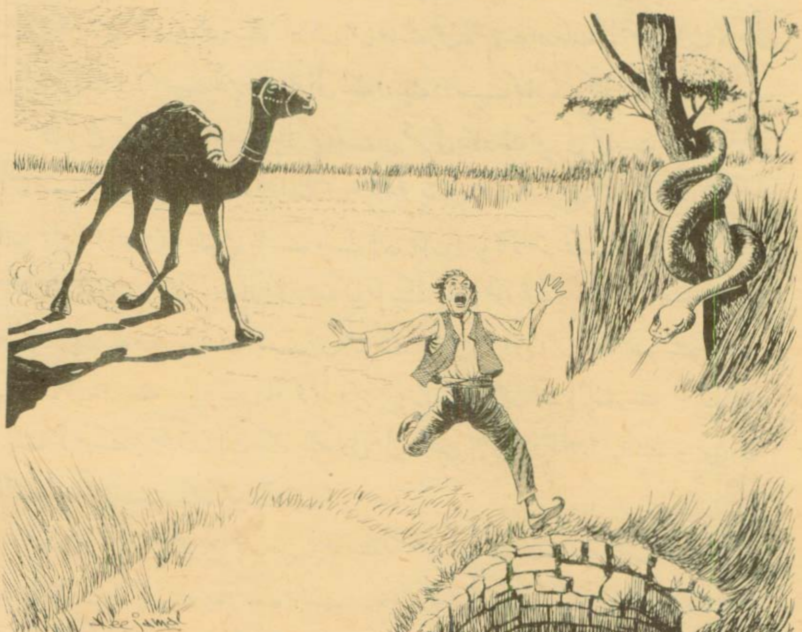

کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا کینہ پرور ہوتا ہے. کسی بات کو بھولتا نہیں اور جب کبھی اسے موقع ملتا ہے وہ اپنے دشمن سے بدلہ لے لیتا ہے.

آج ہم آپکو ایک ایسے کینہ پرور اونٹ کا واقعہ سناتے ہیں جس نے اپنی اس بری عادت کے سبب اپنے ہی مالک کی جان لینا چاہی. واقعہ یوں ہے کہ ایک لکڑہارا روزانہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر جنگل کو جاتا لکڑیاں کاٹ کر شام کو گھر واپس لوٹتا. ایک روز لکڑہارا جنگل سے واپس آرہا تھا بازار سے گزرا تو ایک دکاندار نے اسے آواز دی کہ لکڑیاں منڈی میں لے جانے کی بجائے اس کے ہاتھ بیچ دے لکڑہارا اونٹ سے اترا. لکڑیاں اتار کر وہ دکاندار سے پیسے لے رہا تھا کہ اونٹ نے ایک راہ چلتے بچے کے بالوں کو منہ میں لے کر اوپر اٹھا لیا. بچے کے چیخنے پر سب لوگ جمع ہو گئے اور بچے کو اونٹ کے منہ سے چھڑانے کی کوشش کی مگر اونٹ چھوڑنے کا نام نہ لیتا تھا. آخر مالک نے اونٹ کی ایسی پٹائی کی کہ اونٹ نے بچے کو چھوڑ دیا. بچے کو معمولی زخم آئے مگر جان بچ گئی.

ہم پہلے یہ ذکر کر چکے ہیں کہ اونٹ بڑا ہی کینہ پرور جانور ہے آج کی پٹائی کا اسے بڑا صدمہ تھا یوں لگتا تھا کہ وہ اپنے مالک سے اس کا بدلہ ضرور لے گا.

دوسرے روز لکڑہارا حسب معمول جنگل کی طرف جا رہا تھا کہ اونٹ راہ میں آنے والے ہر درخت سے اس طرح اپنے جسم کو چھو کر چل رہا تھا جس سے اس کا مالک کسی نہ کسی طرح نیچے گر جائے. لکڑہارے کو کل کی بات یاد آگئی اور وہ سمجھ گیا کہ اونٹ اس سے بدلہ لے گا. وہ سوچنے لگا کہ اونٹ سے جان کیسے بچائی جائے جنگل میں اس کی مدد کرنے والا بھی کوئی نہ تھا. اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی. اونٹ جب ایک بڑے درخت کے ساتھ اپنے جسم کو ٹکرا رہا تھا تو لکڑہارے نے اس درخت کی ایک بڑی شاخ پکڑ لی اور اونٹ کو چھوڑ کر درخت پر چڑھ گیا اونٹ نے جب دیکھا کہ لکڑہارا اب جان بچانے کے لئے درخت پر چڑھ گیا ہے تو اس نے درخت کو زور زور سے ہلانا شروع کیا کہ کسی نہ کسی طرح وہ نیچے آ گرے اور وہ اس سے اپنا انتقام لے سکے. لکڑہارا بڑا پریشان تھا اور اللہ سے دعا کرنے لگا کہ اے میرے مولا اس موذی جانور سے میری جان بچا. اونٹ کئی گھنٹوں تک درخت کو ہلاتا رہا مگر لکڑہارے کو نیچے گرانے میں کامیاب نہ ہو سکا آخر تھک ہار کر وہ درخت کے نیچے ہی بیٹھ گیا اور لکڑ

ہارے کے نیچے اترنے کا انتظار کرنے لگا لکڑ ہارا درخت پر بیٹھا بیٹھا تھک گیا تھا شام کا وقت بھی قریب تھا اس نے فیصلہ کیا کہ اللہ کا نام لے کر درخت سے کود جائے اور بھاگ کر کسی دوسری جگہ پر پناہ لی جائے۔ لکڑ ہارے نے جب چھلانگ لگائی اور تیزی سے بھاگا تو اونٹ بھی اس کا پیچھا کرنے لگا لکڑ ہارے نے جب دیکھا کہ وہ زیادہ بھاگ نہ سکے گا اور اونٹ اس کو آدبوچے گا تو اس نے راستے میں پڑنے والے ایک پرانے زمانے کے خشک کنوئیں میں چھلانگ لگا دی اونٹ بھی کنوئیں کے پاس آکر رک گیا اور اپنی لمبی گردن کنوئیں کے اندر ڈال کر لکڑ ہارے کو اچکنے کی کوشش کرنے لگا کنوئیں کی گہرائی زیادہ نہ تھی قریب تھا کہ اونٹ اس کو اپنے منہ میں دبوچ لے کہ لکڑ ہارا لیٹ گیا اسی کشمکش میں رات ہو گئی لکڑ ہارا بڑا پریشان تھا اللہ سے دعا کی کہ اے مالک میری راہنمائی فرما۔ اور اس دشمن سے مجھے نجات دلا۔ لکڑ ہارے کی دعا قبول ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد اونٹ کے گرنے کی آواز آئی۔ لکڑ ہارا سمجھا کہ شاید یہ بھی اونٹ کی کوئی چال ہے۔ کنوئیں سے باہر نکلنے کا اس میں حوصلہ نہ تھا آخر وہ اللہ کا نام لے کر باہر نکلا تو دیکھا کہ اونٹ واقعی مر چکا ہے۔

کسی زہریلے سانپ نے اسے ڈس لیا تھا اور اس کے جسم پر ڈسنے کے نشانات موجود تھے

بچو! دیکھا آپ نے کینہ پروری کتنی بڑی برائی ہے اونٹ کو اپنے کئے کی سزا ملی اور لکڑ ہارے کو اللہ کی ذات پر پختہ یقین کے سبب نئی زندگی ملی۔

مہمان نوازی

ایک مہمان نواز بھیڑیئے نے غریب بکری کے بچے سے کہا:۔

"کیا آپ میرے غریب خانہ کو اپنی تشریف آوری سے عزت بخشیں گے"؟

بکری کے بچے نے جواب دیا "جناب کی ملاقات میرے لئے بڑے فخر و ناز کا سبب ہوتی اگر آپ کا دولت خانہ آپ کا معدہ نہ ہوتا"

Montgomery

Biscuits, Sweets and Toffees

The Height of Delight!

اپنے دانتوں کو
مزے سے صاف کیجئے
کرسٹل کے تین ذائقے، تینوں مزے دار
کرسٹل ریڈ جیل میں چیری، گرین جیل میں
منٹ اور کرسٹل وہائٹ میں منٹ فریش۔
کرسٹل سے برش کیجئے، ٹوتھ پیسٹ کا مزا
لیجئے دانت ہمیشہ صاف، چمکدار اور کیڑا
لگنے سے محفوظ۔
Crystal
سانس خوشگوار، دانت چمکدار
Crystal
Crystal
Crystal White

"بستہ اور بچّہ"

افق دہلوی

کمزور سا ہے بچّہ — بھاری مگر ہے بستہ
بستے میں اس کے کیا ہے — کتنا بھرا ہوا ہے!
ہے دیکھنے میں پیاری — ہے ہر کتاب بھاری
بچّہ ہے تیسری کا — مضموں ہر اک ہے پڑھتا
اردو بھی لے رکھی ہے — انگلش بھی لازمی ہے
اسلامیات بھی ہے — سائنس بھی سیکھنی ہے
اس میں حساب بھی ہے — اس کا جواب بھی ہے
تاریخ بھی ہے دیکھو — جغرافیہ بھی سمجھو
کاپی ہے خوش خطی کی — تختی سے جان چھوٹی
اس میں سب ہی کتابیں — آدھی پھٹی ہوئی ہیں
ان سب کو جب پڑھے گا — پروان تب چڑھے گا
ایسی کبھی افق جی — تم نے پڑھائی کی تھی؟

آپ کی پسندیدہ اور مقبول ترین

بلّی مارکہ

میٹرو مِلن

اگربتّی

بھینی بھینی

اور مسحور کُن خوشبو والی

بلّی مارکہ

میٹرو مِلن اگربتّی

سیلوفین ایئر ٹائٹ پیکنگ میں

ٹیئر اسٹریپ کے ساتھ

تمام ممتاز ڈیلروں سے دستیاب ہے۔

تیار کردہ:

میٹرو اگربتّی کمپنی پوسٹ بکس نمبر ۴۸۸ - کراچی

فون: ۲۹۲۷۳۷ - ۲۹۰۸۷۷ - ٹیلیکس ۲۳۴۳۴، میٹرو پی کے

مُصطفیٰ چاند

سکون

چند لمحے پہلے ہی مِس اَنیلا کلاس سے کر باہر نکلی تھیں کلاس میں بیٹھی تمام لڑکیاں کافی دیر تک خاموش بیٹھی رہیں مگر جب انہیں یقین ہوگیا کہ مِس اَنیلا کلاس سے دور جا چکی ہیں تو بُت کے بتوں میں گویا جان سی پڑ گئی پھر کلاس میں کان پھاڑ دینے والا شور گونجنے لگا۔

تمام لڑکیوں نے کلاس میں ادھم مچا رکھا تھا کوئی اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کی چٹیا کھینچ کر انجان بن جاتی کہیں سب سے آخر میں بیٹھی نسرین، حِنا کی طرف چاک کا ٹکڑا اُچھال کر زور سے اقبال کی نظم پڑھنے لگتی۔

"اُوئی......" دائیں طرف بیٹھی کوثر ایک دم بلبلا اُٹھی۔
"کیا ہوا......؟" غزالہ نے کوثر کو چلاتے ہوئے دیکھا تو بولی۔
"مجھے سوئی کس نے چبھوئی ہے......" کوثر نے کندھے کو مسلتے ہوئے بڑے غصّے کے ساتھ پیچھے بیٹھی چاروں لڑکیوں کو مخاطب کیا۔
"ہمیں نہیں معلوم......" فرح نے کاغذ پر مسلسل کارٹون بناتے ہوئے نگاہیں اٹھائے بغیر کہا "اچھا تو پھر یہ تم ہو......" کوثر نے فوزیہ کو گھورتے ہوئے کہا۔
"نہیں کوثر قسم لے لو جو میں نے سوئی چبھوئی ہو ویسے میرے خیال میں تمہیں کسی مچھر نے کاٹ لیا ہوگا...... فوزیہ کے اس جملے پر چاروں کے قہقہے بلند ہوئے تو کوثر سیخ پا ہو گئی
"ٹھیک ہے ابھی تم خود ہی بتاؤ گی......" کوثر یہ کہہ کر کلاس سے باہر نکلنے لگی۔
"ارے......ارے کوثر کہاں جا رہی ہو......" کوثر کو باہر جاتا دیکھ کر چاروں اس کے ارادے کو بھانپ گئیں
"مس طاہرہ کے پاس......" کوثر نے مختصر سا جواب دیا۔
مس طاہرہ کا سن کر ان چاروں کی گھگھی بندھ گئی۔ ان کی نگاہوں کے سامنے مس طاہرہ کا دبلا پتلا سراپا لہرایا جن کی چھڑی ان کے مجازی خدا کی طرح ساتھ رہتی تھی اور وہ ذرا ذرا سی بات پر سزا دینے سے نہیں چوکتی تھیں۔
"اے کوثر کی بچی......" چاروں گویا ایک ساتھ بیدار ہو کر کوثر کو بلانے لگیں۔
"کیا ہے......؟" کوثر نے دُور ہی سے اکڑ کر کہا۔
"سوئی فوزیہ نے چبھوئی تھی......"
"اے لے......بدتمیز لڑکی، میں نے کب سوئی چبھوئی تھی......" فوزیہ ایک دم بپھر گئی۔
"جھوٹی بڑھیا......ابھی تو نے نہیں چبھوئی تھی......" فرح نے تنک کر کہا اور پھر دوسرے ہی لمحے دونوں میں ٹھن گئی۔ فرح کی چٹیا فوزیہ کے ہاتھ اور فوزیہ کے بال فرح کی گرفت میں تھے...کوثر نے ان کی ہاتھا پائی دیکھی تو واپس اگلی ڈیسک پر آ کر بیٹھ گئی کلاس کے تمام ہنگامے اپنے جوبن پر تھے۔
"خاموش......خاموش......" اچانک کلاس کی مانیٹر نگار ہاتھ لہرا لہرا کر سب کو خاموش کرانے لگی۔ تھوڑی ہی دیر بعد تمام لڑکیاں خاموش ہو کر بلیک بورڈ کو دیکھنے لگیں اور اگلے ہی لمحے سب کے قل قل کرتے

قہقہے کمرے میں بکھرنے لگے۔ مہ ناز بڑی مہارت کے ساتھ مس انیلا کا کارٹون بنا رہی تھی۔

"واہ کیا تصویر بنائی ہے ......" سلمیٰ نے ہاتھ کا مُکّا فضا میں بلند کر کے کہا۔

"شش ششش ......" مہ ناز نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر ایک تشکارا مارا.. تمام لڑکیاں خاموش ہو کر پھر اس کی جانب دیکھنے لگیں اور مہ ناز کسی ماہر نقال کی طرح مس انیلا کی نقل کرتے ہوئے انہی کے انداز میں کمرے میں پھرنے لگی۔

"آنپ لوگوں میں سیں جو کل نئیں آئیں وہ کھڑی ہوں جائیں ......" مہ ناز نے بالکل مس انیلا کی طرح ناک میں لفظوں کو چباتے ہوئے انہی کا جملہ دہرایا تو پوری کلاس ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

"آئیں سلمان آپ کا نبی چینک کروائیں ......" اور پھر سے پوری کلاس قہقہوں میں ڈوب گئی

ابھی مہ ناز مس انیلا کی نقل کر ہی رہی تھی کہ اچانک مس انیلا کلاس میں داخل ہوئیں ایک لمحہ کو مہ ناز کو یوں لگا جیسے اُسے بھرے بازار میں چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا گیا ہو..... زمین اُس کے قدموں تلے سے سرک رہی تھی مس انیلا نے شعلہ فشاں نگاہوں سے مہ ناز کو دیکھا اور بلیک بورڈ پر اپنے بنے ہوئے کارٹون کو مٹانے کا اشارہ کیا۔ مہ ناز نے بالکل مشینی انداز میں گھوم کر بلیک بورڈ صاف کیا

"بیٹھ جائیے مہ ناز ......" مس انیلا کی نرم آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو جیسے اُسے یقین نہ آیا کہ مس انیلا اسے معاف کر دیں گی۔

"مہ ناز میں نے آپ سے کہا نا بیٹھ جائیے ......" اور مہ ناز لڑکھڑاتے قدموں کی لغزش سے بے نیاز پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی اس کا دل اب بھی بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ مس انیلا نے مزید کسی گفتگو کے پڑھانا شروع کر دیا۔ گھڑی کی تھرکتی سوئی لمحوں کو دھکیلنے لگی۔

"ٹن ....ٹن ....ٹن ...." آواز کی تیز گونج مہ ناز کو فرحت دینے لگی کیونکہ مس انیلا اب اپنا پرس سنبھال کر جانے کی تیاری کر رہی تھیں مگر مہ ناز کو اب بھی ایک خوف تھا کہ جیسے وہ جاتے ہوئے کہیں گی۔

"مہ ناز آپ میرے ساتھ آیئے ......"

مگر مہ ناز اِن لفظوں کی گونج نہ سن سکیں کیونکہ مس انیلا اس کے چہرے پر ایک بھرپور نگاہ

ں کرکمرے سے باہر جا چکی تھیں مہ ناز چند لمحوں تک مبہوت بیٹھی رہی اور پھر جیسے اسے ایک
ہوش آ گیا ہو۔

ہوش و حواس کو واپس، ہلچل مچی دنیا میں لے آیا اور وہ دوبارہ اپنی فطری بے چینی کے باعث
ملا کرنے والوں میں شامل ہو گئی۔

آج اتفاق سے وہ پھر مس انیلا کی نقل کرتے ہوئے انہی کے ہاتھوں پکڑی گئی تھی مہ ناز
بنی ان کے سامنے کھڑی تھی مگر مس انیلا نے اس بار بھی اُسے شائستہ زبان میں بیٹھ جانے کو
پھر تو گویا وہ شیر ہو گئی کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ مس انیلا اُسے کچھ نہیں کہیں گی.....

یوں وہ اکثر مس انیلا کی نقل کرتے ہوئے پکڑی جاتی اور بجائے شرمندہ ہونے کے وہ مسکراتی
ں بیٹھ جاتی۔

سردیوں کی چھٹیاں اب قریب تھیں چند ہی دنوں بعد وہ اپنا ہوم ورک لیے گھر آ گئی تھی سردیوں
ان چھٹیوں میں اُس نے اسکول کا کام رات دن بیٹھ کر مکمل کیا تاکہ باقی دن وہ سکون کے ساتھ
و تفریح کر سکے مگر مس انیلا کا دیا ہوا کام اس نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا تھا وہ جانتی تھی کہ مس اسے
ہیں کہیں گی۔

چھٹیوں کے دن اس نے سیر و تفریح میں گذار دیئے اگلے دن اسکول کھل رہے تھے اس نے رات
ا اپنا بستہ نکال کر رکھ دیا اور اگلے دن بستہ اٹھائے اسکول جا رہی تھی اسکول کے گیٹ کے
ں ہی اسے فرح، کوثر، فوزیہ اور نسرین کھڑی دکھائی دیں۔

کیا بات ہے اندر نہیں جانا.....؟ مہ ناز نے رسمی گفتگو کے بعد کہا۔

"آج پڑھائی نہیں ہو گی....." فرح نے انکشاف کیا۔

"کیوں.....؟ مہ ناز نے بے تابی سے پوچھا۔

"کل مس انیلا کا حادثہ میں انتقال ہو گیا ہے ان کے بھائی نے میڈم کو آ کر اطلاع دی ہے"
کا لہجہ دُکھ میں ڈوبا ہوا تھا۔ "آج ان کے لیے قرآن خوانی ہو گی....."

ایک لمحے کو مہ ناز جھنجھلا کر رہ گئی اُس کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا۔

"اُف خدایا یہ کیا ہو گیا....." مہ ناز پھوٹ پھوٹ کر رو دی تینوں اس کے اطراف حیران
کھڑی تھیں شاید انہیں توقع نہیں تھی کہ مہ ناز کو مس انیلا کے انتقال کا اسقدر دکھ ہو گا

حالانکہ مس انیلا کو سب سے زیادہ مہ ناز ہی تنگ کرتی تھی مگر مہ ناز کو کیا ہوا تھا.....؟ وہ یہ بات سوچنے سے قاصر تھیں.

اُس رات مہ ناز تمام وقت جاگتی رہی۔اس کے اندر کی لڑکی اس کو ملامت کر رہی تھی کہ وہ اپنی غلطیوں کی معافی بھی نہ مانگ سکی تھی کہ مس اس سے بہت دور جا بسیں تھیں تمام رات اس کی آنکھوں میں کٹی۔فجر کی اذان اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ بستر چھوڑ کر اُٹھی اُس دن مہ ناز نے پہلی بار رب کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی اور مس کے لئے دعائے مغفرت مانگی

پھر جب اگلے دِن وہ اسکول گئی تو وہ یکسر بدل چکی تھی سب حیران تھے مگر یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا کہ مہ ناز نے شرارتوں کو دفن کر کے مس انیلا بننے کا تہیہ کر لیا تھا.

اب سنجیدگی اس کی ذات کا حصّہ بن چکی تھی پھر اِسکول کا حسین دور یادوں میں ڈھل گیا اور وہ کالج میں آگئی اب وہ اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف تھی وہ ٹیچر بننا چاہتی تھی۔

مس انیلا کی طرح۔اور پھر جب ایک شام وہ گھر لوٹی تو وہ واقعی مس بن چکی تھی مس مہ ناز.....!

گرین گرلز سیکنڈری اسکول میں مہ ناز اب بچوں کو پڑھانے جاتی تھی آج اس کو اِس اسکول میں ایک مہینہ ہونے والا تھا ننھی منّی لڑکیوں کو پڑھاتے ہوئے اُسے خوب مزہ آتا تھا.

آج بھی وہ اپنی کلاس لینے کے بعد باہر نکل رہی تھی تنگ سی راہداری سے گذرنے کے بعد وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔اچانک اسے یاد آیا۔ پاپرس تو کلاس ہی میں بھول آئی تھی اس خیال کے آتے ہی وہ راہداری عبور کر کے واپس کلاس کیطرف بڑھنے لگی اس سے پہلے کہ وہ کلاس میں قدم رکھتی اس کی سماعتوں سے ایک آواز ٹکرائی اور وہ جیسے پتھر کی ہو گئی ہو۔مہ ناز کی کلاس میں ایک بچی کہہ رہی تھی .

خاموش..... خاموش..... دیکھو جمیلہ . مہ ناز مس کی نقل اتارے گی ....." اور پھر وہ بچی کمرے میں ٹہلتے ہوئے مہ ناز کی آواز میں اُس کی نقل اتارنے لگی ..... باہر دیوار سے لگی مہ ناز کو یوں لگا جیسے اُس کا بچپن لوٹ آیا ہو تیزی سے اندر داخل ہوئی بلیک بورڈ پر ایک بچی مہ ناز کا کارٹون بنا رہی تھی مس کو اندر داخل ہوتے دیکھکر دونوں بچیاں خوف کے مارے اپنی سیٹوں پر دوڑ پڑیں .

"یہاں آیئے آپ دونوں ......" مہ ناز نے تیز آواز میں کہا اور وہ دونوں کپکپاتے ہوئے مہ ناز کے سامنے آ کھڑی ہوئیں .

"مس معاف کر دیں اب ایسی غلطی نہیں کریں گے ......" ایک بچی رو رو کر معافی مانگ رہی تھی اور دوسری سراسیمہ سی کھڑی اپنی سزا کا اعلان سننا چاہتی تھی مہ ناز ان دونوں کو بلا کر کہیں کھو سی گئی۔

"مس معاف کر دیں اب ایسی غلطی نہیں کریں گے ......" اب وہ دونوں ہی ہاتھ جوڑے مہ ناز سے معافی مانگ رہی تھیں اچانک مہ ناز گویا ہوئی۔

"رخشندہ آپ بلیک بورڈ پر میرے کارٹون بنائیں اور جمیلہ آپ میری نقل اتاریئے۔"

"مگر...... مس...... معاف...... کر...... دیں......" بچیاں پھر گڑگڑانے لگیں۔

"میں نے آپ سے جو کہا ہے وہی کریں۔ یہی آپ کی سزا ہے اگر آپ ایسا نہیں کریں گی تو آپ کا نام آج ہی رجسٹر سے خارج کر دوں گی ......" مہ ناز نے حاضری کے رجسٹر کو ہاتھ میں لے کر کہا۔

جمیلہ اور رخشندہ اسکول سے نام کٹنے کا سن کر رونے لگیں مگر مہ ناز کے حکم میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ اب جمیلہ مہ ناز کے سامنے اس کی نقل اتار رہی تھی اور رخشندہ بلیک بورڈ کو اس کے کارٹون سے بھر چکی تھی۔

مہ ناز خاموشی سے ان کو دیکھ کر سوچ رہی تھی کہ شاید اس طرح میں اپنے گناہوں کی تلافی کر کے سکون کی نعمت حاصل کر سکوں ......!!!

مطالعے کے ایک عام شوقین کی آنکھیں زندگی بھر میں کوئی ایک ہزار میل لمبی سطور کی مسافت طے کرتی ہیں۔ ایک سست قاری ایک منٹ میں تقریباً تین سو لفظ اٹھا سکتا ہے۔ گویا ایک عام گفتگو کرنے والے سے دو گنے اور لکھنے والے سے دس گنا زیادہ الفاظ! اس حساب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی آدھ گھنٹے کی مدت میں نوے گز لمبی سطر پڑھ سکتا ہے۔

پروفیسر لطیف اے خان

ہاتھی

ہم سب کا ساتھی

ہاتھی کا ذکر ہندوستان کی پرانی مذہبی کتابوں میں ملتا ہے۔ ان کتابوں میں ہاتھی کو مرگو ہستی کہا گیا ہے۔ مرگو۔ہستی سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں ایک ہاتھ والا جانور۔ اب سمجھ میں آیا کہ ہاتھی کو ہاتھی کیوں کہتے ہیں۔

ہاتھی کی سونڈ ہاتھ کی طرح کام کرتی ہے۔ اس لئے اسے پرانے زمانے میں ایک ہاتھ والا جانور کہتے تھے اور اسی وجہ سے یہ ہاتھی یعنی "ہاتھ والا" مشہور ہو گیا۔

لیکن انگریزی زبان میں ہاتھی کو ایلی فینٹ کہتے ہیں۔ یہ انگریزی نام عربی زبان سے لیا گیا ہے عربی میں ہاتھی کو "الفیل" کہتے ہیں یہی لفظ ال فیل جب انگریزی زبان میں پہنچا تو ال فینٹ سے ایلی فینٹ بن گیا۔

ہاتھی کو عربی، فارسی، اور ترکی تینوں زبانوں میں فیل کہا جاتا ہے. دلچسپ بات یہ ہے کہ یورپ کے شمالی علاقوں کی زبان میں بھی ہاتھی کو "فیل" ہی کہا جاتا ہے. یہ علاقے اسکینڈی نیویا کہلاتے ہیں انکی زبان بھی اسی نام سے مشہور ہے. ہاتھی کا ذکر قرآن شریف میں موجود ہے. جس سورۃ میں ہاتھی کا ذکر ہے اسے سورۃ الفیل کا نام دیا گیا ہے اس سورۃ میں مکّہ پر ہاتھی والوں کے حملے کا ذکر ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ خدا نے کس طرح چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو بھیجا جو اپنی چونچ میں کنکر دبائے ہوئے تھیں. ان چڑیوں نے کنکریاں برسا کر خانہ کعبہ کو تباہ کرنے کے لئے آنے والے ہاتھیوں اور ان کے سواروں کو ہلاک کر دیا تھا.

پرانے زمانے میں ملک شام کی فوج میں ہاتھی کا ذکر ملتا ہے. یونان کے بادشاہ سکندرِاعظم نے جب اس علاقے پر حملہ کیا جو اب پاکستان کہلاتا ہے تو یہاں کے راجہ پورس کی فوج میں ہاتھی دیکھ کر گھبرا گیا. لیکن سکندرِاعظم نے تیر اور نیزے سے ہاتھیوں پر حملہ کر دیا. پورس کے ہاتھی گھبرا کر پلٹ پڑے اور اپنی ہی فوج کو کچلتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے. اس لئے اب بھی جو اپنے ہی ساتھیوں کو نقصان پہنچائے اسے محاورے کی زبان میں پورس کا ہاتھی کہا جاتا ہے.

ہاتھی جنوبی ایشیا کے علاوہ افریقہ میں بھی پایا جاتا ہے. لیکن افریقہ کے ہاتھی کو تربیت دینا اور اس سے کام لینا مشکل ہے. اس کے صرف دانت بڑے قیمتی ہوتے ہیں اسی لئے تو کہتے ہیں کہ ہاتھی جئے تو لاکھ کا اور مرے تو سوا لاکھ کا. ہمارے پڑوسی ملک ہندوستان اور سری لنکا کے علاوہ بنگلہ دیش، برما، اور تھائی لینڈ میں ہاتھی پایا جاتا ہے.

کبھی کبھی جنگلوں میں سفید رنگ کا ہاتھی بھی مل جاتا ہے یہ دراصل سورج مکھی ہوتا ہے. قدرتی طور پر اس کے خون میں کچھ چیزوں کی کمی رہ جاتی ہے. اس لئے اس کا رنگ سفید ہو جاتا ہے. کچھ علاقوں میں سفید ہاتھی کو خوشحالی کی علامت سمجھا جاتا ہے. اور کچھ جگہ اس کا الٹ ہے. عام طور پر سفید ہاتھی محنت کے وہ کام نہیں کرتا جو کالے رنگ کا ہاتھی کرتا ہے. اس لئے اسے ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے. کیونکہ یہ کھاتا تو کالے ہاتھی کی طرح ہے مگر کام کاج نہیں کرتا. اسی لئے ایسی چیزوں یا لوگوں کو جن پر خرچ زیادہ ہو اور جو کام نہ آئیں ان کے لئے "سفید ہاتھی" کا محاورہ استعمال کیا جاتا ہے.

تھائی لینڈ میں سفید ہاتھی خوشحالی کی علامت ہے۔ وہاں جس بادشاہ کے پاس سفید ہاتھی ہوتے ہیں اس کی حکومت کو لوگ اچھی حکومت سمجھتے ہیں۔

ہاتھی بہت قدآور ہوتا ہے۔ روس کے بادشاہ پیٹر کو ایران کے بادشاہ نے ایک ہاتھی تحفے میں بھیجا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ہاتھی کا قد ۱/۲ ۱۶ فٹ تھا۔ اس ہاتھی کا ڈھانچہ روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ عجائب گھر میں رکھا گیا تھا۔ ۱/۲ ۱۶ فٹ قد کا ہاتھی ایک عجوبے سے کم نہیں اس لئے کہ عام طور پر ہاتھی ۹ اور ۱۰ فٹ کے درمیان ہوتا ہے۔ ہندوستان کے ایک شہر جبلپور کے قریب ہاتھی کا ایک بہت پرانا ڈھانچہ ملا تھا۔ یہ ہاتھی ۱۵ فٹ اونچا تھا۔ اکبر بادشاہ کے پاس شاہی سواری کے لئے جو ہاتھی تھا اس کا قد گیارہ فٹ تھا۔ اکبر بادشاہ نے اس ہاتھی کا نام پری پیکر رکھا تھا۔

ہاتھی بہت ذہین جانور ہوتا ہے۔ اس کی وفاداری اور غصہ دونوں ہی بہت مشہور ہیں غصّے یا گرمی کی وجہ سے پاگل ہو جانے والے ہاتھی بڑی تباہی مچاتے ہیں۔ ہاتھی چلانے والے کو مہاوت کہتے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریز ہندوستان پر قابض ہو گئے تو انہوں نے مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر لیا۔ بہادر شاہ ظفر کی بے عزتی کرنے کے لئے انگریزوں نے شاہی سواری والے ہاتھی مولابخش کا نیلام کر دیا۔ نیلام کی بولی ایک تیلی کے نام ختم کی گئی۔ دِلّی کی جامعہ مسجد کی سیڑھیوں پر جب نیلام ختم ہوا تو شاہی ہاتھی "مولابخش" کے مہاوت نے کہا۔

لے بھئی مولابخش ساری زندگی بادشاہوں کی خدمت کی اب چل تیلی کے گھر کولہو چلائیں گے:: یہ سننا تھا کہ شاہی ہاتھی مولابخش دھڑام سے زمین پر گرا اور اس نے وہیں دم توڑ دیا۔ دیکھا آپ نے بادشاہ بہادر شاہ ظفر کا ہاتھی کتنا غیرت مند تھا۔

یوں تو دنیا میں ہاتھیوں کی ذہانت اور وفاداریوں کے بہت سے واقعات ہیں مگر امریکہ کے شہر بوسٹن کے سرکس والے ہاتھی کی بات ہی اور ہے۔ بوسٹن کے سرکس کے مالک نے اعلان کیا کہ ایک ہاتھی پاگل ہو گیا ہے اسے گولی مار کر ہلاک کیا جائیگا۔ سرکس کے چالاک مالک نے اس تماشے کا بھی ٹکٹ لگا دیا۔ بہت سے لوگ ٹکٹ خرید کر یہ دیکھنے

کے لئے جمع ہوئے کہ ہاتھی گولی سے کیسے مرتا ہے. ان لوگوں میں ایک بوڑھا انگریز بھی تھا جس کا نام ڈڈیارڈ کپلنگ تھا. وہ کافی دنوں تک ہندوستان اور پاکستان کے علاقے میں رہ چکا تھا۔ اس بوڑھے انگریز نے زنجیروں سے بندھے ہوئے ہاتھی کو دیکھا جو سخت غصے میں تھا. ہاتھی کو دیکھنے کے بعد یہ بوڑھا سرکس کے مالک کے پاس گیا اور بولا "جناب عالی میں اس ہاتھی سے بات کرنا چاہتا ہوں" سرکس کے مالک نے کہا بڑے میاں پاگل ہوگئے ہو کیا. یہ ہاتھی بہت خطرناک ہوگیا ہے. تم کو مار ڈالے گا. لیکن بوڑھا ڈڈیارڈ کپلنگ یہی کہتا رہا کہ کچھ بھی ہو مجھے ہاتھی سے بات کرنا ہے. آخر کار اس کے مالک نے اعلان کیا کہ ایک بوڑھا اس پاگل ہاتھی سے بات کرنا چاہتا ہے. وہ اپنی ذمہ داری پر ایسا کر رہا ہے. اگر ہاتھی نے اسے مار ڈالا تو اس کی ذمہ داری خود بوڑھے پر ہوگی.

ہاتھی کی ہلاکت کا تماشہ دیکھنے کے لئے آنے والے مجمع میں سنسنی دوڑ گئی. بوڑھا ڈڈیارڈ کپلنگ اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا چیختے چنگھاڑتے ہاتھی کے قریب پہنچا پہلے تو اسے قریب دیکھ کر ہاتھی نے بہت غصہ دکھایا. لیکن جب بوڑھے ڈڈیارڈ کپلنگ نے اردو زبان میں ہاتھی سے کہا "سلام کرو" تو سارا مجمع یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ ہاتھی سونڈ اٹھا کر بوڑھے کو سلام کر رہا ہے. بوڑھا انگریز ہاتھی سے باتیں کرتا رہا اور ہاتھی کے بہت ہی قریب چلا گیا اور ہاتھی نے اپنی سونڈ بڑھا کر بوڑھے سے پیار کا اظہار کیا. تماشائی حیرت زدہ تھے.

کسی نے کہا یہ بوڑھا جادوگر ہے. اس نے اپنے جادو سے پاگل ہاتھی کو ٹھیک کر دیا. لیکن بوڑھے نے اعلان کیا کہ یہ ہاتھی پاگل نہیں ہے. یہ ہاتھی جنوبی ایشیا کے علاقے کا ہے اس نے عرصے سے اپنے علاقے کی زبان نہیں سنی اس لئے غصے میں آگیا. اب میں نے اردو میں بات کی تو یہ ہاتھی خوش ہوگیا.

دیاڈیارڈ کپلنگ کے کہنے پر ہاتھی کو اردو بولنے والے ایک مہاوت کی نگرانی میں واپس اس علاقے میں بھیج دیا گیا جہاں لوگ اردو بولتے ہیں.

شام کا بھولا

سیّد عبدالودود شاہ

پہلی بار میں نے اسے کلاس ہی میں دیکھا تھا. ان دِنوں ڈھائی مہینے کی طویل چھٹیوں کے بعد پہلی بار اسکول کھلے تھے. نئی کلاس کی آخری نشستوں پر بیٹھا ہوا وہ لڑکا کچھ

عجیب سا ہی تھا سوکھا سا دبلا پتلا جسم، چھوٹی چھوٹی آنکھیں، سہما ہوا سا چہرہ۔ اور رہی سہی کسر رنگت نے پوری کر دی تھی۔ بالکل الٹے توے کی سی رنگت تھی۔ ابھی میں اس کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک طرف سے کسی نے آواز لگائی۔ بھئی کلاس میں آج اندھیرا ہو گیا ہے۔"

میں نے چونک کر ادھر دیکھا صابر کی ٹولی اپنی مخصوص جگہ ڈیرہ جمائے دانت نکال رہی تھی۔ "نہیں یار۔ کل ہم چڑیا گھر گئے تھے۔ وہاں بن مانس کا پنجرہ خالی تھا۔" توفیق نے کہا۔ اور کلاس میں قہقہے ابل پڑے۔ اس کی سمجھ میں شاید کچھ نہیں آیا۔ پہلے تو وہ حیرت سے سب کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ معاملہ سمجھ گیا۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا کر اپنے سامنے کھلی کتاب پر نظریں جمادیں "ارے یہ کلاس ہے۔ لنگوروں کا پنجرہ نہیں" نثار نے دوسرے کونے سے چلّا کر کہا۔ سبھی اس کی خاموشی کا فائدہ اٹھا رہے تھے اس نے ایک لمحہ آنکھیں اٹھائیں۔ سب کو ایک نظر دیکھا پھر اس کی نگاہیں دوبارہ کتاب پر جم گئیں۔ میں سوچنے لگا اس شیطان پارٹی کو کیسے چپ کراؤں۔ بدتمیزی کی بھی حد ہوتی ہے۔ کچھ دیر تک قہقہوں اور چبھتے ہوئے جملوں کا سلسلہ چلتا رہا آخر مجھے غصہ آگیا۔ "بند کرو یہ بکواس"۔ "اب کسی نے کوئی بکواس کی تو اس کا منہ توڑ دوں گا۔ ایک لمحے کو کلاس میں سناٹا چھا گیا۔" ہاں ہاں کیا کرو گے تم؟ اچانک صابر نے بڑے طنز سے پوچھا۔ تمہارے جیسے چھچھورے لوگوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتا۔" میں نے بگڑ کر کہا۔ لیکن جو میرے منہ آئیں ان کا دماغ بھی ٹھیک کرنا جانتا ہوں۔" میری اس دھمکی پر کلاس میں ایک لمحے سناٹا چھا گیا۔ "دیکھ لیں گے" صابر نے اچانک کہا۔ میں مسکرایا۔ "تمہیں شاید یاد نہیں رہا کہ میں ایک فوجی گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ فوجیوں کو ایسی دھمکی دینا احمقانہ بات ہے۔ خیر تم اپنی حماقت کا ڈھول پیٹنا چاہو تو مجھے کیا اعتراض؟" میں نے بات مکمل کی اور اسکی طرف چلا گیا۔ وہ ابھی تک اپنی جگہ چپ چاپ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ صابر تو کچھ کھسیا کر خاموش ہو چکا تھا۔

مجھے تابش رضا کہتے ہیں" میں نے اپنا تعارف کرایا۔ "تمہیں کچھ خیال نہیں کرنا چاہیئے ان باتوں پر دھیان نہ دو۔" اس نے اپنا سہما ہوا چہرہ اوپر اٹھایا۔ "میں کرامت علی۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔ میں نے اسکی طرف ہاتھ بڑھایا اس نے جھجکتے ہوئے مصافحہ کیا۔ صابر اینڈ کمپنی بڑے غصے سے ہمیں گھور رہی تھی۔

اور پھر بہت سارے دِن گزر گئے. میری اور کرامت کی دوستی گہری ہوتی گئی. کرامت سیدھا سادہ بلکہ بدھو سا لڑکا تھا. کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ہم دونوں کی دوستی کیوں قائم ہے. حالانکہ شکل وصورت، تعلیمی حیثیت اور ظاہری حالات میں ہمارا کوئی بھی جوڑ نہیں تھا. لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ دوستی کسی غرض اور لالچ کے بغیر ہوا کرتی ہے. ہم دونوں نے اپنی الگ جگہ بنالی تھی. صابر کی ٹولی کی حرکتیں اب بھی جاری تھیں البتہ اتنا فرق پڑا کہ انہوں نے کرامت اور اس طرح کے دوسرے لڑکوں کو تنگ کرنا چھوڑ دیا. لیکن آئے دِن کوئی نہ کوئی ہنگامہ کرتے ابھی پرسوں ہی بسکٹ والی مائی کے تھال سے دو درجن بسکٹ اُڑا لیے. بچاری روتی پیٹتی جارہی تھی میں نے صابر کو پکڑ لیا خوب ڈانٹا. اس سے مائی کے پیسے وصول کر کے اُسے دیئے. وہ مجھے دعائیں دیتی چلی گئی. اب مجھے صابر کو ایک دھمکی اور دینا پڑی وہ کچھ ڈر ضرور گیا لیکن میرا اندازہ تھا کہ وہ مجھ سے انتقام لینے کی فکر میں ہے کیونکہ میں نے اس کی داداگیری ختم کر دی تھی. میں چاہتا تو ہیڈ ماسٹر صاحب سے شکایت کر سکتا تھا. لیکن کسی کا مستقبل تباہ کرنا بھی اچھا نہیں لگتا تھا. اس لئے خود نمٹ لیتا تھا. اُس دِن حد ہوگئی.

ہم سب اسکول سے چھٹی کے بعد بس میں گھر جارہے تھے. صابر کی پلٹن بھی اسی بس میں جاتی تھی ایک جگہ سگنل پر گاڑی رُکی. صابر نے لپک کر قریب سے گزرتے ٹھیلے سے کیلے اٹھالئے سگنل ابھی کھلا نہیں تھا. اس لئے ٹھیلے والا ٹھیلا چھوڑ کر بس میں چڑھ آیا اس میں اور صابر میں ہاتھا پائی شروع ہوگئی. صابر موٹا تازہ تھا ٹھیلے والا کمزور آدمی. اس سے پہلے کہ میں کچھ کرتا صابر نے اُسے بس سے باہر دھکا دے دیا لیکن اتفاق سے اسی وقت سگنل کھلنے سے گاڑی چل پڑی جھٹکا لگنے سے وہ بھی باہر جاگرا. اور دوسرے ہی لمحے اس کی ٹانگیں بس کے نیچے آنے ہی والی تھیں کہ جیسے بجلی کا کوندا لپکا. کسی نے بس سے چھلانگ لگائی اور آناً فاناً صابر کو کھینچ لیا. یہ سب چند لمحے میں ہوگیا. میری تو سمجھ میں ہی کچھ نہیں آیا. اور جب میرے ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو صابر صحیح سلامت کھڑا تھا اور کرامت ایک دوسری بس کی زد میں آکر شدید زخمی ہو چکا تھا. صابر آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھے جارہا تھا. جیسے جو کچھ گزرا ہے اس پر اسے یقین نہیں آرہا ہو.

دو مہینے گزر گئے۔

یہ دو مہینے کرامت نے ہسپتال کے بستر پر گزارے۔ اس کی ایک ٹانگ کاٹنا پڑ گئی اس دوران صابر یا اس کے ساتھیوں میں ایک بھی نہیں آیا مجھے غصہ تو بہت آیا مگر خاموش رہا۔ سارے اسکول کے لوگ دیکھنے آئے لیکن صابر تو بڑا احسان فراموش نکلا۔ کبھی کبھی کرامت پوچھتا۔ "تابش۔ صابر تو ٹھیک ہے نا۔ میں جھلا کر کہتا۔ "بس چپ کرو"

نہیں یار تابش۔ ہمارا کام یہی ہے کوئی برائی کرے تو بھی ہم اس سے بھلائی کریں ہمارے پیغمبرؐ نے بھی تو پتھر مارنے والوں کو دعائیں دی تھیں"۔ میں جھنجھلا کر چپ ہو جاتا۔

"تابش۔ تابش۔ بھئی سنو تو۔" وہ کہتا رہ جاتا۔

اس دن اسے اسپتال سے رخصت مل رہی تھی میں نے ابو سے کہہ دیا تھا کہ وہ گاڑی لے آئیں۔ صبح گیارہ بجے کے قریب ہم باہر نکلے۔ دائیں طرف ابو نے بائیں طرف میں نے کرامت کو تھام رکھا تھا۔ وہ بیساکھی لگائے آہستہ آہستہ باہر نکلا۔ کرامت کے باقی گھر والے ہمارے پیچھے پیچھے تھے۔ کھیت پر ابو نے گاڑی کھڑی کی تھی میں نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ چونک کر مڑنا پڑا۔ صابر ایک طرف سے اچانک ہی نکل کر سامنے آگیا تھا۔ چند لمحے کو بھی حیرت زدہ رہ گئے۔

"مجھے معاف کرنا کرامت۔ میں تم سے بہت شرمندہ ہوں۔ تم نے میرے ساتھ جو نیکی کی ہے۔ اس کا بدلہ میں تم کو نہیں دے سکتا۔ میں تمہارے پاس اس لئے نہیں آرہا تھا کہ میں تم سے شرمندہ تھا۔" صابر نے جلدی جلدی کہا۔

کرامت خاموش رہا۔ صابر نے بے تابی سے پوچھا۔ "تم اب تو ناراض نہیں ہو؟"

کرامت کے گھر والے غصے سے اُسے گھور رہے تھے۔ اس کی وجہ سے تو کرامت اس حال کو پہنچا تھا۔ کرامت نے اسے غور سے دیکھا پھر مسکرا دیا۔ "کوئی بات نہیں" شام کا بھولا صبح کو واپس آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے"!

اور اس پر میں نے قہقہہ لگایا۔ ابو کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے میں نے مڑ کر دیکھا کرامت کے گھر والے دوسری گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ اور صابر۔ کرامت کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھا رہا تھا۔ شاید کرامت نے ٹھیک کہا تھا۔ شام کا بھولا صبح کو آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔

تواضع کے بہتر آداب
فریش ویل کا انتخاب
فریش ویل
سویٹس، حلوہ جات اور
خالص دیسی گھی بیرونِ ملک بلکہ
اندرونِ ملک بھی معزز مہمانوں
کی تواضع، عزیز و اقارب اور
دوست احباب کو سوغات
کے طور پر دینے کے لئے
خوش ذوق حضرات کا
بہترین انتخاب!
Pure
Desi Ghee
AHMED
Freshwel
KARACHI
HALWA
FRIED
Spicy Almonds
Sohan
Delight
احمد

Langnese
شہد کی مکھیوں
500 g
Langnese
Bee Honey
100% Pure
Selected Quality
تیس سے ساٹھ ہزار شہد کی
مکھیوں کی انتھک کوششیں
خالص اور غذائیت سے بھرپور
شہد کے صرف چند قطرے تحفے
کی صورت میں مہیا کرتی ہیں
اور وہ اپنی کوشش کے اس ثمر
کو لینگنیز کہلانا
پسند کرتی ہیں

جگنو

ظہیر احمد تاجؔ

اڑتے ہیں شرارے بکھرے ہیں نظارے
ننھے سے پتنگے
پھرتے ہیں طرارے

یا شمع جلائے پروانے ہیں آئے
لائے ہیں اڑاکر
محفل کے نظارے

پھولوں کی دمک سے غنچوں کی چٹک سے
قدرت نے بنائے
اڑتے ہوئے تارے

یا خاک کے جوہر اڑتے ہوئے گوہر
فطرت کی نظر سے
ذرّے ہوئے تارے

ننھّے سے دیئے ہیں چنگاری لئے ہیں
پھیلے ہیں فضا میں
ہر سمت نظارے

یا کرنیں ہیں لرزاں یا دل ہیں فروزاں
یا ٹوٹے فلک سے
کچھ شوخ تسارے

یا چاند کی کرنیں تاریک فضا میں
ہیں سیر کو نکلیں
بن بن کے تسارے

اے تاجؔ یہ جگنو اڑتے ہیں جو ہر سُو
قندیل جلائے
کرتے ہیں اشارے

بین الاقوامی معیار، مکمل گارنٹی کیساتھ
پریسٹو
فریزر
چھ مختلف سائز
ملک بھر میں بعد از
فروخت سروس کی
سہولت
اپنے قریبی
ڈیلر سے طلب
فرمائیں
تیار کردہ سلیم سنز لاہور
فون: 858566 / 851371
Z-68 کے سی ایچ ڈاکٹر محمود حسین روڈ کراچی 5 فون 418404
PRESTO
ORIENT

رومی بھیس بدلتا ہے
پاش والا
قسط نمبر ۵

عظیم سرور

رومی بچوں کی ایک فلم دیکھنے کے لئے گھر سے نکلا۔ ایک شخص نے ایک کار سے اتر کر تیزی سے ایک رومال اس کی ناک پر رکھا۔ رومی کا سر چکرانے لگا۔ اسے ہوش آیا تو وہ ایک کمرے میں قید تھا۔ تھوڑی دیر میں اسے کمرے سے نکال کر ایک بڑے سجے سجائے کمرے میں لے جایا گیا۔ ایک تخت پر ایک موٹا سا شخص بیٹھا تھا۔ سب اس شخص کو گرُو کہہ رہے تھے۔ رومی کو کسی سیٹھ رفیق کے بیٹے کے دھوکے میں پکڑ کر لایا گیا تھا۔ رومی نے بتایا کہ وہ سیٹھ رفیق کا بیٹا نہیں ہے۔ سیٹھ رفیق کے بیٹے کی تصویر منگوائی گئی تو پتہ چلا کہ موٹے گرُو کے آدمیوں نے غلطی کی تھی۔ موٹے گرُو نے سیٹھ رفیق کے بیٹے کو پکڑنے کے لئے کہا اور رومی کے بارے میں کہا کہ اسے بھی ختم کر دو کیونکہ اس نے ہم لوگوں کو دیکھ لیا ہے۔ رومی کو کمرے میں بند کرتے وقت وہ شخص کلوروفارم کی شیشی کمرے میں چھوڑ گیا۔ اس شیشی کو لے کر رومی آئندہ لمحوں کا انتظار کرنے لگا۔ ایک شخص کھانا لے کر آیا تو رومی نے اسے بیہوش کیا اور پھر وہاں سے نکل کر موٹے گرُو کے کمرے سے چابیاں نکال کر بنگلے سے باہر پہنچ گیا۔ باہر نکل کر اس نے رکشہ روکا اسے اپنے محلّے کا پتہ بتایا۔ رکشہ تیزی سے اس کے گھر کی طرف دوڑنے لگا۔ لیکن اس سے زیادہ تیزی سے رومی کا دماغ دوڑ رہا تھا۔

رومی گھر پہنچا تو اس کی امی نے خوشی سے گلے لپٹا لیا۔ محلّے کی عورتیں بھی جمع ہو گئیں۔ ابو رومی کی تلاش میں باہر گئے ہوئے تھے وہ رات دیر سے واپس لوٹے رومی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ رومی نے پورا قصہ بیان کیا پھر ان لوگوں نے اسی وقت سیٹھ رفیق کا نمبر ڈائرکٹری میں تلاش کر کے انہیں تفصیلات بتا کر کہا کہ اپنے بیٹے کی حفاظت کریں۔ آپ کا کوئی دشمن آپ کے لڑکے کو اغوا کرنا چاہتا ہے۔ سیٹھ رفیق اپنی کار میں رومی کے گھر آئے۔ رومی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور رومی اور اس کے ابو کے ساتھ پولیس اسٹیشن اس واقعہ کی رپورٹ لکھانے چلے گئے۔ کیس کی اہمیت کے پیش نظر انسپکٹر صاحب کو بلایا گیا۔ رومی نے پورا واقعہ بیان کیا۔ سیٹھ رفیق کو بھی اس درمیان اپنے دشمن کا اندازہ ہو گیا۔ تین چار ماہ قبل ایک موٹا آدمی دو تین آدمیوں کے ساتھ ان سے اپنی اسمگلنگ کی گھڑیاں بیچنے آیا تھا۔ جسے آدھی قیمت پر بھی سیٹھ رفیق نے لینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ وہ اس گستاخی کا بدلہ لے گا۔ اسسٹنٹ انسپکٹر نے بھی فائل دیکھ کر یہی بتایا کہ وہ بہت بڑا اسمگلر ہے اور یہ محکمہ تو اس کی تلاش میں ہے۔ انسپکٹر صاحب اسی وقت ان سب کو ایک جیپ میں بٹھا کر اس بنگلے کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک ٹرک پر پولیس ساتھ تھی۔ پولیس نے بنگلے کو گھیر لیا۔ انسپکٹر صاحب جب بنگلے کے اندر داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ بنگلہ خالی ہے۔ اسمگلر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ان لوگوں نے بنگلے کے مالک چوہدری برکت علی کا پتہ چلا کر اس سے اس کے کرایہ دار کے بارے میں معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ وہ نئے کرایہ دار ہیں اور ان کے بارے میں اُسے کچھ پتہ نہیں۔ انسپکٹر صاحب نے بتایا کہ وہ اسمگلر تھے اور اب بھاگ چکے ہیں تو چوہدری صاحب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پولیس نے کافی بھاگ دوڑ کی مگر موٹے گرُو کا کچھ پتہ نہ چلا۔ سیٹھ رفیق نے خوف سے اپنے بیٹے فرید کو گھر میں بند کر رکھا تھا۔ رومی بھی کافی احتیاط برتتا تھا۔ ایک دن رومی بازار میں جا رہا تھا کہ اسے موٹے گرُو کا ایک آدمی نظر آ گیا۔ رومی نے اس کا تعاقب شروع کر دیا۔ وہ شخص ہوٹل کے ایک کیبن میں جا کر بیٹھا تھا۔ رومی پہلے تو باہر کھڑا دیکھتا رہا پھر وہ ساتھ والے کیبن میں جا کر بیٹھا دوسری طرف کی آواز سننے کے لئے بے چین تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک دوسرا آدمی اس شخص سے ملنے آیا، وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارے لئے یہ حکم ہے کہ تم اکبر کو اطلاع دو کہ وہ کل صبح گیارہ بجے گاندھی گارڈن میں ایک آدمی سے ملے اور وہ جو حکم دے اس پر عمل کرے اس آدمی کی پہچان یہ ہوگی کہ وہ کالا رومال بائیں جانب کی پتلون کی جیب سے بار بار نکال کر اپنے چہرے پر پھیرے گا۔ اس نے یہ بھی کہا کہ گرُو کا یہ حکم اُسے ایک آدمی کے توسط سے ملا ہے۔ اور یہ کہ گرُو خود کسی کے سامنے نہیں آتا۔ پہلا آدمی گرُو کے ٹھاٹ باٹ پر بڑا رشک کر رہا تھا۔ دوسرے شخص نے اسے خرچ کے لئے روپے بھی نکال کر دیئے۔ اسی دوران رومی جلدی سے نکل کر باہر گیا تاکہ وہ اس کا چہرہ دیکھ سکے۔ پہلے تو وہی آدمی نکلا جس کا وہ تعاقب کرتا ہوا آیا تھا۔ دوسرا لمبا تڑنگا شخص تھا۔ جس نے رومی کو ختم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ دونوں باہر نکل کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملا کر علیحدہ ہو گئے۔ رومی نے سوچا کہ تعاقب کرنا فضول ہے۔ پولیس کو اطلاع دے دینی چاہئے۔

اب آگے پڑھیئے

رومی اور اس کے دوست نے چائے ختم کرلی۔ لیکن انسپکٹر صاحب کی چائے پیالی میں پڑے پڑے ٹھنڈی ہوگئی۔ وہ سوچ میں گم تھے۔ کئی دفعہ رومی کے ابّا نے کہا بھی کہ چائے ٹھنڈی ہورہی ہے۔ لیکن انسپکٹر صاحب۔ "جی ہاں" کہہ کر فائل دیکھتے رہے۔ وہ گہری سوچ میں گم تھے۔

رومی کے ابّا نے کہا۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں"۔

بس کل گیارہ بجے ان دونوں آدمیوں کو گرفتار کر لیجئے۔ پھر ان سے سارے گروہ کا پتہ چل جائے گا"۔

"انسپکٹر صاحب بولے"۔

یہی تو مشکل ہے۔ اس گروہ کے ساتھ کہ اس کے کسی آدمی کو پوری بات معلوم نہیں۔ ہم اگر ان کے کسی آدمی کو گرفتار کر بھی لیں تو وہ ہمیں کوئی بات نہیں بتا سکتا اس لئے کہ اس کو خود کچھ معلوم نہیں ہوتا اس سے پہلے بھی اس گروہ کے دو تین آدمیوں کو پکڑ چکے ہیں۔ لیکن اُن سے کوئی بات بھی معلوم نہ کر سکے۔

اس گروہ کے کام کا انداز کچھ ایسا ہے کہ مختلف لوگوں کے ذریعہ پیغام بھیجے جاتے ہیں۔

اصل جرم کب اور کہاں ہونے والا ہے یہ صرف ایک آدمی کو معلوم ہوتا ہے۔

"پھر تو بڑی مشکل ہو جائے گی"۔

رومی کے ابّا نے حیرت سے کہا۔

"جی ہاں"۔

انسپکٹر صاحب نے پھر فائل پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

اب دیکھئے نا اگر ہم اس سے پہلے آدمی کو پکڑ لیتے ہیں۔ جن کو ہوٹل میں یہ پیغام دیا گیا تھا کہ "اکبر کو بتا دو کہ کل گیارہ بجے گاندھی گارڈن پہنچ جائے"۔ تو یہ آدمی اس کے سوائے کچھ نہیں بتا سکتا۔

یہی تو اُس موٹے اسمگلر کے بچ نکلنے کا راز ہے کہ اُس نے ایک بہت بڑی ڈور الجھا کر پھینک دی ہے۔

"سرا ملتا ہی نہیں"۔

"تو کیا پھر اس مجرم کو یونہی کھلی چھٹی ملی رہے گی جو وہ جی میں آئے کرے"۔

رومی کے ابّا نے مایوسی سے کہا۔

"جی نہیں"۔ انسپکٹر صاحب بولے "اب اس مجرم کے دن بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔

میں اسے گرفتار کرا کے دم لوں گا۔
" لیکن اس کام میں مجھے رومی کی مدد کی ضرورت ہوگی "
" کس قسم کی مدد؟"
رومی کے ابّا نے کہا۔
" میں نے اپنے ذہن میں ایک جال بنایا ہے، اس جال کو مجرموں کے گرد صرف رومی ہی پھیلا سکتا ہے۔
" کہیے آپ تیار ہیں "
" میں تو تیار ہوں" رومی کے ابّا نے کہا۔"
لیکن یہ بہت ہی خطرناک کام ہے۔
انسپکٹر صاحب نے کہا، آپ اس کی پرواہ مت کیجئے۔
رومی کی حفاظت کے لئے دو آدمی سفید کپڑوں میں ہر وقت سائے کی طرح لگے رہیں گے۔
" بس تو میں تیار ہوں، میں رومی کو اللہ کے بھروسے پر آپ کے حوالے کرتا ہوں "

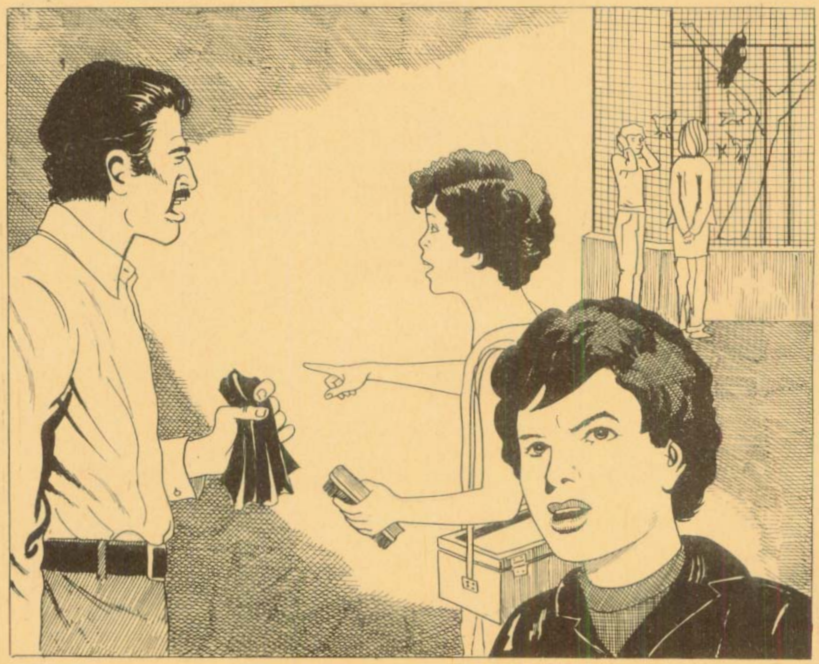

رومی کے آبا نے کہا۔
انسپکٹر صاحب نے رومی کی طرف دیکھا۔
"کیوں بیٹا تم بھی تیار ہو؟"
رومی ہمت سے بولا۔
"جی ہاں جناب"
"اچھا، تو تم کل صبح نو بجے یہاں آجانا ہم تمہیں ساری باتیں ہی سمجھا دیں گے۔"
"بہت اچھا جناب۔"
رومی کے ابّا چلنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے انسپکٹر صاحب سے ہاتھ ملایا۔ اور رومی انسپکٹر صاحب کو سلام کرکے تھانے سے باہر نکل آیا۔
گھر پہنچتے ہی شام گہری ہوگئی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد بستر پر لیٹ کر رومی آنے والے دن کے بارے میں سوچنے لگا۔
اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح رات ایک منٹ میں گزر جائے اور وہ پولیس اسٹیشن پہنچ جائے اور پھر موٹے گرو کی ٹولی پر جال پھیلا دے۔
صبح وہ بہت سویرے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ نہا دھو کر اُس نے وضو کیا اور نماز پڑھنے کے بعد اللہ سے اپنی کامیابی کی دُعا مانگی۔ اور پھر ناشتہ کرنے کے بعد صبح کا اخبار دیکھنے لگا۔
ٹھیک نو بجے وہ پولیس تھانے پہنچ گیا۔
انسپکٹر صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رومی کو دیکھتے ہوئے وہ اٹھے۔
آ گئے بیٹا۔ شاباش آؤ میرے ساتھ میں تمہیں ساری بات سمجھاتا ہوں۔
رومی اُن کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

پونے گیارہ بجے رومی گاندھی گارڈن میں داخل ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک صندوقچی تھی اور دوسرے ہاتھ میں ایک بڑا سا جوتے پالش کرنے والا بُرش۔ اُس نے میلی سی قمیض شلوار اور ایک میلی سی صدری پہن رکھی تھی۔ اُس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔
پیروں سے ننگا تھا۔

گارڈن میں اس وقت لوگ اِدھر اُدھر جا رہے تھے۔ کچھ لوگ باغیچوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔
رومی ان لوگوں کی طرف بڑھا اور اُس نے پہلی آواز لگائی۔
"پالش ...... ! بوٹ پالش"۔
پھر وہ آگے بڑھ گیا۔
رومی کی نظریں کالے رومال والے آدمی کو تلاش کر رہی تھیں۔

پولیس کے دو سپاہی سفید کپڑوں میں اُس سے دور دور چل رہے تھے۔
رومی کو گارڈن میں گھومتے ہوئے دس پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس کے ساتھ چلنے والے سپاہیوں میں سے ایک نے رومی کے پاس سے گزرتے ہوئے کہا۔
ہم لوگ ! سامنے درخت کے نیچے بنچ پر بیٹھے تمہاری نگرانی کر رہے ہیں۔
"گھبرانا مت"۔
رومی نے اُس کی بات کا جواب نہ دیا۔ بلکہ سپاہی کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ وہ یوں بنا رہا جیسے اُس سپاہی نے کوئی بات ہی نہ کی ہو۔
رومی بھی یہی چاہتا تھا کہ سپاہی اُس کے ساتھ ساتھ نہ پھریں۔ کیونکہ اس طرح سے اُس پر شبہ ہو سکتا تھا۔
سپاہی درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔
رومی باغیچوں کی روش پر گھومتا ہوا "بوٹ پالش" کی آوازیں لگاتا رہا۔
دس پندرہ منٹ اور گزر گئے۔ اُس کی تیز نگاہیں کالے رومال والے آدمی کو تلاش کرنے میں ناکام رہیں پھر وہ جانوروں کی طرف چل پڑا۔ ہر پنجرے کے سامنے لوگوں کی ٹولیاں جمع تھیں۔ لیکن ان میں سے اُسے کوئی ایسا آدمی نظر نہ آیا۔
لنگور کے پنجرے کے پاس جب رومی نے "بوٹ پالش" کی آواز لگائی تو لنگور اُچھل کر سلاخوں کے پاس آگیا اور اپنا پیر اُٹھا کر رومی کو دکھانے لگا۔
رومی اس کے پاس کھڑا ہو گیا اور برش دکھاتے ہوئے کہنے لگا۔
"پالش کروائے گا"؟
لنگور نے ایک بار پھر اپنا پیر سلاخوں سے باہر کی طرف نکالا۔

رومی نے اُس کے پیروں پر برُش پھیرا تو لنگور منہ کھول کر کھیں کھیں کرنے لگا۔

لنگور کو ہنستا چھوڑ کر رومی آگے بڑھ گیا۔ شیر، چیتے، ہرن، اور بارہ سنگھے سب ہی کے پنجرے کے پاس کھڑے ہوئے لوگوں کو دیکھتا ہوا وہ واپس آیا اور درخت کے نیچے پولیس کے سپاہیوں کی طرف دیکھا۔ جنہوں نے رومی کو ایک اشارے کے ذریعہ بتایا کہ انہوں نے ابھی ابھی تک کالے رومال والے کسی آدمی کو نہیں دیکھا ہے۔

رومی پھر "بوٹ پالش کی آوازیں لگاتا ہوا ایک طرف چل دیا۔ ایک جگہ اُس نے آواز لگائی تو ایک آدمی نے اُسے بلایا۔

" اس بوٹ کو پالش کرو۔ کتنا پیسہ لے گا:" رومی بولا "چار روپیہ۔"

" آدمی کی آنکھوں میں غصّہ اتر آیا۔ "بوٹ پالش کا چار روپیہ"

رومی نے کہا: "ہاں صاحب! ہم پالش بہت اچھی کرتا ہے بوٹ کو شیشے کے موافق بنا دے گا۔

" اس میں تم اپنا شکل بھی دیکھ سکتا ہے:" آدمی نے کہا" نہیں ہم ایک روپیہ دے گا۔"

رومی نے کہا۔ جی نہیں صاحب "ہم ایک دام بولتا ہے ہمیشہ"

آدمی بولا ! ابے کیا تو جوتے میں کستوری لگائے گا" پالش ہی تو لگانی ہے تجھے"

رومی نے کہا۔ "جی ہاں!" "لیکن ہم چار روپیہ لے گا:"

آدمی نے کہا نہیں!! اور اپنے جوتے پہن لئے اور کہنے لگا۔ جاؤ" بھاگ جاؤ اِدھر سے:"

رومی چاہتا بھی یہی تھا۔ کیونکہ اگر وہ جوتے پالش کرنے بیٹھ جاتا تو اس کا سارا کھیل بگڑ جاتا۔ اور پتہ نہیں کب کالے رومال والا آدمی آکر کسی سے بات کر کے چلا جاتا۔ اس لئے اس نے پالش کرنے کی اُجرت اتنی بتائی تھی کہ وہ آدمی اس پر تیار نہ ہوتا۔

رومی کو اس طرح گھومتے گھومتے تقریباً پون گھنٹہ گزر گیا۔ سورج آگ برسا رہا تھا اور موٹے کپڑے اُس کے بدن کو کھائے جا رہے تھے۔

سب سے بڑھ کر پریشانی اس بات کی تھی کہ اب تک اُسے وہ آدمی نظر نہ آیا تھا۔ کبھی کبھی اُسے خیال آتا کہ کہیں وہ آدمی آکر چلا گیا نہ ہو اور وہ اُسے دیکھ نہ سکا ہو۔

ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ فوارے کے پاس پہنچ کر ایک آدمی نے اپنی پتلون کی بائیں جانب سے کالا رومال نکالا اور چہرے پر پھیر کر پسینہ خشک کرنے لگا۔

رومی کے دل کی کلی کھل گئی۔

پھر کیا ہوا؟ یہ آئندہ شمارے میں پڑھیئے۔

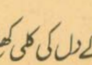

نظر دوڑائیے ـــــ دماغ لڑائیے

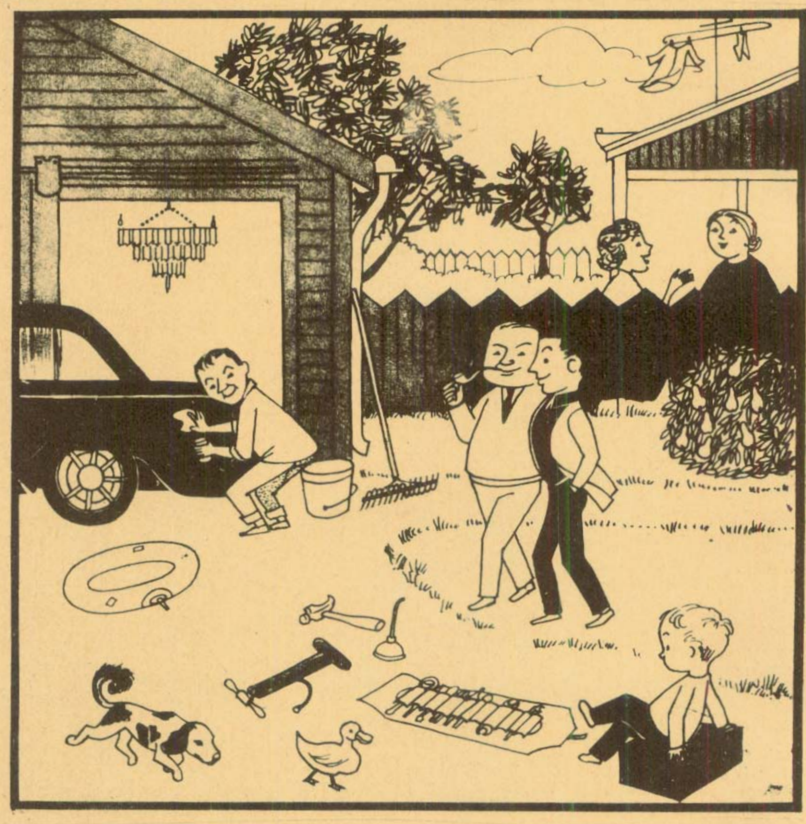

اس تصویر میں آرٹسٹ سے کچھ غلطیاں ہو گئی ہیں۔
آپ ان غلطیوں کی نشاندہی کر دیجئے۔

خبردار

تمباکو نوشی صحت کے لئے مُضر ہے

وزارتِ صحت۔ حکومت پاکستان

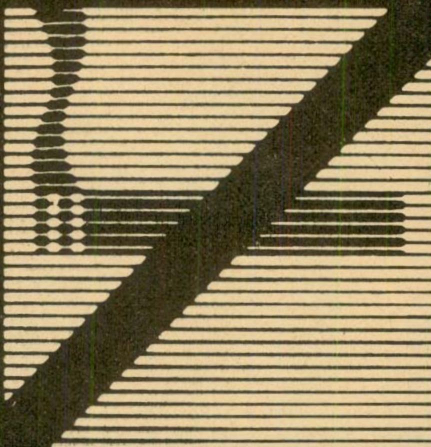

یہ اشتہار صرف سگریٹ پینے والوں کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ سگریٹ نہ پینے والوں کے لئے بھی پیشگی ہدایت ہے کہ وہ اِس خطرے سے دُور رہیں جس کا انجام بیماری اور بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یاد رکھیئے سگریٹ کا دھواں بھی سگریٹ نوشی کی طرح مضر ہے۔

اپنی صحت کا خیال رکھیئے

سِگریٹ نوشی سے خود بچیئے۔ دوسروں کو بچایئے!

ماہنامہ آنکھ مچولی سگریٹ کے اِشتہار شائع نہیں کرتا۔ مشتہرین زحمت نہ کریں (ادارہ)

بال کی کھال

سائنسی تحقیقی مضمون

شانی قرنی

ساتھیو! یہ وہ بال نہیں ہے کہ جس کے آگے فٹ لگانے سے فٹ بال ہو جائے اور صحیح نہ لگانے سے ٹخنا اُتر جائے اور وہ وبال رجان، بن جاتے اور نہ ہی یہ وہ بال ہے جو فارغ البال کر دے۔ بلکہ یہ وہ بال ہے جس کی کھال اتارنا نہایت مشکل کام ہے اور جب بھی کوئی شخص تحقیق و تفتیش پر اتر آئے تو یہی کہا جاتا ہے کہ یہ صاحب تو بال کی کھال اتارتے ہیں۔ اسی موقع کی مناسبت سے ایک لطیفہ یاد آیا۔

کسی ملک میں ایک قتل ہو گیا اور قاتل جائے واردات سے فرار ہو گیا جلدی میں وہ اپنا ہیٹ وہیں پر بھول گیا۔ ملک کے جاسوسوں نے رجنہوں نے یقیناً ہیٹ پہن رکھے ہوں گے) اس پر قبضہ کر لیا اور گہرائی سے ہیٹ کا معائنہ کیا۔ تب کہیں جا کر اس میں سے قاتل کا ایک بال ملا۔ پس ثابت ہوا کہ قاتل جو بھی ہے اس کے سر کا ایک بال غائب ہو گا۔ جاسوس ائیر پورٹ ریلوے اسٹیشن اور بندرگاہوں پر پھیل گئے۔ ائیر پورٹ پر ایک مشتبہ شخص ہیٹ پہنے نظر آیا۔ جلدی سے اسے گھیر کر اسکا ہیٹ اتروا لیا گیا تو انکشاف یہ ہوا کہ ملزم فارغ البال تھا یعنی گنجا تھا۔ نتیجہ اخذ کیا گیا یہ تو انتہائی جنونی قاتل ہے جس نے اپنی بالوں کی تعداد کے برابر قتل کئے ہیں لہٰذا بالآخر شوٹ کر دیا گیا۔ بال کی کیا واقعی کوئی کھال ہوتی ہے اس کی کیا حقیقت ہے آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

بنیادی طور پر بال دو حصّوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

۱۔ جڑ

۲۔ شافٹ

۱۔ جڑ بال کا وہ حصّہ ہے جو کہ کھال کے اندر ہوتا ہے اور بال کی مضبوطی کا ضامن ہے۔

۲۔ شافٹ، بال کا وہ حصہ جو باہر ہوتا ہے۔ جسے ہم شاخ کی شکل میں سنوارتے ہیں اور مختلف اسٹائل بناتے ہیں۔ اس کی اندرونی ساخت کچھ اسطرح ہوئی ہے کہ اس کے تین حصّے ہیں۔

(۱) بیرونی مُردہ کھال (۲) تنا (۳) اندرونی خول

ایک بال سے ہم کیا کیا معلوم کر سکتے ہیں۔

اب آپ اُس بال کو لے آیئے۔ جس کی کھال اُدھیڑنی ہے لیکن ٹھہریئے! پہلے یہ تو یقین کر لیا جائے

کہ واقعی یہ بال ہے کوئی دھاگہ یا فائبر وغیرہ تو نہیں یہ جو بھی کچھ ہے اسے خوردبین کے نیچے لایئے اگر یہ بال ہوگا تو مندرجہ بالا ساخت کے مطابق ہوگا جب کہ دھاگہ یا فائبر ہوگا تو آپ کو صرف ریشے ہی نظر آئیں گے

۲۔ جب یہ طے ہو گیا کہ یہ بال ہی ہے تو پھر ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ آیا یہ بال کس جانور کا ہے یا اِنسان کا (یہ مرحلہ قدرے مشکل ہے)

(الف) انسانی بال کی شافٹ کا قطر ۵۰ سے ۱۵۰ مائکران کے درمیان ہوتا ہے جب کہ حیوانی بال کا قطر یا تو ۲۵ مائکران سے کم یا ۳۰۰ مائکران سے زیادہ ہوگا۔

(ب) انسانی بال کے خول کا قطر اس کی شافٹ کے قطر کے ۱/۳ ہوگا جب کہ حیوانی بال کے خول کا قطر اس کے شافٹ کے قطر کے ۱/۲ یا اس سے زیادہ ہوگا۔

(ج) انسانی بال کے شافٹ کا رنگ ہلکا اور غیر مسلسل ہوگا جب کہ حیوانی بال کا رنگ گہرا اور مسلسل ہوگا۔ (۳) اس طریقے سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ یہ بال انسانی ہے یا حیوانی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بال انسانی ہی ہے تو اس کے بعد یہ بھی پہچاننا پڑے گا کہ یہ کسی مرد کا بال ہے یا عورت کا یہ معلوم کرنے کے لئے ہم نیوکلیئر سیکسنگ کریں گے۔ بال کی جڑ کا عمودی تراش لے کر خوردبین کے نیچے دیکھیں گے اگر ان میں بار باڈیز اور ڈیوڈسن باڈیز کی علامت ملی تو اس کا تعلق خاتون سے ہوگا اور غیر موجودگی مرد سے تعلق بتائے گی۔ (۴) اب تک ہم نے یہ تجربات کئے کہ یہ بال ہے یا نہیں اسکا تعلق انسان سے ہے یا حیوان سے اور

اس کا تعلق خواتین سے ہے یا حضرات سے اب آیئے دیکھیں کہ اس کا تعلق جسم کے کس حصّے سے ہے۔ بال کا کراس سکیشن لیں اور خوردبین کے نیچے رکھیں اگر یہ گول ہے تو اس کا تعلق سر کے بالوں سے ہے اگر تکون ہے تو مونچھوں سے جب کہ آنکھوں کے پردے کے بالوں کی ساخت اس طرح ہوتی ہے۔

سر کے بال — مونچھوں کے بال

۵۔ بال گرنے کی نوعیت، یہ معلوم کرنا کہ بال خود گرا ہے یا اسے اکھاڑا گیا اور یہ جلا ہوا ہے یا اسے کھینچ کر توڑا گیا ہے انتہائی آسان ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے اسے خوردبین کے نیچے رکھیں اگر بال سیدھا اور مکمل ہے اس کی جڑ سوکھی ہوئی ہے تو یہ قدرتی طور پر گرا ہے۔ کھینچ کر اکھاڑا ہوا بال مڑا تڑا اور اس کی جڑ مکمل گول ہو گی اور جسم کے جس حصّے سے کھینچا گیا ہو اس کی کھال کے ذرات اس کے ساتھ چپکے ہوئے ہوں گے۔

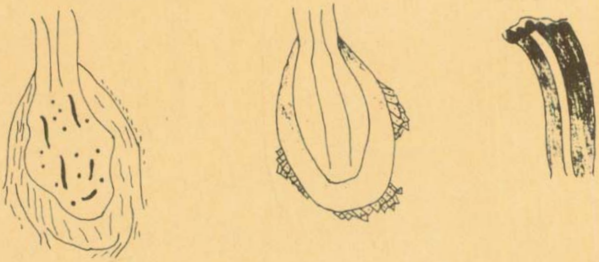

جلا ہوا۔ — کھینچ کر نکالا گیا۔ — قدرتی طور پر گرا ہوا۔

جلے ہوئے بال کے اختتامی حصّے گول شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ جب کہ کھینچ کر توڑے ہوئے بال کے اختتامی حصّے غیر مسلسل اور بال مُڑا تڑا ہوتا ہے۔

بالوں کا رنگ، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ بالوں کو مصنوعی رنگ کیا گیا ہے یا کہ قدرتی رنگ ہے ہم بال کی جڑ کے قریبی حصّے کا انتہائی باریک بینی سے مطالعہ کرتے ہیں چونکہ جڑ کافی گہرائی میں ہوتی ہے لہٰذا اس کے انتہائی قریبی حصّے پر کوئی مصنوعی رنگ نہیں۔

موت کی وجہ :۔ ایک بال کی مدد سے آپ موت کی وجہ بھی معلوم کر سکتے ہیں آرسینک (سنکھیا) ایک ایسا زہر ہے جو مردے کے بالوں میں جمع ہو جاتا ہے۔ اور موت کے دس سال بعد تک بھی تجربات سے بتا دیتا ہے کہ وجہ موت سنکھیا کھانے سے ہوئی ہے۔ اس طرح اور بھی بھاری دھاتیں بالوں میں جمع ہوتی ہیں

بالوں کی مدد سے آپ کسی فرد کی قومیّت اور نسل کا بھی پتہ چلا سکتے ہیں افریقہ کے باسیوں کے بال گہرے کالے اور گھونگریالے ہوتے ہیں جب کہ یورپ کے لوگوں کے بال بھورے اور سیدھے ہیں ہم برّصغیر کے لوگوں کے بال سیدھے ہلکے اور کالے ہوتے ہیں۔

بالوں کی مدد سے کسی حد تک عمر کا اندازہ بھی لگایا جا سکتا ہے لیکن یقینی نتائج حاصل کرنے کے لئے تحقیق جاری ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

بے خیالی

ایک مشہور سائنسدان آئزک نیوٹن نے ایک بڑھئی کو بلایا اور اس سے کہا:۔

" دیکھو میرے پاس ایک مرغا اور ایک مرغی ہے۔ مرغا قد میں خاصا بلند ہے جبکہ مرغی کا قد چھوٹا ہے۔ برائے کرم ایک ڈربہ بنا دو اور دیکھو دو دروازے بنانا۔ دونوں کے قد کے مطابق تاکہ وہ دونوں آسانی سے اندر آ جا سکیں "۔

بڑھئی نے شام کو ڈربا بنا کر اسے دکھاتے ہوئے کہا:۔

" جناب ڈربا تیار ہے۔ دیکھیں آپ اس سے مطمئن ہیں۔؟ "

آئزک نیوٹن نے پہلی نظر میں دیکھ لیا کہ ڈربے میں صرف ایک ہی دروازہ ہے۔ وہ جھلّا کر بولا؛ میں نے تم سے کہا تھا کہ اس میں دو دروازے لگانا۔ تم نے یہ دروازہ یقیناً مرغے کے قد کے مطابق بنایا ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر مرغی کیسے اندر جائے گی "۔

سیّدہ نِگہت سِیما

ہماری آنکھیں عظیم نعمت

آپ ایک کمرے میں سو رہے ہیں۔ دروازہ بند ہے۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ تو آپ سب سے پہلے کیا چیز کھولیں گے۔ اس سوال کا جواب سارے ذہین بچے یہ دیتے ہیں کہ "آنکھیں"۔ ان آنکھوں نے ان تحریروں کا اشارہ آپ سے جوڑا ہے۔ آپ اس نعمت پر جتنا غور کریں گے اتنا ہی اس کے قیمتی اور انمول ہونے کا احساس مضبوط ہوتا جائے گا۔

یوں تو آنکھوں پر آپ کی عمومی صحت کا اثر ہوتا ہے یعنی اگر آپ کی صحت اچھی ہے تو آنکھیں بھی ٹھیک ٹھاک ہوں گی اور اگر صحت خراب ہے تو اس کا اثر آپکی آنکھوں پر بھی پڑے گا لیکن اس میں آپ کی بداحتیاطیوں کا بھی خاصا عمل دخل ہوتا ہے یعنی لیٹ کر کتابیں پڑھنا، کتابوں کو آنکھ سے چپکا کر پڑھنا، ٹیلی ویژن کو ایسے دیکھنا کہ جیسے ابھی آپ اس کے اندر داخل ہونے والے ہوں، انتہائی تیز روشنی میں کام کرنا، چکاچوند روشنی میں کھیلنا، انتہائی کم روشنی میں مطالعہ کرنا، آنکھوں میں گرد وغبار جانا، آنکھوں میں دھویں کا بھرنا، تیز دھوپ میں سورج کا نظارہ کرنا، اور آنکھوں کے ساتھ شرارتیں کرنا یعنی پتلیاں وغیرہ الٹنا، یہی سب بداحتیاطیاں ہیں جن کی وجہ سے آپ اسکول کی عمر میں دادا ابا یا دادی اماں بن جاتی ہیں اور اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ جاتا کہ چشمہ لگا کر آنکھیں چار کریں اور بچے آپ کو قباچہ قباچہ کہتے پھریں۔ خدانخواستہ آنکھوں کی روشنی کم ہو جائے تو پھر چشمہ لگانا ضروری ہوتا ہے۔ اس میں جتنی بھی تاخیر کریں گے اتنا ہی نقصان ہوگا۔ آنکھوں کی روشنی کم ہونے، دھندلاہٹ چھا جانے کسی قسم کی سوجن یا درد کسی صورت میں فوراً آنکھوں کے ڈاکٹر سے رابطہ کرنا چاہیئے۔ سر کا درد بھی بعض اوقات

آنکھوں کی خرابی کا باعث ہوتا ہے اسی لئے مستقل سر درد ہو تو بھی ڈاکٹر سے آنکھیں چیک کرالینی چاہئیں۔ آنکھوں کا براہ راست رابطہ پیر کے تلوے سے ہوتا ہے۔ اس کی رگوں کا تعلق آنکھ کی نسوں سے ہوتا ہے۔ اس لئے بھاری بھرکم جوتے، تکلیف دہ، چپل، اونچی ایڑیوں کے سینڈل آنکھوں کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ پیر کے تلوے کا آرام آنکھوں کا آرام ہے۔ پیر صاف ستھرے رکھیں اور گندے موزے استعمال نہ کریں۔ ہر روز دھلے ہوئے موزے پہن کر اسکول جانا چاہئے۔ اگر صبح سویرے اٹھنے کی اچھی عادت ہو اور قریب ہی کوئی ایسی جگہ بھی ہو جہاں گھاس موجود ہو تو پھر روزانہ آپ آنکھوں کو آرام دے سکتے ہیں آپ ننگے پاؤں گھاس پر موجود شبنم کے قطروں پر چلیں تو آپ کو ایک عجیب قسم کی فرحت کا احساس ہوگا۔ اس طرح آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ اور آنکھوں کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ہاں اگر سخت سردی کا موسم ہو تو ایسا نہ کریں، کیونکہ نزلہ زکام بھی ہو سکتا ہے۔ پیر کے تلوے کی مالش بھی آنکھوں کی روشنی میں اضافہ کرتی ہے اگر آپ سونے سے پہلے روزانہ تلوے کی مالش کرلیا کریں تو شاید آپ کو کبھی چشمہ نہ لگانا پڑے۔

دوستی اور ضرورت

صحابہؓ کی عادت تھی کہ اگر کوئی دوست ان کو تحفہ بھیجتا تو وہ اپنے کسی دوست کو بھیج دیتے۔ اسی طرح یہ تحفہ گھومتا پھرتا یہاں تک پہلے ہدیہ بھیجنے والے کے پاس آجاتا حالانکہ ہر ایک کو اس کی ضرورت ہوتی۔ مگر اپنے پرانے دوست کی ضرورت کو ترجیح دیتے۔

دھوکا

امیرالمومنین حضرت عمرؓ کے پاس ایک آدمی آیا اور عرض کی کہ حضور فلاں شخص نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ لہٰذا میری حق رسی فرمائیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا، جا بھاگ جا۔ حضرت نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ چھوٹے قد کے آدمی کسی سے دھوکا نہیں کھاتے۔ چونکہ تو بھی چھوٹے قد کا ہے اس لئے تو ہرگز کسی سے دھوکا نہیں کھا سکتا۔ آدمی نے دست بستہ عرض کیا۔ نبی کریمؐ کا فرمان سر آنکھوں پر اور حضور کا ارشاد بجا، لیکن حضورؐ جس شخص نے مجھے دھوکہ دیا ہے وہ مجھ سے بھی چھوٹے قد کا ہے

یہ مزدور ایک پھیرے میں صرف تین اینٹیں لے جا
سکتا ہے۔ آپ بتائیے کہ یہ تمام اینٹیں اٹھانے کے
لئے اسے کتنے چکر لگانا ہوں گے؟

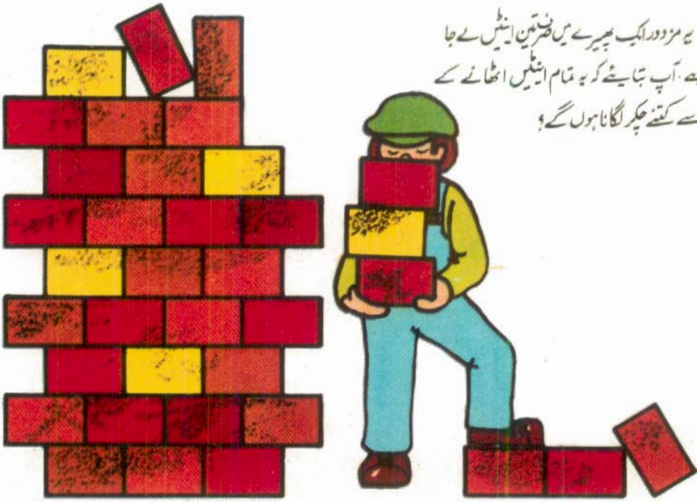

۱ سے ۲۶ تک اور
A سے V تک ملائیے
پھر دیکھئے کیا بنتا ہے

مصنوعی مواصلاتی سیارے

وہ عہد آفریں ایجاد جس نے ابلاغ کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا۔ ایک چھوٹی سی مشین خلاء میں معلق ہے اور پلک جھپکتے ہی دنیا کے ایک کونے سے کوئی بھی پیغام دنیا کے کسی دوسرے کونے تک پہنچا دیتی ہے۔ آواز اور تصویر کی اس برق رفتار ترسیل کی بدولت آج ہم دنیا بھر میں ہونے والے اہم واقعات کو اپنے گھر بیٹھ کر دیکھ اور سن سکتے ہیں۔ ٹیلیویژن کی نشریات ہوں یا ریڈیو کے پروگرام، ٹیلی پرنٹر کا پیغام ہو یا کمپیوٹر ڈیٹا یہ سب کچھ مواصلاتی سیارے کے ذریعہ دور دراز ممالک تک پہنچانا ممکن ہوگیا ہے... انسان کی ایجاد کردہ اس اہم ایجاد کی بدولت دنیا کے لوگ اپنے آپ کو ایک دوسرے سے قریب محسوس کرنے لگے ہیں

KEY

1 Solar panels partly unfolded
2 Communications antennas allowing up to 7,200 telephone circuits simultaneously
3 Antenna platform
4 Thermal blankets
5 Communications modules for telephone and television transmissions at 11 and 14 GHz
6 Service module
7 Thruster tanks
8 Steerable solar panel mounting

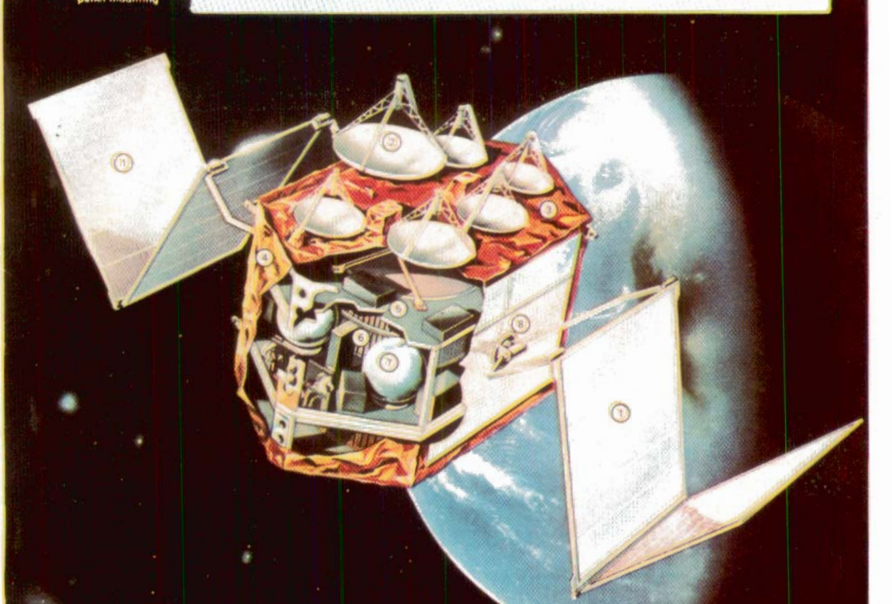

محمد سلیم مغل

مواصلاتی سیارے

رابطوں کے سفیر

اناؤنسر نے اعلان کیا کہ "آیئے ناظرین ہم آپ کو کوریا کے شہر سیئول لئے چلتے ہیں جہاں سے آپ ایشئین گیمز کے مقابلے براہ راست دیکھ سکیں گے" اس اعلان کے چند لمحوں بعد ہی اسکرین پر کوریا کا ایک خوبصورت سا اسٹیڈیم اپنی تمامتر رنگینیوں اور زندگی کے تمام تر علامتوں کے ساتھ اُبھر کر سامنے آجاتا ہے..... اور ہم اپنا مطلوبہ پروگرام دیکھنے لگتے ہیں.......

بظاہر یہ بات کتنی عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ ہزاروں میل کے فاصلے سے ایک تصویر چلتی ہے اور پلک جھپکتے ہی آپ کے ڈرائنگ روم میں رکھے ہوئے ٹی وی کے اسکرین پر نمودار ہوجاتی

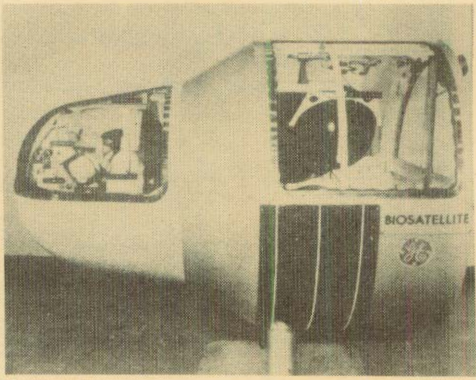

بائیو سٹلائیٹ جس میں بندر کو بھجوایا گیا۔

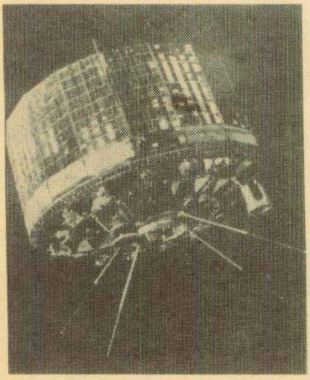

ایک عام مواصلاتی سیارہ

ہے ...... بلکہ اب تو شاید اِس بات پر حیرت بھی نہ ہوتی ہو کیوں کہ ہم ایسے پروگرامز دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اور آئے دِن دنیا کے دور دراز ملکوں سے ایسے بہت سے پروگرامز براہِ راست دیکھتے رہتے ہیں لیکن فرض کیجئے کہ آج سے سو سال قبل اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے یہ کہتا کہ "کچھ عرصے بعد ہم ہزاروں میل دور ہونے والے واقعات کو اپنے گھر میں براہِ راست دیکھ اور سُن سکیں گے تو یقیناً سننے والا کہنے والے کی دماغی حالت پر شبہ کرتا اور اسے پاگل یا دیوانہ قرار دیتا۔

وہ بات جو آج سے پچاس یا سو سال قبل ناممکنات میں شامل تھی آج سائنسی ترقی کے باعث ناقابلِ تردید حقیقت بن چکی ہے۔

آپ سوچتے تو ہوں گے کہ آواز اور تصویر کا یہ سفر جو پل بھر میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر لیتا ہے کیونکر ممکن ہوا؟

آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں ...... دور دراز ملکوں سے دکھائے جانے والے براہِ راست پروگراموں سے قبل یہ تو بتا ہی دیا جاتا ہے کہ آپ یہ پروگرام مواصلاتی سیارے کے ذریعہ براہ راست دیکھ رہے ہیں۔ بس یہی مواصلاتی سیارہ ہے جس نے پوری دنیا کو برق رفتار پیغام کی دوطرفہ ترسیل سے جوڑ رکھا ہے اور اب دنیا کے کسی بھی گوشے میں کوئی بھی واقعہ رونما ہو جائے، اگلے ہی لمحے مواصلاتی سیارے کے ذریعہ اس واقعہ کی تفصیلات دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل جاتی ہیں۔

سیارے کا نام سن کر کہیں آپ کا دھیان اُن قدرتی سیاروں کی طرف نہ چلا جائے جو سورج کے گرد گھوم رہے ہیں اور جنہیں ہم ۹ مشہور سیاروں مثلاً مریخ، عطارد، زہرہ اور مشتری وغیرہ کے نام سے جانتے ہیں۔ زمین خود ایک سیارہ ہے جو سورج کے گرد گھوم رہا ہے یہاں ہمارا موضوع تحریر وہ مصنوعی سیارے ہیں جنہیں انسان نے اللہ کی عطا کردہ عقل کی بدولت آسمان کے دوشالے میں چاند اور ستاروں کے درمیان کہیں اتنی خوبصورتی سے ٹانک دیا ہے کہ دیکھنے اور سننے والوں کو یقین نہیں آتا۔ ایک چھوٹی سی مشین خلاء میں معلق ہے، اس مشین میں کوئی انسان موجود نہیں ہے بلکہ دھرتی پر بیٹھے ہوئے سائنس دان اِس کی حرکات وسکنات کو کنٹرول کیئے ہوئے ہیں۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے زمین کی کشش جسے ہم کششِ ثقل کہتے ہیں، زمین سے تقریباً ایک یا ڈیڑھ لاکھ فٹ کی بلندی پر جا کر ختم ہو جاتی ہے اور پھر بے کراں خلاء کا ایک ایسا سلسلہ شروع

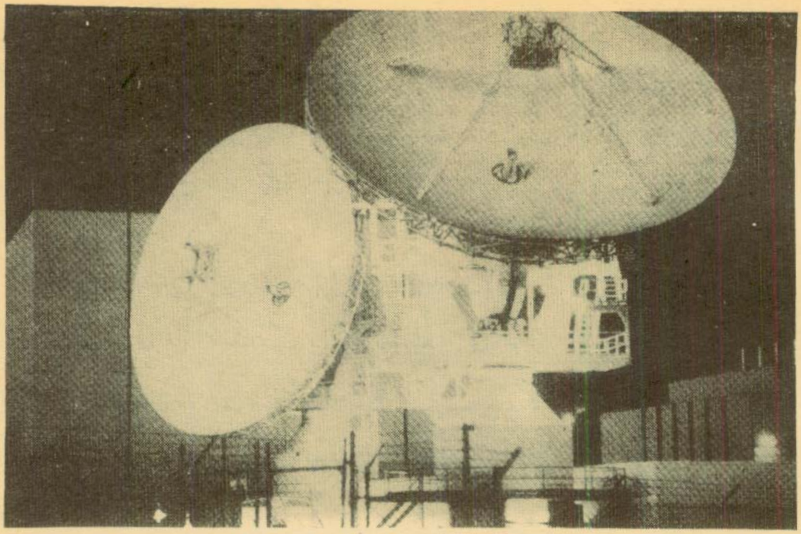

طشتری نما انیٹنا جو مواصلاتی سیاروں سے سگنلز وصول کرتے ہیں۔

ہو جاتا ہے جہاں جا کر ہر چیز بے وزن ہو جاتی ہے اور وزن کے ختم ہو جانے کی وجہ سے کسی چیز کے گرنے کا خطرہ ختم ہو جاتا ہے۔ سائنس دانوں نے سوچا کہ جب کسی چیز کے گرنے کا خطرہ ہی ختم ہو گیا تو کیوں نہ ہم کسی مشین کو تجربے کی خاطر خلاء میں رکھ دیں اور پھر زمین پر بیٹھ کر اس پر تجربات کریں یہ بات تو ٹھیک تھی مگر اس مشین کو خلاء میں کیسے لے جایا جائے؟ یہ سنہ ۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے جب مصنوعی سیارے کا تصوّر سامنے آیا مگر ایک طاقت ور راکٹ کی کمی محسوس ہوئی جو اس سیارے کو زمین سے خلاء میں لے جاتا...... راکٹ چونکہ اُس وقت تک ایجاد نہیں ہوا تھا اس لئے یہ اچھوتا خیال دھرے کا دھرا رہ گیا اور بات آگے نہ بڑھ سکی۔

اِنسان فطری طور پر دُھن کا پکا ہے۔ اور جستجو اس کے خمیر میں داخل ہے سو یہ جستجو جاری رہی یہاں تک کہ ۴/اکتوبر ۱۹۵۷ء کو روس نے پہلا مصنوعی مواصلاتی سیارہ راکٹ کی مدد سے خلاء میں بھیج دیا۔ اس سیارے کا نام اسپٹنک اوّل تھا۔ اسپٹنک روسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں "ہمسفر" تاریخ کے اس پہلے مصنوعی سیارے کا وزن تقریباً ۱۸۰/ پونڈ تھا جب کہ اسکا قطر ۲۳/ اِنچ تھا۔ اس سیارے نے آسمان کی بے کرانیوں میں جا کر زمین کے گرد تیزی سے چکر لگانا

شروع کر دیا۔ اس گردش میں اس کی رفتار سترہ ہزار پانچ سو میل فی گھنٹہ تھی اور زمین سے اس کا فاصلہ کبھی ڈیڑھ سو میل اور کبھی ۵۵۰ میل ہو جاتا۔ اس طرح گویا ہر ۹۲ منٹ کے بعد یہ سیارہ زمین کے گرد اپنا ایک چکر مکمل کر لیتا ہے۔ رات کے وقت جب سورج کی روشنی اس سیارے سے منعکس ہوتی تو زمین سے دیکھنے والوں کو یوں محسوس ہوتا جیسے ایک ننھا سا ستارہ تاریکی میں جگمگا رہا ہے۔

سیارے کو آسمان پر جا کر جو اہم کام کرنا تھا وہ تھا خلا سے زمین پر ایک سگنل بھیجنا جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ کوئی آواز خلا سے زمین پر آ بھی سکتی ہے یا نہیں سو یہ کام سیارے نے خوش اسلوبی سے انجام دیا اور ۴ اکتوبر ۱۹۵۷ء کو رات ۸ بج کر ۷ منٹ پر "بیپ بیپ" کا سگنل بڑی کامیابی سے زمین والوں کو سنایا...... "بیپ بیپ" کی یہ بھدی اور بے معنی آواز مستقبل کی بڑی کامیابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور آج صورت حال یہ ہے کہ چار ہزار سے زائد مصنوعی سیارے خلاء میں موجود ہیں۔ اور سب کے سب "بیپ بیپ" کے سگنل بھیجنے کے بجائے ایسے اہم کام سر انجام دے رہے ہیں کہ جن کی بدولت دنیا نہ صرف پیغام رسانی کے دو طرفہ نظام سے جڑ گئی ہے بلکہ بین الاقوامی ٹیلی فون کال اور ریڈیو ٹی وی کے پروگرامز کے تبادلوں کے علاوہ یہ سیارے دیگر بہت سے اہم کام بھی کر رہے ہیں مثلاً معدنیات کی تلاش، موسمیاتی جائزہ، سراغ رسانی، ٹیلی پرنٹر اور ریڈیو فوٹو یا کمپیوٹر ڈیٹا کی ترسیل وغیرہ

یہ سارے اہم کام کوئی ایک سیارہ ہی انجام نہیں دیتا۔ بلکہ مختلف ممالک نے مختلف سیارے بہت سے مقاصد کے لئے خلا میں چھوڑ رکھے ہیں۔ مثلاً امریکہ کے اکثر سیارے صرف اس کے فوجی اڈوں کے لئے مخصوص پروگرام نشر کرنے کے کام آتے ہیں۔ جنہیں کوئی اور نہیں سن سکتا۔ مختلف نوعیت کے کاموں کی وجہ سے ہم ان سیاروں کو مختلف نام دے سکتے ہیں مثلاً تحقیقاتی یا سائنسی سیارے، موسمیاتی سیارے، فوجی سیارے، مواصلاتی سیارے وغیرہ۔ اسپٹنک اوّل کے بعد دوسرا سیارہ جو خلا میں گیا وہ اسپٹنک دوئم تھا اور یہ ۶ دسمبر ۱۹۵۷ء کو ایک کتیا کو ساتھ لے کر گیا جس کا نام "لائیکا" تھا اس سیارے نے بہت سائنسی تجربات کئے جس کے حوصلہ افزا نتائج نکلے

روس اور امریکہ چونکہ پرانے حریف ہیں اس لئے یہ کیوں کر ممکن تھا کہ روس کا مصنوعی سیارہ

خلاء میں جائے اور امریکہ پیچھے رہ جائے لہٰذا امریکہ نے روس کے اسپٹنک اوّل کی کامیابی کے تقریباً ۴ ماہ بعد یعنی ۳۱ جنوری ۵۸ء کو اپنا مواصلاتی مصنوعی سیارہ خلاء میں چھوڑا ۔ یہ سیارہ امریکی آرمی کی طرف سے چھوڑا گیا تھا جو انتہائی کامیاب رہا ۱۹۵۸ء کے آخر تک دونوں ممالک اپنے بہت سے سیارے خلاء میں اُتار چکے تھے ۔

دسمبر ۱۹۵۸ء میں کرسمس کے موقعہ پر امریکہ کے سیارّے نے امریکی صدر آئزن ھاور کا تہنیاتی پیغام خلاء سے زمین کی طرف کامیابی سے بھجوایا جو امریکہ بھر میں سُنا گیا ۔

۱۹۵۸ء تک تو سیارّے صرف خلاء سے زمین پر پیغام بھیجا کرتے تھے یعنی پیغام کا ایک طرفہ سلسلہ تھا لیکن بہت جلد ہی پیغام رسانی کے دو طرفہ سلسلے نے کام شروع کر دیا اور ۱۹۶۰ء میں امریکہ کے "کوریئر" نامی مصنوعی سیارے نے امریکی پیغام یورپ کے دیگر ممالک میں پہنچانا شروع کر دیئے ۔ یہ سیارہ پیغام دینے کے علاوہ زمین سے پیغام وصول بھی کیا کرتا تھا ۔ مصنوعی مواصلاتی

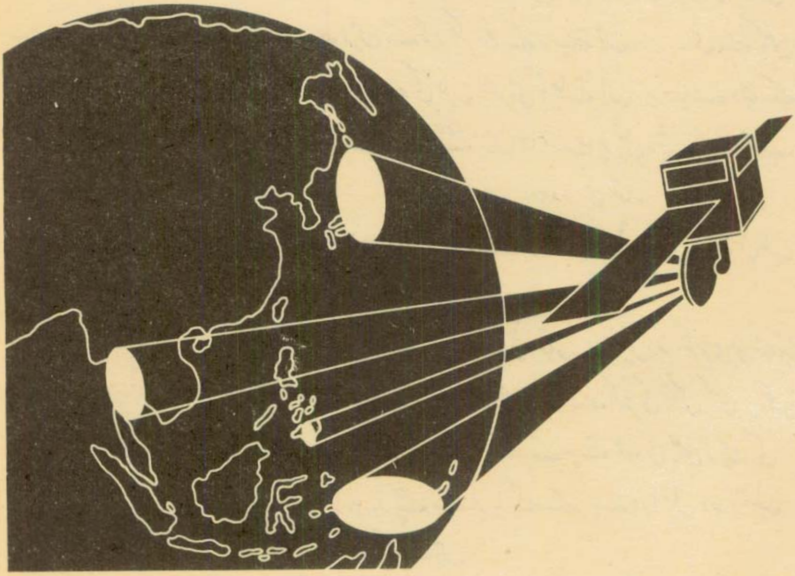

ایک مواصلاتی سیارہ خلاء سے زمین کے تین مختلف حصوں کو پیغام بھجواتے ہوئے ۔

سیاروں میں ترقی کا عمل تیز رفتاری سے جاری رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے ٹیلی فون اور ٹیلی وژن کا رابطہ بھی زمین سے ہوگیا۔ ۱۹۶۲ء میں پہلی بار امریکی سیارے نے ۲۲ منٹ تک ٹیلی وژن کی نشریات یورپ والوں کو دکھائیں۔ یہ نشریات ۲۲ منٹ سے زیادہ نہ دکھائے جانے کی وجہ اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ تیزی سے زمین کے اطراف گردش کرنے کی وجہ سے وہ سیارہ ۲۲ منٹ بعد اس علاقے سے دور ہوگیا جہاں نشریات دکھانا مقصود تھیں۔

یہاں یہ بات ذہن میں رہے کہ سیارے دو طرح کے ہوتے ہیں پہلی قسم (STATIONARY) کہلاتی ہے اس قسم کے سیارے زمین کی گردشی رفتار کا ساتھ دیتے ہوئے اسی رفتار سے گردش کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انہیں زمین کے جن خطوں پر معلق کر دیا جاتا ہے۔ یہ ہمیشہ وہیں نظر آتے ہیں اور اپنی گردش کے باوجود اپنا مدار نہیں چھوڑتے اور اپنے مخصوص علاقوں کے لئے تفویض کردہ مخصوص کام سرانجام دیتے رہتے ہیں۔

دوسری قسم (NON STATIONARY) کہلاتی ہے۔ یہ زمین کی رفتار سے زیادہ تیز ہوتی ہے ...... یہ سیارے بہت تیزی سے زمین کے گرد چکر لگاتے رہتے ہیں ...... اسی لئے کبھی کبھار رات کو آسمان پر کبھی دوڑتے ہوئے ستارے کی طرح نظر بھی آجاتے ہیں۔ یہ سیارے دنیا کے مختلف خطوں پر نمودار اور اوجھل ہوتے رہتے ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں ۲۲ منٹ پر ٹیلی وژن کی کامیاب نشریات دینے والا سیارہ بھی اسی قسم کا (NON STATIONARY) ہی تھا۔

آپ یقیناً سوچ رہے ہوں گے کہ ان سیاروں کی ساخت کیسی ہوتی ہے اور یہ کس طرح کام کرتے ہیں۔

آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں...... مصنوعی مواصلاتی سیارے جنہیں ہم انگریزی میں سٹلائیٹ کہتے ہیں۔ دراصل بیشمار مختلف شکلوں کے ہوتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر کی شکل کسی پنکھے یا پھر کبھی ایسے گملے کی طرح ہوتی ہے جس میں لگے ہوئے پودے کے پتے عمودی یعنی زمین کی طرف ہوں اور خود گملہ تیزی سے گردش کر رہا ہو پنکھے کے پَر یا گملے کے پتے دراصل وہ انٹینا ہیں جو زمین سے آنے والے سگنل کو وصول کرتے ہیں۔

اور اسی طرح زمین کی جانب سگنل بھیجتے بھی ہیں اس کے پروں کو ہلانے کے لئے اس میں الیکٹرک موٹر بھی موجود ہوتی ہے۔

سیارے اپنے کام کے لئے توانائی سورج سے حاصل کرتے ہیں اس کی باڈی پر بہت سے سولر سیل لگے رہتے ہیں جن کا کام محض سورج سے توانائی حاصل کرکے اندر کے مشینی نظام کو زندہ وبیدار رکھنا ہے۔ اگر سیارہ کبھی سائے میں آ جائے اور سورج کی روشنی دستیاب نہ ہو تو ایسے میں اس میں لگے ہوئے نیوکلیئر جرنیٹر اور بیٹریاں بھی کام کرتی ہیں اور اس کا عمل رُکنے نہیں پاتا۔

چونکہ اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ سیارہ اپنے مدار سے نہ نکل جائے اس لئے اس میں ایسی راکٹ موٹرز لگا دی جاتی ہیں جو انہیں مدار سے نکلنے نہیں دیتیں۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہو بھی جائے تو زمین ہی کے کنٹرول اسٹیشن سے انہیں واپس ان کے مدار میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے آپ کو یاد ہوگا چند برس قبل انڈونیشیا کا مواصلاتی سیّارہ اپنے مدار سے نکل گیا تھا جسے زمین ہی سے کوشش کرکے مدار میں لایا گیا بسا اوقات یہ سیارے خلا سے نکل کر زمین کی کشش کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں ایسے میں یا تو یہ سیارے شہاب ثاقب کی طرح تیز ترین رفتار کے ساتھ گرتے ہوئے جل جاتے ہیں یا پھر زمین کے کسی حصّے پر گر کر خطرہ پیدا کر سکتے ہیں۔ اسکائی لیب کا زمین پر گرنا کوئی پرانا واقعہ نہیں ہے..... یہ بھی اسی نوعیت کا ایک کیس ہے۔

زمین پر سیارے کے سگنل کو وصول کرنے کے لئے ارتھ اسٹیشن بنائے جاتے ہیں جہاں سگنل وصول کرنے کے لئے طشتری نما انٹینا لگے ہوئے ہوتے ہیں انہیں انگریزی میں ڈش انٹینا کہتے ہیں جس کی چوڑائی زیادہ سے زیادہ ۳۰ میٹر تک ہو سکتی ہے امریکہ اور بعض دیگر ترقی یافتہ ممالک میں اکثر شوقین لوگوں نے ایسے چھوٹے چھوٹے ڈش انٹینا اپنے گھروں پر لگا رکھے ہیں جس کے ذریعے اکثر وہ مواصلاتی سیاروں کے پروگرامز وصول کر لیتے ہیں۔

مواصلاتی سیاروں کے علاوہ خلاء میں موجود دیگر سائنسی تحقیقی سیاروں نے بہت سے اہم کارنامے سرانجام دیئے ہیں اور قدرت کے لاتعداد رازوں رموز کو پا لینے کا سفر آج بھی جاری ہے سائنسی سیاروں کے بہت سے اہم کاموں میں سے چند ایک یہ ہیں مثلاً خلاء کی حدت کا اندازہ سورج کی مہلک شعاعوں کا مطالعہ، شہابِ ثاقب کی ٹوٹ پھوٹ اور اس کے ٹکرانے سے پیدا ہونے والے اثرات کا جائزہ ان موضوعات پر بہت سے اہم تجربات جاری ہیں

ROSE PETAL®
The Big Soft Tissues
A Product of Packages Ltd.

غازی مختار

جادُو سے توبہ

اصل نام تو ذوالفقار تھا مگر ماں باپ اُسے زلفی ہی پکارتے تھے۔ بلکہ اسکول میں بھی ذوالفقار زلفی کے نام سے مشہور تھا ــــ ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا مگر تھا بڑا بدسلیقہ۔

زلفی کی امّی بے چاری زلفی کی اس بُری عادت پر بڑا کُڑھتی تھیں بلکہ ابّو بھی اکثر اُسے ٹوکتے اور سمجھاتے رہتے تھے۔ آٹھ سال کا زلفی امّی ابو سے روزانہ وعدہ کرتا مگر پورا کبھی نہ کرتا۔

اسکول سے کیا آتا بس گھر میں زلزلہ آجاتا۔ کپڑے بدلتا تو سارے گھر میں پھیلا دیتا۔ ایک جوتا اگر برآمدے میں کھولتا تو دوسرا کمرے میں۔ ٹوپی سیڑھیوں میں اچھال دی تو قمیض صوفے پر پڑی ہے۔

پتلون غسلخانے کے فرش پر پڑی ہے تو موزے میز پر۔ کاپیاں قالین پر تو کتابیں مسہری پر بکھری پڑی ہیں۔ جو چیز جہاں چاہا ڈال دی جہاں چاہا ٹھونس دی۔

زلفی کی امی بے چاری سارا دن اس کا سامان سمیٹنے میں لگی رہتی۔

اکثر اُس کی چیزیں کھو جاتیں۔ اور جب کوئی چیز ڈھونڈھتا تو درازوں۔ بکسوں۔ الماریوں کا سارا سامان یوں پھیلا دیتا کہ کمرہ میونسپلٹی کا کوڑا گھر دکھائی دیتا۔

ایک دن پنسل کی تلاش میں سارے کمرے کو کوڑا گھر بنائے بیٹھے تھے کہ امی کمرے میں داخل ہوئیں۔ بے چاری امی کی تو جیسے جان آنکھوں میں آگئی۔

مسہری کے نیچے گھسے پنسل ڈھونڈتے زلفی کو امی نے ٹانگ پکڑ کر کھینچا اور لگیں جھاڑنے پھٹکارنے۔ امی کی چیخم دھاڑ سُن کر ابو بھی زلفی کے کمرے میں چلے آئے۔ کمرے اور زلفی کی حالت دیکھ کر پہلے تو بڑے پریشان ہوئے مگر جب معاملہ ان کی سمجھ میں آیا تو انہوں نے زلفی کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اور زلفی کی امی پر خفا ہوئے ان کے نزدیک یہ سب اُن کے بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ تھا۔ کہ زلفی اپنی بُری عادتوں سے باز نہیں آتا۔

امی بے چاری رنجیدہ ہو کر کمرے سے چلی گئیں تب زلفی نے ابو سے وعدہ کیا کہ آئندہ وہ ہر چیز سلیقے سے رکھے گا اور سلیقہ شعار بن کر دکھائے گا۔

ابو کے جانے کے ایک گھنٹہ بعد تک زلفی کمرے میں بکھرے سامان کو جمانے اور سجانے میں مصروف رہا اور پھر سوچنے بیٹھ گیا کہ اس دفعہ ایسی تدبیر کی جائے کہ امی ابو سے کئے ہوئے وعدے پر پورا اترے اور پہلے کی طرح یہ وعدہ جھوٹا نہیں ہونا چاہئے۔

سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ اس نے فیصلہ کرلیا انکل عارف سے ملا جائے شاید وہ اس کی کچھ مدد کرسکیں۔

انکل عارف ایک جہاں گرد شخص تھے اور آج کل کئی برسوں بعد اپنے چھوٹے بھائی کے پاس آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی دنیا کی سیر میں گزار دی تھی۔ برسوں بعد تھوڑے عرصے کے لئے پاکستان آئے ورنہ اکثر ملک سے باہر گھومتے رہتے۔ عجیب عجیب شعبدے دکھانا اُن کا مشغلہ بھی تھا اور جس ملک میں جاتے اپنے شعبدے دکھا کر اخراجات بھی پورے کرتے تھے۔ جہاں بیٹھتے اپنے شعبدوں سے لوگوں کو حیران کر دیتے۔ بڑے انہیں عارف جادوگر اور بچے انکل جادوگر کے نام سے پکارتے۔

زلفی اپنے فیصلے کے مطابق انکل عارف سے ملنے اُن کے بھائی کے گھر پہنچ گیا۔
انکل عارف نے زلفی سے اس کی امی ابو کی خیریت پوچھنے کے بعد پوچھا "اچھے زلفی کیا آج اسکول سے سیدھے یہیں چلے آئے ؟"۔

زلفی نے انکل عارف سے اپنی بُری عادت کا ذکر کیا اور اُن سے درخواست کی کہ "آپ جادو جانتے ہیں۔ کسی طرح اپنے علم سے مجھے سلیقہ مند بچّہ بنادیں"۔

انکل عارف بہت ہنسے۔ انہوں نے زلفی کو پیار کیا اور بولے "اچھے زلفی تمہیں اپنے بدسلیقہ ہونے کا اتنا احساس ہے تو خود سلیقہ مند بننے کی کوشش کرنا چاہیئے تھی۔ مگر تم بڑے اچھے ارادے سے میرے پاس آئے ہو۔ میں تمہاری مدد ضرور کردوں گا"۔ واقعی تمہاری بُری عادت ختم ہونی چاہیئے"۔
اور پھر انکل عارف نے زلفی کو اپنے سامنے بٹھاکر اُس پر جادو پھونک دیا اور اُسے کہا کہ "اب آئندہ تمہاری چیزیں خود بخود اپنی اپنی جگہ چلی جایا کریں گی"۔

زلفی خوش خوش گھر واپس آگیا۔ اور آزمانے کی خاطر گھر میں گھستے ہی اپنی ٹوپی اتار کر برآمدے کے فرش پر اچھال دی۔ مگر ٹوپی بجائے فرش پر گرنے کے اڑتی ہوئی جاکر کھونٹی پر ٹنگ گئی۔ زلفی بڑا خوش ہوا۔

زلفی نے کمرے میں گھستے ہی دروازہ میں اپنے جوتے اتارے جو خود بخود جاکر اپنی جگہ ٹک گئے۔ موزے بھی خود بخود لپٹ کر الماری میں جا پہنچے۔ غرض ہر چیز بڑے سلیقے سے اپنی مخصوص جگہ پہنچ گئی۔
زلفی بڑا خوش کہ اپنی بُری عادت کو بدلنے کے لئے اب تکلیف اُٹھانے کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ اب تو ہر کام خود بخود سلیقے سے ہوجایا کرے گا۔

صبح سویرے نہادھوکر۔ کپڑے بدل کر خوش وخرّم زلفی جب ناشتے کی میز پر پہنچا تو ابّو بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ آج ہفتہ کا دن تھا اور ابّو کے دفتر کی چھٹی بھی تھی زلفی کے سلام کا جواب بھی انہوں نے اخبار کے پیچھے سے دیا۔ امّی شاید باورچی خانہ میں ناشتہ تیار کررہی تھیں۔
زلفی ڈائننگ ٹیبل پہ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اب امّی ابّو کو کبھی اُس کی بدسلیقگی کی شکایت نہیں ہوگی۔ مس بھی اب اُس سے خوش رہیں گی۔ اور کلاس کے دوسرے بچّے بھی اس کی سلیقہ مندی سے حیران رہ جائیں گے۔

زلفی اپنی دھن میں مگن تھا کہ انکل عارف کا جادو اچانک جاگ گیا۔ پہلے میز پر رکھے دستانے میز سے

اُترے اور بڑی خاموشی سے زلفی کے کمرے میں جاکر اپنی جگہ پہنچ گئے۔ سر پر سے ٹوپی اُڑ کر کھونٹی پر جا ٹنگی۔ جوتوں کے تسمے خود بخود کھُلے جوتے پیروں سے نکلے اور بغیر آواز پیدا کئے چلتے ہوئے کمرے میں اپنی جگہ جاکر ٹِک گئے۔ اس کے بعد موزے پیروں سے اترے، لپٹے اور الماری میں چلے گئے۔ کوٹ بھی اُتر کر کمرے میں لٹکے ہوئے ہنگر پر جا ٹنگا —— زلفی اپنے خیالوں میں مگن جانے کیا کیا سوچ رہا تھا کہ پتلون اور شرٹ بھی بدن سے اتر کر واپس الماری میں جا پہنچیں۔

جب امّی ڈائننگ روم میں داخل ہوئیں تو زلفی صاحب بنیان اور انڈرویئر پہنے اپنی دُھن میں مسکرا رہے تھے۔

"ہائے! میں مری"—— "ارے زلفی تیرا دماغ تو نہیں چل گیا"—— "یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے"؟ امّی نے بڑی حیرانگی سے زلفی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

فوراً ہی ابّو نے اخبار کے پیچھے سے جھانک کر دیکھا۔ زلفی کو اس حالت میں دیکھا تو بڑے برہم ہوتے۔ "صاحب زادے یہ کل کے وعدے کے مطابق سلیقہ مندی کا اظہار ہو رہا ہے؟ بنیان اور انڈرویئر میں ناشتہ کرنے چلے آئے"۔ ابّو نے غصّہ سے زلفی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

جب زلفی نے اپنے آپ کو دیکھا تو بڑا سٹ پٹایا۔ فوراً اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔ بکس اور الماری کھول کر دیکھا —— ہر چیز تہہ ہو کر بڑے سلیقے سے اپنی اپنی جگہ رکھی تھی۔

جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ ناشتہ کیا اور اسکول کی بس کا ہارن سن کر گھر سے نکل گیا۔

زلفی بس میں بیٹھا صبح کے واقعہ کو سوچ سوچ کر شرمندہ ہو رہا تھا اور پریشان بھی کہ آج تو انکل عارف کے جادو نے صبح صبح پٹوا دیا تھا۔ ایک طرف اُسے خود پر اور اُدھر انکل عارف پر بہت غصّہ آ رہا تھا۔ مگر امّی کی حیرانگی، ابّو کی خفگی اور اپنی حالت پر ہنسی بھی آ رہی تھی۔ کہ ایک دم سردی کا احساس ہوا۔

دیکھا تو گلے کا مفلر، سر سے ٹوپی، دستانے، کوٹ جانے کب کے واپس گھر جا چکے تھے۔ جوتوں کے تسمے اور قمیض کے بٹن بھی کھُل چکے تھے۔

زلفی بڑا گھبرایا بٹن اور تسمے دوبارہ بند کئے اور اُٹھ کر سیٹ پر کھڑا ہو گیا کہ جوتے پاؤں سے نہ نکل جائیں۔ کبھی قمیض کے بٹن بند کرتا۔ کبھی بستے کو مضبوطی سے تھامتا۔ ہر چیز گھر جانے کو بے چین دکھائی دیتی تھی۔

خدا خدا کر کے چند لمحوں بعد جادو کا زور ٹوٹا تو زلفی کی جان میں جان آئی مگر سردی سے دانت بجنے لگے تھے۔

وقار کی نظر زلفی پر پڑی تو حیران ہوا۔ ساتھ بیٹھے ہوئے ریاض سے بولا "یہ زلفی اس قدر سردی میں بغیر کوٹ اور ٹوپی کے کیسے بیٹھا ہوا ہے۔"

مگر ریاض نے یہ کہہ کر چپ کرا دیا کہ "یہ تو سدا کا بے ڈھنگا ہے۔ ایسے ہی گھر سے چلا آیا ہوگا۔"

کلاس روم میں مس نے زلفی کو بہت ڈانٹا۔ "زلفی تمہارا کوٹ اور ٹوپی کیا ہوتے؟" "ایسی سردی میں لاپرواہی برتو گے تو سردی سے بیمار ہو جاؤ گے۔"

زلفی خاموش رہا۔ بتاتا بھی تو کیا آخر؟

مس نے سب سے کتابیں نکالنے کو کہا — پڑھائی شروع ہوئی — ذرا سا وقت گزرا کہ جادو پھر جاگ گیا — سامنے رکھی کتاب ایک دم بند ہوئی اور زلفی کے پکڑتے پکڑتے کتاب بستے میں جا گھسی۔

کتاب کی کھڑ پڑ سن کر مس نے گردن اونچی کی تو دیکھا کہ زلفی کتاب نکال رہا ہے۔

"کیا بات ہے؟" "زلفی کتابیں کیوں گرا رہے ہو؟"

زلفی نے کتاب کھول کر سختی سے دبوچ لی مگر ورق تھے کہ بار بار الٹ پلٹ ہو رہے تھے۔

ابھی مس نے دوبارہ پڑھانا شروع کیا ہی تھا کہ پین، پنسل اور ربڑ کا ڈبہ خود بخود بند ہوا اور کھڑکھڑاتا ہوا بستے میں جا پہنچا۔

شور سن کر مس نے زلفی کو غصے سے گھورا اور آرام سے بیٹھنے کی تنبیہ کر کے دوبارہ پڑھانے لگیں۔

زلفی نے ڈبہ تو واپس نہیں نکالا مگر ذرا سی دیر میں زلفی کی قمیض کے بٹن اور جوتوں کے تسمے کھل گئے اور قمیض اور جوتے بھی خود ہی اترنے لگے۔ اب زلفی کبھی قمیض کو سنبھالتا کبھی کتاب کو اور کبھی جوتوں کو — بڑے زوروں کی کھڑ پڑ مچی۔ سب بچوں کا دھیان زلفی کی طرف ہو گیا۔

ہلکی ہلکی کھسر پھسر اور ہنسی سارے کمرے میں پھیل گئی۔

مس کو بڑا غصہ آیا۔ انہوں نے زلفی کو کھڑا کر دیا۔

زلفی کے کھڑے ہوتے ہی کتاب تو فوراً بستے میں چلی گئی مگر قمیض اور جوتے اب بھی سنبھالے نہیں سنبھل رہے تھے۔ مگر کھڑے ہونے کا فائدہ یہ ہوا کہ تسمے کھل جانے کے باوجود جوتے پیروں سے

نہیں نکل سکتے تھے البتہ جوتے پیروں سے نکلنے کی بڑی کوشش کر رہے تھے۔ اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے زلفی کھڑے کھڑے ناچ رہا ہو۔

زلفی کی اس حالت پر بچّوں کی ہنسی روکے نہ رکتی تھی۔

مس غصے میں بڑبڑاتی ہوئی کلاس سے باہر چلی گئیں تو بچّوں نے خوب قہقہے لگائے کچھ نے زلفی پر آوازیں بھی کسیں مگر زلفی بیچارا شرم سے پانی پانی۔ بے بسی سے لڑکوں کی باتیں سنتا رہا اور اپنے کپڑے جوتے سنبھالنے میں مصروف رہا۔

اور پھر اچانک سب چیزیں پرسکون ہوگئیں۔ جادو کا زور ختم ہوگیا تو زلفی نے سُکھ کا لمبا سانس لیا۔

ہاف ٹائم کے بعد وُوڈ ورکنگ کا پیریڈ تھا۔ زلفی کو وُوڈ ورکنگ سے بڑا لگاؤ تھا۔ بڑی اچھی اچھی خوبصورت خوبصورت چیزیں بناتا تھا۔ آج بھی زلفی جلدی جلدی ورکشاپ میں پہنچا۔ اسے اپنی کشتی مکمل کرنا تھی۔ کئی دن سے زلفی یہ کشتی بنا رہا تھا۔ اور آج بس مکمل ہونے والی تھی۔

زلفی کے اسکول کی ورکشاپ بہت اچھی تھی۔ ہر بچّے کا اپنا ایک تالے والا شیلف تھا۔ جس میں بچّے اپنا سامان اور اوزار سنبھال کر رکھتے تھے۔

ورکشاپ پہنچتے ہی زلفی اپنے شیلف سے اپنی نامکمل کشتی۔ چھوٹے چھوٹے لکڑی کے تختے ___ پیچ کس۔ ہتھوڑی اور کیلوں کا ڈبہ نکال لایا اور انہیں اپنی میز پر سجا دیا ابھی کام شروع ہی کیا تھا کہ پنسل کی ضرورت پڑی ___ "افوہ! پنسل نکالنا تو میں بھول ہی گیا" زلفی نے دل ہی دل میں کہا اور جا کر شیلف سے پنسل نکال لایا۔

واپس میز پر پہنچا تو دیکھا کیلوں کا ڈبہ غائب ہے۔ "ارے یہ ڈبہ تو مجھے یاد ہے۔ میں نکال کر لایا تھا" زلفی نے سوچتے ہوئے میز پر نظر گھما کر ڈبہ تلاش کرنا چاہا۔

شاید فیصل لے گیا ہے" "یہ ہمیشہ میری کیلیں استعمال کرتا ہے۔ خود تو کبھی لاتا ہی نہیں"۔ زلفی یہ سوچ کر فیصل کی میز پر جا پہنچا۔

فیصل اپنی موٹر بنانے میں مصروف تھا۔ زلفی کے پوچھنے پر بولا "میں بغیر اجازت کسی کی چیز نہیں لیتا۔" "کسی اور نے لیا ہوگا"۔

تمام لڑکے اپنے اپنے کام میں مصروف تھے۔ زلفی اپنے کیلوں کے ڈبہ کی تلاش میں ایک، ایک

لڑکے کے پاس گیا۔ مگر سب نے لاعلمی ظاہر کی۔

جب زلفی ناکام واپس اپنی میز پر آیا تو دیکھا کہ دوسرا تمام سامان بھی غائب ہے۔ ایک دفعہ تو زلفی چکرا گیا۔ مگر جلد ہی وہ سمجھ گیا کہ یہ شاید جادو کا کمال ہے۔ تصدیق کے لئے شیلف کھول کر دیکھا تو ہر چیز بڑے قرینے سے رکھی تھی۔ اُس کا کیلوں کا ڈبہ بھی موجود تھا۔

زلفی نے کچھ سامان اٹھایا اور میز پر رکھ آیا۔ بقیہ سامان لے کر دوبارہ میز پر پہنچا تو دیکھا جو پہلے رکھ گیا تھا وہ سب اپنی جگہ سے غائب ہے۔

پھر شیلف کی طرف چلا تو دُور سے انسٹرکٹر صاحب نے زلفی کو ڈانٹ پلائی۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟ "بار بار شیلف کیوں کھولا جا رہا ہے"؟ ایک وقت میں سامان کیوں نہیں نکال لیتے" چلو جلدی بیٹھ جاؤ اور اپنا کام کرو۔ دوسروں کو مت ڈسٹرب کرو"۔

زلفی بیچارا چپ چاپ بے بس اسٹول پر بیٹھ گیا۔ جو سامان اُس نے ابھی لاکر میز پر رکھا تھا وہ بھی اُس کے دیکھتے دیکھتے ایک ایک کر کے واپس چلا گیا۔ اب زلفی کو فکر لاحق ہوئی کہ شاید اب اُس کے کپڑوں کی باری ہے ـــــ زلفی چوکنّا ہو گیا۔ مگر خیریت گزری کہ جادو جلد ہی خاموش ہو گیا۔

گھر جاتے ہی زلفی نے اپنا سامان غصّے میں اِدھر اُدھر پھینکنا شروع کر دیا۔ مگر ہر چیز خود بخود شیلف، الماری، بکس، میز جہاں جہاں جس کی جگہ تھی بڑے سلیقے سے پہنچ گئی۔

ہاتھ مُنہ دھو کر جب زلفی کھانے کی میز پر بیٹھا تو سوچنے لگا "یہ جادو میرا سامان تو بڑے سلیقے سے رکھ دیتا ہے مگر چلتا اپنی مرضی سے ہے ۔ آج کا تو سارا دن ہی بڑی پریشانی اور شرمندگی میں گزرا۔ نہ کچھ پڑھ سکا نہ کر سکا۔ جادو کی ساری کارروائی بڑی تکلیف دہ اور شرمناک تھی۔ اس جادو سے اگر جان نہ چھڑائی تو زندگی دُوبھر ہو جائے گی"۔

بڑے سوچ بچار کے بعد زلفی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ دوبارہ انکل عارف کے پاس جائے گا۔ ان کی مِنّت سماجت کر کے جادو انہیں واپس کر دے گا۔ اور زلفی کو یقین ہو گیا تھا کہ انکل بڑے مہربان ہیں وہ یقیناً جادو سے اس کی جان چھڑا دیں گے۔

جب زلفی انکل عارف کے گھر پہنچا تو انکل گھر پر موجود نہیں تھے۔ زلفی تہیّہ کر کے گیا تھا اور جادو نے چوں کہ اُسے دن بھر گھر والوں۔ مس اور دوستوں کے سامنے شرمندہ کیا تھا اس لئے بجائے واپس آنے کے انکل عارف کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔

کافی دیر بعد جب انکل عارف واپس آئے تو زلفی کو اپنے انتظار میں بیٹھا دیکھ کر بڑے حیران ہوئے۔ پوچھا "زلفی بیٹے اب کیا بات ہے؟ کیسے آنا ہوا؟"

زلفی نے روتے ہوئے انکل عارف سے کہا کہ "اچھے انکل خدا کے لئے اپنا جادو واپس لے لیں۔ میں بڑا پریشان ہوں"۔ اور سارے دن کی بپتا انہیں کہہ سنائی۔

انکل بہت ہنسے۔ پھر کہنے لگے "بھئی جادو تو اب مکمل واپس نہیں لیا جا سکتا۔ مگر میں واپس لینے کی کوشش کرتا ہوں۔ جادو تمہیں نہیں ستائے گا مگر تمہیں خود ہر کام سلیقے سے کرنا ہوگا۔ اگر تم نے کبھی لاپرواہی کی تو جادو پھر جاگ جائے گا اور اگر جادو دوبارہ جاگ گیا تو اُسے واپس کرنا میرے لئے بھی ممکن نہیں ہوگا۔

زلفی نے وعدہ کیا کہ اب وہ ہر کام خود سلیقے سے کر لیا کرے گا "آپ اپنا جادو ایک بار واپس لے لیں میں کبھی لاپرواہی کر کے اُسے جاگنے کا موقع ہی نہیں دوں گا"۔

انکل عارف نے زلفی کو سامنے بٹھا کر کچھ عمل کیا اور زلفی کو سمجھایا کہ "بیٹے جو کام آدمی کے خود کرنے کا ہو وہ خود کرنا چاہیئے۔ اپنے کام غلط طریقے سے کرنے کے نتیجے بھی غلط ہی ہوتے ہیں۔ اللہ نے انسان کو بڑی عقل، قوت اور حوصلہ دیا ہے۔ انہیں استعمال کرنا چاہیئے۔ اور جادو ٹونوں کا سہارا لے کر اللہ کی ان نعمتوں اور رحمتوں کی ناشکری نہیں کرنی چاہیئے۔ جو لوگ اپنے لئے کچھ کوشش نہیں کرتے وہی دوسروں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ اور دوسروں کی مدد سے بھلا کوئی کام اپنی مرضی کے مطابق کیسے ہو سکتا ہے۔ اب تم گھر جاؤ اور اپنا سب کام سلیقے سے کیا کرو۔ دیکھو میں تمہیں ایک پھر بتا رہا ہوں اگر تم نے سلیقے سے اپنے کام نہیں کئے تو جادو دوبارہ جاگ جائے گا۔ اور پھر میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکوں گا۔

زلفی خوشی خوشی واپس اپنے گھر آ گیا۔ اور اس دن کے بعد سے زلفی بڑا سلیقہ شعار بچہ بن گیا۔ اب اس کے امی ابو اُس سے بہت خوش ہیں۔ مس بھی زلفی کو بڑا چاہتی ہیں۔ اور اس کے کلاس فیلو بھی اب اس پر کبھی نہیں ہنستے بلکہ اب تو ہر بچہ زلفی سے دوستی رکھنا چاہتا ہے۔ اور ہر بڑا زلفی سے پیار کرتا ہے۔ ہاں بھئی جو بچے سلیقہ مند۔ فرماں بردار، اور صاف ستھرے ہوتے ہیں سب کو اچھے لگتے ہیں۔

The winning name in biscuits
now wins world-wide acclaim
IX INTERNATIONAL FOOD AWARD SPAIN 1986
Honey biscuits
Chocolate cream
Orange cream
Marie biscuits
Saltesh biscuits
Nice biscuits
Bourbon
Milk Short Cake

رسیلی سپاری
وہ لُطف جو آپ بار بار چاہیں ....
..... یقیناً وہ لطف رسیلی سپاری ہی کا ہے جسے ایک بار آزمانے کے بعد ہر ایک اِس کے خوشگوار ذائقے اور لطیف مہک کا قائل ہو جاتا ہے۔
سپاری کے صاف ستھرے ٹکڑوں کو قدرتی خوشبویات میں بسا کر ایک منفرد اور خوشگوار ذائقہ عطا کیا جاتا ہے اور پھر خوبصورت پیکٹوں میں بند کر کے اِسے رسیلی کا نام دیا جاتا ہے۔
RASILY
SUPARI
شالیمار فوڈ پروڈکٹس

پزل بک

کا تحفہ حاضر ہے۔

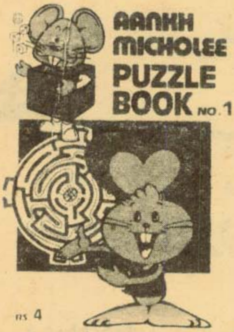

ہم نے بہت سوچا کہ آپ کو خاص نمبر کے ساتھ کیا تحفہ دیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ؟ ہمارے پیش نظر یہ بات تھی کہ ہمارے دیئے ہوئے تحفے کا کوئی ایسا فائدہ تو آپ ضرور پہنچے جس کے اثرات دیر تک قائم رہ سکیں۔

یہ بات اب دنیا بھر میں ثابت ہو چکی ہے کہ ایسے کھیل جس میں دماغ کا بھرپور استعمال ہوتا ہو...... ذہانت بڑھانے کے کام آتے ہیں وہ بچے جو شروع سے پزل اور ایسے ہی دوسرے معموں کو حل کرنے میں دلچسپی رکھتے ہیں وہ عموماً دوسرے بچوں کے معاملے میں زیادہ ذہین اور سمجھدار ہوتے ہیں۔

ان مسلمہ حقیقتوں کے پیش نظر ہم نے آپ کے لئے پزل بک کے تحفے کا انتخاب کیا ہے۔

خدا کرے۔ ہمارے ننھے منھے ساتھی بھی اپنی تعلیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ ان تعمیری کھیلوں کے ذریعہ اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتے رہیں اور بالآخر اپنی ذہانت کے باعث مستقبل کے بڑے لوگ کہلائیں اور ملک و قوم کے لئے قابل فخر سرمایہ بن سکیں۔

یہ تحفہ بھی ہے اور ایک انعامی مقابلہ بھی یوں گویا ——
ایک تحفے میں دو فائدے۔

آپ ابتدائی ۱۰ پہیلیوں کو حل کر کے ان کے جوابات ۲۰ جنوری تک ہمیں بھجوا دیں۔ صحیح جوابات میں سے ۲۰ شرکا کو قرعہ اندازی کے ذریعے قیمتی اور خوبصورت انعامات بھجوائے جائیں گے۔ اور مارچ کے **آنکھ مچولی** میں ان کے نام اور تصویر بھی شائع کئے جائیں گے۔ جوابات کے ساتھ پزل بک میں انعامی کوپن کا ساتھ آنا ضروری ہے۔

کوپن کے بغیر مقابلے میں شرکت ممکن نہ ہو گی۔

ماھنامہ
آنکھ مچولی

خاص نمبر کی اشاعت کے موقعہ پر

ھم دلی مبارک باد پیش کرتے ھیں

اور دعا کرتے ہیں کہ

یہ خوبصورت ماھنامہ یونہی علم کی روشنیاں بکھیرتا رہے

اور وطن کے ننھے سفیر

اسی علمی اور ادبی ماھنامے سے استفادہ کرتے رھیں

عطیہ اشتہار منجانب:- راوی گلاس ا۔ دیال سنگھ مینشنز۔ دی مال لاہور

ہمدردی

نعیم بلوچ

رات کا کھانا کھانے کے بعد حسبِ معمول مَیں ایک پارک میں ٹہل رہا تھا. میری سوچوں کا سلسلہ اُس وقت ٹوٹ گیا جب ایک بھکاری نے میرے آگے ہاتھ پھیلا دیئے.

"بابوجی خدا آپ کا بھلا کرے."

میں نے چونک کر اسکی طرف دیکھا. اس پارک میں کبھی بھی کوئی بھکاری نظر نہیں آیا تھا لہٰذا مجھے حیرت ہوئی. پھر یہ فقیر تو بیس پچیس سال کا تھا. بھلا چنگا لیکن بہت کمزور، ہڈیوں کا پنجرہ لگتا تھا کہ کئی دِنوں کا بھُوکا ہے.

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ روپے اس کے ہاتھ میں تھما دیئے. اس نے میری طرف دیکھا. روپے لے کر اُس کی مُردہ آنکھوں میں خاص قسم کی چمک تھی. اس نے میرا کوئی شکریہ ادا نہیں کیا. نہ کوئی دعا دی. بس چند لمحے مجھے دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے اس شخص کو میں نے کہیں دیکھا ہے اور میں یاد کرنے لگا کہ اسے کہاں دیکھا ہے؟ میری نظروں نے اس کا پیچھا

کیا۔ پھر میرے قدم بھی اس کے پیچھے اٹھنے لگے۔

وہ پارک کے ایسے حصّے میں چلا گیا جہاں روشنی بہت کم تھی۔ کوئی اور شخص بھی نہیں تھا۔ پھر ایک جگہ وہ رُک گیا میں بھی درخت کے تنے کے پیچھے چھُپ گیا۔ وہ مجھ سے زیادہ دور نہیں تھا میں اس کو آسانی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے پتلون کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور میں حیران رہ گیا۔ وہ تو روپے تھے! اس نے میرے دیئے ہوئے روپے بھی اس میں شامل کئے۔ کچھ روپے گنے اور مٹھی میں دبا لئے اور باقی پتلون کی جیب میں ڈال لئے۔ اب بے چینی سے ادھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد ایک موٹا تازہ آدمی اُس کی طرف آیا اور وہ بھکاری پاگلوں کی طرح اُس کی طرف لپکا۔ پھر مَیں نے اُس کی کپکپاتی آواز سُنی۔

"لائے ہو؟ میرے پاس اسّی روپے ہیں!"

"ہاں مگر آج نوّے روپے میں ملے گی۔" آنے والے شخص نے کہا۔

"نہیں خدا کے واسطے۔ مجھے دے دو۔ مَیں مر رہا ہوں۔" اور اس نے اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

"تو مَیں کیا کروں؟ مال مہنگا ہو گیا ہے۔" وہ اس کو ٹانگ سے ہٹا کر آگے بڑھ گیا۔ مگر بھکاری پھر اس کی منّتیں کرنے لگا۔ موٹے آدمی نے اسے گالیاں دیں۔ جب بھکاری نے دیکھا کہ نوّے روپے سے کم مان کر نہیں دے گا تو اس نے کہا:

"ٹھہرو!" اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے پیسے اسے پکڑا دیئے پھر پتلون کی جیب سے کچھ اور پیسے نکال کر اُسے دیئے۔ آدمی نے روپوں کو گنا اور ایک پُڑیا اُس کے ہاتھ پر رکھی اور فوراً چلا گیا۔

میں معاملے کی تہہ تک پہنچ چکا تھا کہ یہ نوجوان بھکاری ہیروئن کا عادی ہے۔

اُس نے سگریٹ نکالی۔ مَیں اتنی دیر میں آہستہ آہستہ اُس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہا۔ میری آمد کا اُسے کچھ پتہ نہ چلا۔ میں نے جھک کر نیچے پڑی ہوئی پُڑیا پکڑ لی۔ میرا ہاتھ ابھی زمین سے چند ہی سینٹی میٹر اُوپر اُٹھا تھا کہ مجھے یوں لگا کسی آہنی پنجے نے میرا ہاتھ پکڑ لیا ہے۔ اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور کسی خوف زدہ درندے کی طرح مجھے گھور رہا تھا۔ مَیں اب قریب سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ میرے ذہن میں اس کا نام نہیں آرہا تھا۔ اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثر اور میرے ہاتھ پر اس کی ڈھیلی پڑتی ہوئی

گرفت سے لگتا تھا اس نے مجھے پہچان لیا ہے۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولا:
"عقیل ..... تت ...... تم ..... " وہ میرا نام لے رہا تھا۔ اس نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ پھر یکدم اُس کی مسکراہٹ غائب ہوگئی اور اس کی جگہ ناپسندیدگی اور نفرت کے آثار نظر آنے لگے۔ "یہ تم ہو ..... عتیق ..... " میں نے بھی اُسے پہچان لیا تھا۔ وہ آٹھویں جماعت تک میرا کلاس فیلو رہا تھا۔ بڑا ہوشیار اور چالاک لڑکا تھا۔ کلاس میں ہمیشہ ہم دونوں کا مقابلہ رہتا تھا۔ بہت مغرور اور بدتمیز ہوا کرتا تھا۔ خاصے امیر باپ کا بیٹا تھا۔ میرے اس کے ساتھ تعلقات ہمیشہ خراب ہی رہتے تھے۔

اب اس حالت میں اسے دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہو رہی تھی۔ ان چند سیکنڈوں کے دوران میں اُس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا تھا لیکن وہ کہہ رہا تھا۔

"پلیز۔ یہ پڑیا مجھے دے دو، ورنہ میں مرجاؤں گا۔ پلیز عقیل! تمہارا احسان میں کبھی نہیں بھولوں گا!!"

"جب تک تم بتاؤ گے نہیں کہ اِس حالت میں کیسے پہنچے یہ پڑیا تمہیں نہیں دُوں گا۔"

اچانک اس نے پڑیا میرے ہاتھ سے چھیننی چاہی۔ اس کی کوشش ناکام رہی تو اس نے مجھے زور سے دھکا دیا۔ میں گر پڑا۔ پڑیا میرے ہاتھ سے گر پڑی وہ دیوانوں کی طرح پڑیا کی طرف لپکا۔ میں نے ٹانگ اڑائی تو وہ دور جا گرا۔ پڑیا پھر میں نے پکڑ لی۔

"میں نے کہا نا کہ جب تک تم نہیں بتاؤ گے پڑیا تمہیں نہیں ملے گی۔" وہ ہانپ رہا تھا اور واقعی لگتا تھا کہ مرجائے گا۔ میرے سخت رویے کو دیکھ کر وہ بیٹھ گیا۔

"ہاں بتاؤ کیا معاملہ ہے؟" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

کچھ دیر بعد جب اسے یقین ہوگیا کہ بغیر معلوم کئے میں اس کی جان نہیں چھوڑوں گا تو وہ کانپتی ہوئی آواز سے بولا۔

"ایک دوست نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس کی سگریٹ کا ایک کش لوں۔ اور بس۔ ایک دفعہ ہیروئن کی سگریٹ کا کش لینے کے بعد میں اس کے بغیر جی نہیں سکتا تھا..... میں ..... میں مجبور تھا کہ دوبارہ اس دوست کے سگریٹ پلانے کا انتظار کرتا عقیل! یقین جانو اگر ہیروئن کا سگریٹ مجھے نہ ملے تو میں مرجاؤں"

اس نے بچوں کی طرح رونا شروع کر دیا۔
"تم رہتے کہاں ہو؟ تمہارے گھر والوں کو معلوم ہے یہ سب کچھ؟" میں نے یکے بعد دیگرے دو سوال کر دیئے۔
"ابّو نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے، میری بری صحبت کی وجہ سے!۔"
میں خاموش ہو گیا۔ سوچ رہا تھا کہ اب کیا کروں؟ میں یہ تہیہ تو کر چکا تھا کہ اس آدمی کو بچانے کی پوری کوشش کروں گا۔ کیونکہ کسی بڑے آدمی کو سیدھی راہ پر لانے کا بہترین موقع یہی ہوتا ہے کہ مصیبت میں اس کے کام آیا جائے۔
میں نے اُسے اپنے محلے کے ڈاکٹر کے پاس لے جانے کا فیصلہ کیا لیکن مجھے معلوم تھا کہ یہ ساتھ جانے کو تیار نہیں ہو گا۔ میں نے اسے کہا۔ "میرے ساتھ چلو۔"
"نہیں۔ مجھے میری پڑیا دے دو۔ ورنہ میں مر جاؤں گا!"
"دے دوں گا۔ لیکن یہاں نہیں۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا!" اور میں گھر کی طرف چل پڑا وہ بھی مجبوراً میرے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ لیکن وہ بار بار اپنی پڑیا مانگتا رہا تھا۔ کلینک پہنچ کر وہ نیم مردہ سا ہو کر ایک بنچ پر لیٹ گیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو پوری بات بتائی انہوں نے کہا:
"میں اسے ہسپتال بھیج دیتا ہوں مگر آپ کو اس کی پوری دیکھ بھال کرنی ہو گی اور رقم بھی کافی خرچ آئے گی۔"
میں نے پوری ذمہ داری اُٹھانے کا وعدہ کیا۔
اگلے روز میں ہسپتال گیا۔ اُس کی حالت بہت بُری تھی۔ وہ اپنے جسم کو کاٹ رہا تھا۔ سخت سردی میں بھی اس کا بدن پسینے سے بھیگ رہا تھا۔ مجھ سے اُس کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ میں اس کے کمرے سے باہر آگیا۔ سوچ رہا تھا کہ نشہ آور چیزیں بنانے والے انسانیت کے کتنے بڑے دشمن ہیں میرا بس چلے تو ان سب کو پھانسی دے دوں۔
میں ہسپتال سے باہر آگیا۔ گھر کی طرف جا رہا تھا تو راستے میں ایک آدمی کو دیکھ کر ٹھٹک گیا یہ وہی شخص تھا جس نے عتیق کو ہیروئن کی پڑیا دی تھی۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا میری نظریں کسی پولیس والے کو ڈھونڈ رہی تھیں اور جلد ہی مجھے سڑک کے چوک پر ایک پولیس چوکی نظر آئی۔

مگر وہ شخص چوک سے دوسری طرف مڑ گیا۔ میں بھاگتا ہوا پولیس چوکی کے اندر داخل ہوا اور گھبرائی ہوئی آواز سے کہا۔ "وہ آدمی ہیروئن فروخت کرتا ہے اسے پکڑ لیجئے۔"

میری توقع کے خلاف پولیس والے نے فوراً ایک سپاہی کو حکم دیا اور وہ اسے چند منٹ میں پکڑ لایا۔ اس دوران پولیس والا مجھ سے پوری بات معلوم کر چکا تھا۔ اس نے موٹے کو آتے ہی پیٹنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اسے گالیاں بھی دیئے جا رہا تھا۔ میرا نام نوٹ کرنے کے بعد پولیس نے مجھے اجازت دے دی کہ میں چلا جاؤں۔

میں شام کو گھر پہنچا تو گھر میں عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ معلوم ہوا کہ ایک آدمی میرے نام ایک خط چھوڑ گیا ہے خط میں لکھا تھا۔

"مسٹر عقیل! آپ اپنی شرافت اور نیکی کو سنبھال کر اپنے گھر رکھیئے۔ آپ جیسے بے وقوف آدمی اتنی بات نہیں سمجھ سکتے کہ اگر ہمیں پکڑوانا اتنا آسان ہوتا تو ہمارا کام اتنی تیزی سے اور کھلم کھلا کیسے چلتا؟"

کچھ دوستوں اور ہمدردوں نے یہ نصیحت کی کہ دنیا بہت بگڑ چکی ہے بس اپنے آپ کو بچائے رکھو تو غنیمت ہے ان معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کرو گے تو اپنے آپ کو تو مصیبت میں ڈالو گے ہی، گھر والوں کو بھی پریشان کرو گے۔ اور میں بے وقوفوں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔"

کچھ دوستوں اور ہمدردوں نے یہ نصیحت کی کہ دنیا بہت بگڑ چکی ہے بس اپنے آپ کو بچائے رکھو تو غنیمت ہے۔ ان معاملات میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کرو گے تو اپنے آپ کو تو مصیبت میں ڈالو گے ہی، گھر والوں کو بھی پریشان کرو گے۔

میں سب کی نصیحتیں، مشورے، طنزیہ باتیں اور بڑے بوڑھوں کی ڈانٹ سنتا رہا۔ مگر میرا دل غم سے پھٹ رہا تھا۔ سوچ رہا تھا کہ جس معاشرے میں برائی کے خلاف بات کرنا جرم ہو جائے۔ اس معاشرے کا اس کے سوا کیا حشر ہو سکتا ہے کہ وہاں چوروں اور غنڈوں کی حکومت ہو۔ پھر اس معاشرے کے ہر فرد کو برائی میں ملوث ہونا پڑتا ہے۔ میرا اس بات پر یقین بڑھ گیا کہ اگر برائی کے خلاف نیک لوگ اپنی طاقت کے مطابق کچھ نہ کچھ کرتے رہتے

تو یہ برائیاں اِس قدر عام نہ ہوتیں جس قدر اب ہیں خدانخواستہ صورت یہی رہی تو وہ دِن بھی آکر رہیگا جب یہ برائیاں اس قدر عام ہوجائیں گی کہ لوگ ان کو برائی سمجھنا ہی بند کر دیں گے۔ ہر برائی معمولی سی بات بن جائے گی۔ کوئی کسی کو روک ٹوک نہیں سکے گا۔ کیونکہ ہر کوئی اسمیں ملوث ہوجائے گا۔ وہ رات میری انہی سوچوں میں گُم گزری۔

اگلے دِن میں عتیق کو ملنے ہسپتال جارہا تھا۔ میں سائیکل پر سوار تھا۔ راستے میں ایک جگہ پانی پینے کے لیئے رُکا اور جب میں پانی پی کر سائیکل پر سوار ہوا تو میرے جسم میں خوف کی ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ دُور ایک کار میں وہی موٹا شخص مجھے گھُور رہا تھا جسے کل میں نے پکڑوایا تھا۔ میں نے اللہ سے دعا کی اور سائیکل چلانا شروع کی۔ اُس نے میرا پیچھا نہیں کیا۔ مگر جب میں ہسپتال پہنچا تو وہاں موجود تھا۔ میں بھاگ کر ڈاکٹر کے پاس گیا۔

"اس شخص نے عتیق کو کچھ کھانے کو تو نہیں دیا؟" میں نے جاتے ہی پوچھا۔

"ہائیں۔ کیا آپ نے انجکشن نہیں بھجوائے؟" ڈاکٹر نے پوچھا۔

"نہیں نہیں۔ مَیں نے کچھ نہیں بھجوایا اُس کے ہاتھ۔"

"تو پھر کون ہے یہ؟۔ اُس نے تو آپ کا نام لے کر کہا تھا کہ یہ انجکشن مسٹر عقیل نے بھجوائے تھے۔"

"اوہ۔ نہیں ڈاکٹر صاحب! یہی تو وہ خبیث شخص ہے جو عتیق کو ہیروئن پلاتا تھا۔ آپ نے کوئی انجکشن دیا تو نہیں اسے؟" میں نے پریشانی سے پوچھا۔

"نہیں تو۔ یہ رہے وہ انجکشن۔" انہوں نے جیب سے کچھ انجکشن نکالے۔ اور انہیں غور سے دیکھنے لگے۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ ڈاکٹر نے ٹسٹ کرنے کے بعد مجھے بتایا ان ٹیکوں میں نہایت مہلک نشہ تھا۔ اگر یہ انجکشن عتیق کو دے دیے جاتے تو اس کا بچنا ناممکن ہوجاتا۔

"مگر ڈاکٹر صاحب کیا اب وہ بچ سکتا ہے؟" مَیں نے پوچھا۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔ آپ خدا سے دعا کریں۔"

میں خدا سے دعا مانگتا ہُوا واپس چلا آیا۔ راستے میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک میری سائیکل کی چین اُتر گئی سائیکل بالکل رُک گئی۔ اچانک رُکنے سے میں توازن برقرار نہ رکھ

سکا اور گر پڑا۔ جیسے ہی میں گرا ایک کار انتہائی تیز رفتاری سے گزری۔ اگر میں نہ گرتا تو کسی صورت میں نہ بچتا۔ کار لازماً مجھے ٹکر مارتی ہوئی نکل جاتی۔ چند سینٹی میٹر ہی کا تو فرق ہو گا۔

لیکن مَیں ابھی اُٹھ نہیں پایا تھا کہ پہیوں کی چرچراہٹ کی خوفناک آواز آئی۔ میرے قریب سے گزرنے والی کار ایک کھمبے سے ٹکراتی ہوئی سامنے آنے والے ایک ٹرک سے بُری طرح ٹکرائی۔ غالباً اس کا ڈرائیور کار پر ٹھیک طرح سے قابو نہیں پا سکا تھا

لوگ بھاگ کر اس کی طرف بڑھے۔ میں نے بھی اپنی سائیکل وہیں چھوڑی اور کار کی طرف بھاگا۔ میں ہجوم کو چیرتا ہوا آگے بڑھا۔ کار چکنا چُور ہو چکی تھی۔ دو آدمی ڈرائیور کو باہر نکال رہے تھے مگر وہ بُری طرح پھنسا ہوا تھا۔ لیکن جب میری نظر اس کے چہرے پر پڑی تو میں ٹھٹھک کر رہ گیا یہ تو وہی موٹا شخص تھا، جس نے عتیق کو ہیروئن کی پڑیا دی تھی، جسے میں نے پولیس کے حوالے کیا تھا جس نے مجھے دھمکی والا خط لکھا تھا اور جو عتیق کے ڈاکٹر کو نشہ آور ٹیکے دے کر آیا تھا۔ اُس کی لاش بالکل مسخ ہو چکی تھی۔ کار کا سٹیئرنگ ٹوٹ کر اُس کے پیٹ میں گھس گیا تھا۔ اس کا چہرہ خون سے لتھڑا ہوا بہت خوفناک لگ رہا تھا۔ آنکھیں کُھلی تھیں اور زبان باہر کو لٹک رہی تھی۔ نیکی اور شرافت کو فضول سمجھنے والا اب اللہ کی عدالت میں پیش ہونے والا تھا میں سمجھ گیا کہ اس نے مجھے کار سے ٹکر مارنے کی کوشش کی تھی میرے اچانک گرنے سے وہ گھبرا گیا ہو گا اور کار پر قابو نہیں رکھ سکا ہو گا۔

کچھ عرصہ کے بعد عتیق بالکل ٹھیک ہو گیا۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ اس کا بچنا کسی معجزے سے کم نہیں۔ وہ بہت خوش تھا۔ والدین نے اسے معاف کر دیا تھا۔ اب وہ میرا بہترین دوست تھا برائیوں کو ختم کرنے کی جدّوجہد میں میرا ساتھی تھا۔ میں جب بھی اسے ملتا ہوں، تو میرا سر خدا کے شکر سے جھک جاتا ہے اور میرے ذہن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث گونجنے لگتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ:-

"اگر تمہارے ذریعے ایک شخص نے ہدایت پائی تو تمہارے لئے وہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔"

معیار کی بلندی پر کامیاب ترین کوالٹی
Regd No. 69585
SUPER asia®
سپر ایشیا
واشنگ مشین
ڈائریکٹ موٹر سسٹم کے ساتھ
نہ خراب ہونے کا ڈر، نہ بیلٹ ٹوٹنے کا خطرہ
10 اور 15 کے علاوہ اب 12 پونڈ کے بے مثال ماڈل میں دستیاب ہے
ہوم سروس کی سہولت کیلئے
فون: 729800
نقلی مال سے بچنے کیلئے مشین ہمارے مقرر کردہ ڈیلر سے خریدیئے۔
ڈسٹری بیوٹرز:
مڈوے الیکٹرونکس
عبداللہ ہارون روڈ۔ کراچی
فون: 729800
محمد دین سنز
حافظ آباد روڈ۔ گوجرانوالہ
فون: 74032

MASS

بانو ایمن

تتلی کی کہانی

ٹھنڈے میٹھے پانی سے چھلکتی ہوئی کہیں چھوٹی سی ایک جھیل تھی اس جھیل میں بہت دور سے چلتا ہوا ایک پہاڑی چشمہ آکر گرتا تھا اور اسے سارے سال پانی سے بھرتا رہتا تھا خشک موسم میں جب دور دور تک تالاب اور ندیاں سوکھ جاتیں اور ان کے آس پاس اُگی گھاس اور پھولوں کی جھاڑیاں پانی نہ ملنے کے سبب سے زرد اور بھورے رنگ کے جھاڑ جھنکاڑ میں تبدیل

ہو جاتیں اس موسم میں یہ چھوٹی سی جھیل ٹھنڈے میٹھے پانی سے چھلکتی رہتی جھیل کے کنارے اگی ہوئی گھاس سرسبز اور پھولوں کے کنج ہرے بھرے رہتے۔ گھاس پر سارا سارا دن سبز رنگ کے ٹڈے اور ان کے ساتھی چھلانگیں مارتے پھرتے۔ راتوں میں جگنو اپنی ننھی مشعلیں لے کر آجاتے اور صبح تک خوب تماشے دکھاتے۔ اسی طرح جھیل کنارے پھولوں کے کنجوں میں طرح طرح کی چڑیاں اور تتلیاں پر مارتی اُڑتی رہتیں۔ باہر موسم چاہے کتنا ہی گرم اور سخت ہوتا ان تتلیوں اور چڑیوں کے لئے ہرے بھرے کنجوں کی چھاؤں میں ہمیشہ طراوت اور ٹھنڈک ہی رہتی تھی۔ چڑیاں تو زیادہ تر سیانی ہوتی ہیں وہ تو ٹھیک ٹھاک موسم دیکھ کر جھیل سے دُور اڑتی چلی جاتیں اور پتھریلے ٹیلوں، اونچے درختوں اور فصل بوئے گئے کھیتوں کے کئی کئی چکر لگا کر پھر جھیل کنارے اپنے کنجوں میں لوٹ آتی تھیں۔ تتلیاں اپنے نازک پروں سے زیادہ مشقت نہیں لے سکتیں۔ وہ رنگ برنگے بادل کی طرح اپنے پھولوں بھرے کنج سے اٹھتیں تو جھیل کے زیادہ سے زیادہ دو چکر لگاتی تھیں پانی کی ہموار سطح کو اپنے ننھے پروں کی ہوا دیتی، جنگلی پھولوں کا رس پیتی، کنارے کی گھاس اور پھولوں پر بیٹھ کر تھوڑی دیر سستائی ہوئی یہ ساری تتلیاں واپس اپنے کنج میں لوٹ آتی تھیں۔ ان دو چکروں میں تتلیوں کا سارا دن صرف ہو جاتا تھا۔ بہت سی کمزور تتلیاں تھک بھی جاتی ہوں گی مگر انہیں سب کے ساتھ جھیل کے دو چکر تو لگانا ہی پڑتے تھے۔ اس طرح چکر لگانے سے سیر کی سیر ہو جاتی تھی اور تتلیوں کا پیٹ بھی بھر جاتا تھا اگر سب تتلیاں سارا دن اپنے کنج ہی میں بیٹھی رہتیں تو پوری طرح اپنا پیٹ تو نہیں بھر سکتی تھیں۔ اس کنج میں ہر وقت اتنے زیادہ پھول تو ہوتے نہیں تھے کہ سب کا پیٹ بھر جاتا۔ یقیناً بہت سی تتلیوں کو بھوکا رہنا پڑتا، اس لئے ان کا چکر لگانا بہت ضروری تھا۔

یہ بات سب تتلیاں جانتی تھیں مگر تتلیوں کا ایک شریر چھوٹا بچہ جس کا نام تلتوُ تھا۔ اس بات کو نہیں سمجھتا تھا یا سمجھ سکتا ہو گا تو اپنی ضدی طبیعت کی وجہ سے سمجھنا نہیں چاہتا تھا جھیل کے چکر لگانے کو سب تتلیاں جب رنگ برنگے بادل کی طرح اپنے کنج سے اُٹھتیں تو بڑوں کے بار بار کے کہنے کے باوجود تلتوُ کنج ہی میں ایک طرف بیٹھا رہتا وہ ظاہر یہ کرتا تھا کہ جیسے بہت مصروف ہے اور اپنے پَروں کو ہلا ہلا کر اُن پر سے رات کی اوس کی نمی سکھا رہا ہے۔ حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی وہ اگر سب کی طرح کنج سے

نکل کر چمکیلی دھوپ میں آتا تو اوس کی نمی اُس کے پروں سے خود بہ خود غائب ہو جاتی جیسے سب تتلیوں کے پروں سے غائب ہو جاتی ہے۔ تلتوُ کو اس کے ماں باپ نے اور دوستوں نے بہت سمجھایا کہ سب کے ساتھ جھیل کا چکّر لگایا کرو اس طرح آپس میں میل جول بڑھے گا۔ اور تمہارا وقت بھی اچھا گزرے گا دوسری تتلیاں تمہیں پسند کرنے لگیں گی اور یہ بھی ہے کہ کنج کے باہر تمہارا پیٹ ٹھیک طریقے سے بھر جایا کرے گا مگر تلتوُ کی ضد کے آگے کسی کی نہیں چلتی تھی وہ اسی طرح کُنج میں بیٹھا رہتا اور سب کے جانے کے بعد کنج کے بچے کھچے پھولوں سے بچا کُھچا رس لے کر اپنا پیٹ بھر لیتا اُس کی عمر کے تِتلی بچے روز کُنج سے روانہ ہوتے وقت اُسے پکار پکار کر اپنے ساتھ آنے پر آمادہ کرتے اُن میں سے بعض اسے چڑانے بھی لگے تھے وہ اسے "کاہل تلتوُ" کہہ کر پکارتے تھے تلتوُ اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا۔ ظاہر ہے کوئی بھی پسند نہیں کرے گا کہ اُسے کاہل کہا جائے لیکن تلتوُ کاہلی کے اس الزام سے بچنے کے لئے کچھ کرنے کو تیار بھی تو نہیں تھا۔

اِسی طرح دِن گزر رہے تھے کہ ایک روز شام سے کچھ پہلے بڑی سی ایک گاڑی میں بیٹھ کر شہر کے کچھ لوگ ٹھنڈے میٹھے پانی کی جھیل پر پکنک منانے آئے ان کے ساتھ چھ سات برس کا ایک لڑکا بھی تھا بڑی سی گاڑی والے اپنے ساتھ ایک خیمہ لائے تھے۔ انہوں نے جھیل کے کنارے صاف سی جگہ دیکھ کر خیمہ لگا دیا۔ پتھر اکٹھا کر کے چولہا بنایا عورتوں نے اس چولہے پر کھانے گرم کیئے، چائے بنائی اور کھا پی کر کچھ لوگ جھیل کا چکّر لگانے لگے کچھ لوگ مچھلی پکڑنے کی چھڑیاں لے کر جھیل پر جم کر بیٹھ گئے۔ چھ سات برس کے اس لڑکے نے بھی کچھ دیر مچھلی پکڑنے کی کوشش کی مگر جلد ہی وہ اُکتا گیا اور چھڑی پھینک کر گھاس پر دوڑ لگانے لگا۔

اکیلا لڑکا بڑوں کے ساتھ آکر کچھ زیادہ خوش نہیں ہوا تھا گھاس پر دوڑ لگا لگا کر لڑکا تھک گیا تو اُس نے تتلیوں والے کُنج سے پھول چُننا شروع کر دیئے۔ اسی وقت تتلیوں کا رنگ برنگا بادل جھیل کے دو چکر لگا کر واپس اپنے کنج کی طرف آیا تھا اور کُنج میں اُترنے کا ارادہ کر رہا تھا

ظاہر ہے سب تتلیاں تھکی ہوئی تھیں۔ رات ہونے والی تھی۔ تتلیوں کو کنج میں

اپنے رات بسیرے کی تیاری کرنا تھی انہوں نے اکتائے ہوئے اس لڑکے کو اپنے کنج میں داخل ہوتے اور پھول چنتے دیکھا تو بہت پریشان ہوئیں مگر وہ کنج میں اترنے کے لئے ایک غوطہ لگا چکی تھیں ایک دم کیسے رک جاتیں؟ تم نے دیکھا ہوگا کہ تتلیوں کے غول کے آگے آگے ان کے مکھیا سردار اڑتے ہیں یہ بہت خوب صورت اور بڑے بڑے پروں والی تتلیاں ہوتی ہیں۔ تو ان سرداروں نے اپنے دھنک جیسے رنگ برنگے غول کے ساتھ کنج میں اترنے کے لئے غوطہ لگا لیا تھا۔ اب لڑکے کو اپنے کنج میں کھڑے دیکھ کر انہوں نے دوبارہ کھلی فضا کی طرف اپنا رخ کر لیا۔ سب تتلیاں اپنے سرداروں کے ساتھ ساتھ ہوا میں بلند ہو گئیں۔ لڑکے نے اتنی بہت سی تتلیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ وہ پھول چننا چھوڑ کر تتلیوں کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے خوشی سے کلکاریاں مارنے لگا مگر تتلیاں اس کی پہنچ سے دور ہو چکی تھیں۔ لڑکا کنج سے نکل کر کچھ دور تک تتلیوں کے غول کے پیچھے دوڑا بھی مگر پورا غول بہت بلندی پر اڑ رہا تھا ایک بھی تتلی لڑکے کے ہاتھ نہ آئی ——

تتلیوں کے سرداروں نے شام کا اندھیرا پھیلنے تک اپنے کنج کے کئی چکر لگائے۔ وہ بلندی پر اڑتے ہوئے آئے اور لڑکے کو اپنے کنج کے پاس دیکھ کر واپس چلے گئے انہوں نے طے کیا کہ جب تک لڑکا کنج کے پاس منڈلاتا رہے گا وہ بسیرے کے لئے نہیں اتریں گے۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا پکنک پر آنے والوں نے لڑکے کو پھولوں کی جھاڑی میں گھستے دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے آواز دے کر اسے بلا لیا لڑکا جانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر مجبوری تھی بڑوں کا حکم ماننا ضروری تھا۔ کنج کے پاس سے ہٹتے ہوئے لڑکا اور زیادہ اکتایا ہوا لگ رہا تھا۔ کیوں کہ خدا خدا کرکے یہاں ایک کھیل تو اسے اچھا لگا تھا۔ اب وہ بھی ختم ہو گیا تھا۔

لڑکے نے اپنے بڑوں کو تتلیوں کے بارے میں بتایا — انہوں نے اسے سمجھایا کہ وہ صبح اٹھ کر کنج سے تتلیاں پکڑ سکتا ہے لڑکے نے بڑوں سے وعدہ لے لیا کہ کل ناشتے کے بعد وہ اسے تتلیاں پکڑنے کا ایک جال بنا دیں گے۔ تم تو جانتے ہو تتلیاں پکڑنے کا جال بنانا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔

خبر نہیں یہ بات کہاں تک درست ہے کہ تتلیوں کے سردار بچوں کی باتیں سن اور سمجھ سکتے ہیں۔ ٹھیک ہی ہو گا جبھی تو ان سرداروں نے لڑکے کی بات سمجھ لی۔ انہوں نے اس کے واپس جاتے ہی اپنے غول کو کنج میں اُتار لیا اور سونے سے پہلے سب کو سمجھا دیا کہ صبح لڑکے کے جاگنے سے پہلے سب تتلیوں کو اپنا کنج چھوڑ دینا ہو گا تتلیوں نے سرداروں کی بات سُنی اور صبح جلد اٹھنے کا فیصلہ کر کے سو گئیں۔

یہ سب باتیں تَلتُو نے دیکھی اور سُنی تھیں اس نے تتلیوں کے غول کے کنج کی طرف آنے سے پہلے لڑکے کو کُنج میں داخل ہوتے اور پھول توڑتے دیکھا تھا جتنی دیر لڑکا کنجُ میں رہا تَلتُو چپ چاپ دُم سادھے بیٹھا رہا تھا۔ تلتُو نے سرداروں کا حکم بھی سن لیا تھا مگر صبح اٹھتے ہی جب تتلیاں جھیل کی طرف جانا شروع ہوئیں اور تلتُو کے ماں باپ اور دوستوں نے اُسے سے چلنے کو کہا تو تلتُو نے عادت سے مجبور ہو کر صاف انکار کر دیا۔ تمہیں تو خبر ہے وہ کتنا ضدی تھا۔ بڑی عُمر کی بہت سی تتلیوں نے بلکہ سرداروں نے بھی تلتُو کو سمجھانے کی کوشش کی مگر جب انہوں نے دیکھا کہ تلتُو سنتا ہی نہیں ہے تو چپ ہو گئے ادھر پکنک والوں کے خیمے کے باہر آگ روشن ہو گئی تو سب نے سوچا کہ لڑکا اب کسی وقت بھی جال لے کر کنج کی طرف آ سکتا ہے سب تتلیاں اور سب کے ساتھ تلتُو کے ماں باپ بھی کنج چھوڑ کر اُڑ گئے۔ صرف تلتُو رہ گیا۔ ہمیشہ کی طرح وہ یہ ظاہر کرنے لگا کہ جیسے بہت مصروف ہے۔ وہ اپنے پَروں کو ہلا ہلا کر رات کی اوس کی نمی سکھانے لگا بہت دیر تک تلتُو کاہلی کے اِس مشغلے میں الجھا رہا۔ اسے وقت گزرنے کا اندازہ نہ ہوا پہلے دِن کی ناکامی کے بعد لڑکا اپنی بڑی بہن کو ساتھ لے کر کنج میں آ گیا تھا وہ دونوں اپنے ساتھ جالی والے کپڑے لائے تھے لڑکا کنج میں داخل ہو کر اِدھر اُدھر تتلیاں تلاش کرنے لگا۔ اُس کی بہن اس خیال سے باہر کھڑی رہی کہ کوئی تتلی اُڑ کر باہر آئے تو وہ اُسے اپنے جال میں پکڑ لے۔

تلتُو کو خطرے کا احساس اُس وقت ہوا جب لڑکا ایک دم اُس کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ بیٹھے بیٹھے پَر ہلانا بند کر کے شاخ سے اڑا۔ اس نے کوشش کی کہ پتوں اور شاخوں میں راستہ بنا کر اوپر ہی اوپر کنج سے باہر نکل جائے۔ مگر لڑکا پچھلی شام کی ناکامی کی

وجہ سے چڑ چڑا ہو رہا تھا اس نے کپڑا لہرا کر جھپٹا مارا۔ تَلتوُ نے اُس وقت تک ناشتہ بھی نہیں کیا تھا پھر وہ ہمیشہ کا کاہل بھی تھا، بے چارہ جال میں آ گیا۔

بعد کی کہانی کچھ زیادہ دلچسپ نہیں ہے۔ اس لڑکے کے پاس اب شیشے کا ایک شو کیس ہے جس میں مخمل کا بستر سا بچھا ہے۔ لڑکے نے تَلتوُ کو اس شو کیس میں مخمل کے بستر پر ایک چمک دار آل پن کی مدد سے ٹانک لیا ہے۔ لڑکے کے دوست اور رشتے دار جب اس کے گھر آتے ہیں تو وہ بڑے شوق سے انہیں شو کیس میں مخمل کے بستر پر سوتے ہوئے تَلتوُ کو دکھاتا ہے اور بتاتا ہے کہ کس طرح جھیل کی پکنک میں ایک اکیلا تَلتوُ اسے پھولوں کے کُنج میں بیٹھا نظر آیا تھا۔ اس کے سوا دوسری کوئی تتلی کنج میں تھی ہی نہیں۔

جب پزل سمجھ میں نہ آئے تو ...... پزل کی ایسی تیسی

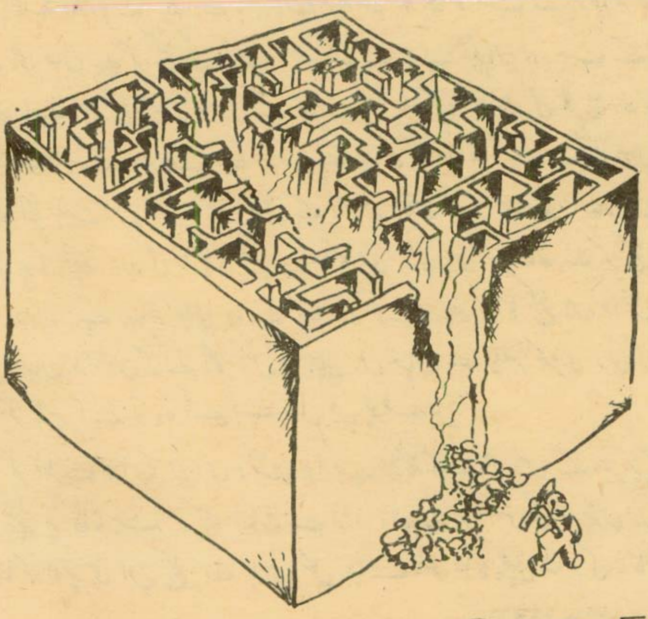

شاہ محیُ الحق فاروقی

دُکھ سُکھ کے شریک

حیدرآباد کی بس سے اتر کر بدین اس بس میں بیٹھنے والوں کو ایک دور افتادہ قصبہ تک جانا تھا۔ اس بس میں صرف چار نوجوان اور ایک ضعیف آدمی ایسے تھے جو اس علاقے کے لیے اجنبی تھے۔ ورنہ بس کے زیادہ تر مسافر ایک دوسرے سے واقف تھے۔ بس چلتے ہی لوگوں نے آپس میں بات چیت شروع کر دی۔ کوئی شخص اپنے مقدمہ کی تاریخ پر آیا تھا اس نے

مقدمہ کی کارروائی اور کچہریوں کا حال زار سنانا شروع کر دیا۔ ایک شخص اپنے والد کی آنکھ کا علاج کرانے کے لئے حیدرآباد گیا تھا۔ بڑی بھاگ دوڑ سے اس کے والد کو اسپتال میں داخلہ مل گیا تھا۔ یہ نوجوان کچھ اور پیسوں کا بندوبست کرنے کے لئے گاؤں واپس جا رہا تھا۔ خوش قسمتی سے ڈاکٹر بہت اچھا مل گیا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ اللہ نے اس کے ہاتھ میں بڑی شفا دی ہے۔ نوجوان کو بھی پوری امید تھی کہ اس کا باپ بہت جلد ٹھیک ہو کر اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرنے کے لائق ہو جائے گا۔

لیکن وہ پانچوں اجنبی ایک دوسرے سے اور دوسرے مسافروں سے بے نیاز خاموش بیٹھے ہوئے تھے چاروں نوجوانوں میں سے تین نوجوان ایسے تھے جو کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے۔ نئے اور چمکدار کپڑوں کے بنے ہوئے سوٹ۔ ان کے چہرے تنے ہوئے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس سفر سے خاصے بیزار ہیں۔ ان تینوں کو الگ الگ سیٹوں پر جگہ ملی تھی وہ اپنے ساتھ بیٹھے ہوتے دوسرے مسافروں سے کھسک کر بیٹھے ہوئے تھے اور اگر کبھی بس کے دھکے سے ان کے ساتھ کا مسافر ان کے قریب آجاتا یا ان سے ٹکرا جاتا تو ان کی بے زاری دیکھنے سے تعلق رکھتی۔ ایسا معلوم ہوتا گویا کوئی گندی چیز ان سے چھو گئی ہو۔ کچے راستہ پر بس جوں جوں اچھلتی ان کی اکتاہٹ اور بے زاری بڑھتی جاتی۔ ان تینوں کے رویّہ سے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ کسی شدید مجبوری کی وجہ سے وہ اس ناخوشگوار سفر پر آمادہ ہوئے ہیں۔

چوتھا نوجوان بھی اگرچہ ان سب کے لئے اجنبی تھا لیکن اس کے چہرے پر ایک فطری مسکراہٹ تھی۔ وہ ہلکے رنگ کی قمیض اور شلوار پہنے ہوئے تھا لیکن دھلا ہوا اور صاف ستھرا تھا۔ اس کی ہر ادا سے یہ معلوم ہو رہا تھا گویا وہ خود تکلیف اٹھا کر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے مسافر کو آرام پہنچانا چاہتا ہو۔ اس کے چہرے پر ایسا انکسار تھا گویا وہ بہت ہی معمولی آدمی ہو۔ کم از کم ان دوسرے تین نوجوانوں کے مقابلہ میں تو اس کی حیثیت بہت ہی کمتر تھی۔ ایک طرف ان تین نوجوانوں کے چہروں پر غرور کی سی کیفیت تھی تو دوسری طرف اس نوجوان کے چہرے پر عاجزی کا رنگ تھا۔

پانچواں اجنبی یعنی ضعیف شخص بھی قمیض شلوار پہنے ہوئے تھا۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا

تھا لیکن غور سے دیکھنے والے کو معلوم ہو جاتا کہ وہ بس میں ہونے والی گفتگو کو پوری دلچسپی سے سن رہا ہے اگرچہ خود اس نے ابھی تک کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس علاقہ کے لئے اجنبی ہے لیکن عجیب بات یہ تھی کہ بعض جگہوں یا عمارتوں کو یہ اجنبی بوڑھا بڑے غور اور دلچسپی سے دیکھنے لگتا تھا۔

کچھ دیر کے بعد سورج ایک ایسے رُخ پر آگیا کہ آدھی بس دھوپ سے بھر گئی۔ دھوپ میں خاصی تیزی تھی لہٰذا اس طرف بیٹھے ہوئے لوگ بے چینی سی محسوس کرنے لگے لیکن بہرحال ایسی تکلیفیں تو سفر کا حصّہ ہوتی ہیں اور انہیں برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔ اتفاق سے بوڑھے کو بھی اسی طرف جگہ ملی تھی جو دھوپ میں آگئی تھی۔ چاروں نوجوان بس میں اس طرف بیٹھے تھے جو سایہ میں تھی۔

دو ایک منٹ کے بعد جب یہ یقین ہو گیا کہ بس بہت دیر تک اسی رُخ پر چلتی رہےگی تو شلوار قمیض والا نوجوان اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے بوڑھے سے جگہ تبدیل کرنے کے لئے کہا "آخر ہم ایسا کیوں کریں۔ یہ تو اتفاق ہے کہ تمہیں سایہ والی جگہ مل گئی ہے۔ تم اپنی آرام دہ جگہ میرے لئے کیوں چھوڑ رہے ہو؟" بوڑھے نے جواب دیا

نوجوان نے جواب دیا کہ یہ بڑی عجیب بات ہو گی کہ میں سایہ میں بیٹھوں اور آپ اس عمر میں دھوپ کی تکلیف برداشت کریں۔ اگر ہمیں اتفاق سے ایسی جگہیں مل گئی ہیں تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم صحیح فیصلہ بھی نہ کر سکیں اور صحیح بات یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ضعیفوں کو آرام مہیا کیا جائے اور نوجوانوں کو وقتی طور پر تھوڑی سی تکلیف برداشت کرنی چاہئے بلکہ شام ہونے تک جب بس کا رُخ اس طرح بدلے گا کہ آپ کی نشست دھوپ میں اور میری سایہ میں آجائے گی تو ہم پھر جگہ بدل لیں گے۔ ضعیف انسان نے مزید احتجاج مناسب نہیں سمجھا اور اس نے شکریہ ادا کرتے ہوئے نوجوان سے جگہ بدل لی۔

اب بس چلتے ہوئے آدھ گھنٹہ سے زیادہ ہو چکا تھا ابھی تک اجنبیوں کا تعارف نہیں ہوا تھا حالانکہ یہ بس ایک دیہاتی قصبہ کی طرف جا رہی تھی اور دیہات کے لوگوں میں شہریوں جیسی اجنبیت نہیں ہوتی وہ عموماً ایک دوسرے سے واقف ہوتے ہیں اور اپنے علاقہ میں آنے والے نئے آدمیوں کے بارے میں مکمل واقفیت حاصل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں

آخر کچھ دیر بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی نے اپنی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان سے جو سوٹ پہنے ہوئے تھا پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ نوجوان تھوڑی دیر تو خاموش رہا لیکن غالباً اس نے بھی سوچا ہوگا کہ وہ ایک نئی جگہ جا رہا ہے۔ خاموشی سے کیسے اور کب تک کام چلے گا۔ لہٰذا اس نے بڑی بے نیازی سے کہا کہ وہ وڈیرا مہرداد کے یہاں جا رہا ہے۔ حیدرآباد کے اخبارں میں ایک اشتہار چھپا تھا کہ اسے ایک منیجر کی ضرورت ہے جو نہ صرف اس کی زمینوں کی دیکھ بھال بلکہ اس کے اسکول اور اسپتال وغیرہ کے بہت سے منصوبوں کی نگرانی بھی کر سکے۔ نوجوان نے بتایا کہ اشتہار میں لکھا ہوا تھا کہ کامیاب ہونے والے امیدوار کو عمدہ رہائش اور جیپ وغیرہ کی سہولتوں کے علاوہ تعلیم اور تجربہ کے مطابق چار سے چھ ہزار روپیہ تک تنخواہ ملے گی۔ اس نے بھی درخواست دی تھی اور اسے انٹرویو کے لئے بلایا گیا ہے۔

ایک دوسرے مسافر کے پوچھنے پر اس نوجوان نے بتایا کہ اس نے ٹنڈو جام سے زراعت میں ایم ایس سی کیا ہے اور اپنی تعلیمی قابلیت کی وجہ سے اسے امید ہے کہ ملازمت مل جائے گی بقیہ منصوبوں کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ آخر دوسرے مستری مزدور بھی ہونگے اس کا کام تو صرف نگرانی ہوگا۔ اس نوجوان کی گفتگو میں دوسرے دو نوجوانوں نے بھی دلچسپی لی اور تھوڑی دیر میں سب کو معلوم ہوگیا کہ یہ تینوں ہی نوجوان اسی جگہ کے لئے امیدوار ہیں۔ ایک نوجوان کے پاس انجنیئرنگ کی ڈگری تھی اور اس کا خیال تھا کہ وڈیرے کو اصل ضرورت تعمیراتی کاموں کے لئے ایک تعلیم یافتہ نوجوان کی تھی ورنہ زمین پر کام تو ہاری وغیرہ بھی کر سکتے ہیں۔ تیسرا نوجوان کامرس کا گریجوئٹ تھا اور اس کی رائے یہ تھی کہ دیہات کے رہنے والے رئیسوں کو اصل ضرورت ایک ایسے آدمی کی ہوتی ہے جو اس کی آمدنی اور اخراجات اور لین دین کا صحیح حساب رکھ سکے۔ زمینوں اور تعمیرات کے کاموں کے لئے تو آدمی بہت مل جاتے ہیں اور خصوصاً دیہاتوں میں تعمیرات کا ایسا کام ہوتا بھی کیا ہے کوئی بھی مستری تھوڑے دنوں میں ٹیڑھی سیڑھی عمارت کھڑی کر دے گا۔ بس کام چلنا چاہیئے۔ وہاں خوبصورتی اور پائیداری کی ایسی کون سی ضرورت ہے۔ رہی زمین تو اس پر بھی علاقہ میں صدیوں سے بسنے والے ہاری اپنے روایتی انداز میں کام کرتے رہیں گے۔

غرض کہ تینوں نوجوانوں نے اپنی گفتگو سے یہی تاثر دیا کہ اس عہدہ کے لئے صحیح

معنوں میں موزوں وہی ہیں لیکن سفر کا معاملہ تھا لہٰذا کسی نے ایک دوسرے کی تردید نہیں کی۔ انہیں معلوم تھا کہ اصل مقابلہ تو اس وقت ہوگا جب وہ وڈیرے کے سامنے پیش ہوں گے لہٰذا ایک دوسرے کی تردید کر کے تلخی پیدا کرنے سے کیا فائدہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پوری مصلحت سے کام لیتے ہوئے ان تینوں نے آپس میں دوستی کا مظاہرہ کرنا شروع کیا۔ ان کی گفتگو کا موضوع یہ تھا کہ منتخب ہونے کے بعد ان کا ارادہ کیا ہے۔ وہ تینوں اس پر متفق تھے کہ ایک رئیس کے تعلیم یافتہ منیجر کو زیادہ وقت دیہات میں نہیں گذارنا چاہیئے اس طریقہ سے ان کا رعب داب ختم ہو جائے گا۔ ان کی رائے تھی کہ اگر کراچی یا حیدرآباد نہیں تو انہیں اپنا ہیڈکوارٹر کم از کم بدین میں رکھنا چاہیئے اور سال میں ایک آدھ چکر زمینوں کا لگا لینا کافی ہوگا۔ آج کل تو جیپیں بھی ائیرکنڈیشنڈ ہوتی ہیں لہٰذا آنے جانے میں اتنی زیادہ تکلیف بھی نہیں ہوگی۔ ایک نوجوان نے کہا کہ وہ وڈیرے کو رائے دے گا کہ وہ اپنا زیادہ پیسہ کراچی یا حیدرآباد میں بنگلے اور فلیٹ بنانے میں صرف کرے کیونکہ اس سے آمدنی زیادہ بھی ہوگی اور محفوظ بھی۔ دوسرے نوجوان کی رائے تھی کہ فلیٹوں اور بنگلوں سے زیادہ منافع اس میں ہے کہ دو تین اچھے شادی ہال بنائے جائیں۔

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ بس کے ایک مسافر نے پوچھا کہ آخر یہ وڈیرا مہرداد ہے کون؟ ہم نے ہمیشہ اس کا نام سنا ہے لیکن اس کی صورت کبھی نہ دیکھی۔ ایک دوسرے مسافر نے کہا کہ کافی دنوں پہلے وہ اس علاقہ سے چلا گیا تھا۔ پہلے تو وہ کراچی میں رہتا تھا اور پھر سنا کہ وہ کنیڈا چلا گیا تھا جہاں اس نے تجارت اور زراعت میں لاکھوں ڈالر کمائے۔ کچھ دنوں پہلے تک تو مہرداد کا بڑا بھائی علاقہ کا وڈیرا تھا لیکن اس کے انتقال کے بعد سارا کام کاج کارندے دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ بڑے بھائی کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اب سنا ہے کہ مہرداد مستقل طور پر اپنی زمینوں پر واپس آرہا ہے۔

اس ادھیڑ عمر آدمی نے جس نے نوجوانوں سے سوالوں کی ابتدا کی تھی، چوتھے نوجوان سے جو شلوار قمیض میں ملبوس تھا پوچھا کہ وہ کہاں اور کس لئے جا رہا ہے۔ نوجوان نے شرماتے ہوئے جواب دیا کہ وہ بھی منیجر کے عہدہ کے لئے امیدوار ہے اور وڈیرا مہرداد کی جانب سے انٹرویو کا خط ملنے پر اس سے ملنے جا رہا ہے۔ نوجوان نے بتایا کہ وہ گریجویٹ ہے اور اس کا باپ ایک دیہاتی پرائمری اسکول میں ٹیچر ہے۔ وہ دادو ضلع کے ایک دیہات کا رہنے والا تھا

اور گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے حیدرآباد میں اپنی تعلیم مکمل کی تھی۔ نوجوان نے کہا کہ دوسرے امیدواروں کی تعلیمی قابلیت دیکھنے کے بعد اسے اپنے منتخب ہونے کا زیادہ امکان نظر نہیں آتا لیکن قسمت آزمائی کرنے میں کوئی حرج بھی نہیں۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ منتخب ہو گیا تو وہ اپنا زیادہ وقت دیہات میں گذارے گا جہاں اس کی زیادہ ضرورت بھی ہو گی۔ مہرداد کے منصوبوں سے اسے یہ اندازہ تھا کہ وہ اپنے دیہات کی ترقی کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیئے اس نے اسکول اور اسپتال وغیرہ کا منصوبہ بنایا ہے۔ نوجوان نے کہا کہ ہر چھٹی وہ اپنے گاؤں میں گذارتا ہے اور وہاں بچوں کو پڑھاتا ہے۔ اکثر بچوں کو کتاب، کاپی وغیرہ بھی وہ خود اپنے پاس سے مہیا کرتا ہے۔ شام کے وقت گاؤں کے تمام لڑکوں کو اکٹھا کر کے وہ انہیں فٹ بال وغیرہ کھلاتا ہے۔ اس طرح لڑکے اس سے بہت محبت کرتے ہیں اور وہ پڑھنے لکھنے میں بھی جی لگاتے ہیں۔ نوجوان کا خیال تھا کہ اگر ہمارے تعلیم یافتہ افراد خصوصاً وہ جو خود بھی دیہاتوں کے رہنے والے ہیں، گاؤں کے بچوں پر توجہ دیں اور ان سے شفقت سے پیش آئیں تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں میں سے بڑے بڑے باصلاحیت لوگ نہ ہوں۔

ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ بس ایک دھماکے کے ساتھ رک گئی۔ انجن کا کوئی پرزہ ٹوٹ گیا تھا۔ شام کے تقریباً پانچ بج رہے تھے۔ ڈرائیور نے معائنہ کرنے کے بعد مایوسی کا اظہار کیا اور کہا کہ جب تک نیا پرزہ نہیں لگے گا یہ بس نہیں چل سکتی۔ ابھی منزل کوئی پچیس میل دور تھی۔ ڈرائیور نے کہا تھوڑی دیر بعد اسی گاؤں کی طرف سے ایک بس آئے گی جو بدین جا رہی ہو گی۔ میرا کنڈکٹر اس بس سے بدین جائے گا اور کل صبح وہاں سے نیا پرزہ لے کر آئے گا۔ لہٰذا یہ رات انہیں وہیں گذارنی پڑے گی۔ اتفاق سے قریب ہی میں سڑک کے کنارے چند گھروں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا لہٰذا کھانے پینے کے معاملے میں زیادہ دشواری کا امکان نہیں تھا۔

دیہات کے لوگ عموماً بڑے صابر اور قناعت پسند ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ جو پڑ گئی اسے بھگتنا ہو گا۔ لہٰذا وہ ہنستے بولتے بس سے اتر کر تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے وہیں بیٹھ گئے۔ سوٹ میں ملبوس وہ تینوں نوجوان پریشان تھے انہوں نے کہا کہ اسی لئے انہیں دیہاتی زندگی سے نفرت ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ ایک معمولی سا پرزہ ٹوٹ گیا تو

اب پندرہ سولہ گھنٹے انہیں ایک ویرانے میں رہنا پڑے گا۔ دوسرے مسافروں نے ان نوجوانوں کی شکایت پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ دراصل ان لوگوں کو ان نوجوانوں کے بڑ بولے پن کی وجہ سے ایک چڑ سی ہوگئی تھی۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد ضعیف مسافر نے جسے سادہ مزاج نوجوان نے دھوپ سے بچانے کے لئے اپنی جگہ دی تھی ان تینوں نوجوانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ بہتر ہوگا کہ آپ دوسری طرف سے آنے والی بس پر بیٹھ کر بدین واپس چلے جائیں تاکہ تکلیف میں رات گذارنے سے بچ جائیں۔ میں آپ کو یہ بھی بتا دوں کہ میں ہی وڈیرا مہرداد ہوں اور میں نے اپنے منیجر کا انتخاب کر لیا ہے۔ دراصل بہت دنوں باہر رہنے اور کافی دولت کمانے کے بعد میں نے اب اپنے گاؤں میں زندگی گذارنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میرے سامان اور ملازمین وغیرہ جیپوں سے چلے گئے ہیں۔ میں نے خود بس کا سفر کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا تھا کہ میں حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا۔ لوگوں سے خود مل کر ان کے مسائل معلوم کرنا چاہتا تھا۔ مجھے کراچی میں پلازا اور شادی ہال بنوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالٰی نے مجھے بے انتہا روپیہ دیا ہے۔ مجھے مزید روپیوں کی حرص نہیں ہے۔ اب میری زندگی کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں اپنی دولت اور جائیداد کے ذریعہ اپنے علاقہ کی ترقی اور وہاں کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے جو کچھ کر سکوں کر جاؤں۔ میرا منصوبہ نہ صرف کچھ اچھے اسکول اور اسپتال قائم کرنے کا ہے بلکہ میں اس سڑک کو بھی جلد ہی پختہ کروا دوں گا تاکہ لوگوں کو آمد و رفت کی سہولت میسر ہو۔

مجھے اپنے منیجر کے لئے کسی ایسے آدمی کی ضرورت نہیں جو زراعت یا انجینئرنگ کا ماہر ہو۔ ان کاموں کے لیے میں الگ آدمی رکھوں گا۔ میں رعب داب والا آدمی بھی نہیں چاہتا۔ میں نہیں چاہتا کہ جن لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد پیدا کیا تھا انہیں غلام بنا دیا جائے۔ مجھے تو ایک ایسا منیجر چاہیئے جو تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ تربیت یافتہ بھی ہو۔ لوگوں کے دکھ سکھ میں شریک ہو۔ اس کے دل میں لوگوں کے لئے محبّت اور ہمدردی ہو۔ وہ بچوں سے شفقت اور بوڑھوں سے ادب اور انکسار کے ساتھ پیش آتا ہو۔ جو ہر حال میں خوش اور مطمئن رہتا ہو۔ ان صلاحیتوں کا مالک مجھے یہ سادہ مزاج نوجوان نظر آتا ہے لہذا میں نے اسے منتخب کر لیا ہے۔

مقابلۂ معلومات نماز

ہمارا یہ حسن ظن ہے کہ آپ نماز تو پڑھتے ہی ہوں گے ۔ اس لئے کہ مسلمان ہونے کے ناطے یہ ہم پر فرض بھی
ہے کہ ہم دن میں پانچ بار اپنی مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے خدا کے حضور سجدہ ریز ہوں، نماز، جہاں اُخروی
اجر و ثواب کا باعث ہے وہیں ہمارے لئے ذہنی سکون اور اطمینان کا ذریعہ بھی۔

ذیل میں دی گئی تصاویر نماز کے دوران مختلف حالتوں پر مشتمل ہیں، آپ انہیں غور سے دیکھئے اور ہمیں
بتایئے کہ ان تصاویر میں نماز کی کون سی حالت دکھائی گئی ہے۔ یا نماز میں اس حالت کے کونسی اصطلاح مروّج ہے۔
،ن کے جوابات آپ کو نماز کی صحیح ادائیگی کی طرف راہنمائی بھی کریں گے، آپ کے جوابات
ہمیں ۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء تک موصول ہو جانے چاہئیں۔ قرعہ اندازی کے ذریعہ درست جوابات بھجوانے والے ساتھیوں کو ۳
خوبصورت انعامات بھی دیئے جائیں گے اور نام و تصاویر بھی شائع کی جائیں گی۔

①

②

۳

۴

۵

۶

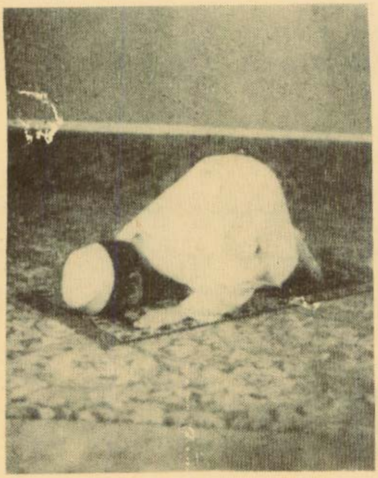

۷

۸

اعلان برائے نتائج مقابلہ کہانی نویسی

ماہنامہ آنکھ مچولی کے تحت ہونے والے مقابلۂ کہانی نویسی کی آخری تاریخ ۳۰ نومبر تھی آخری تاریخ چونکہ گذر چکی ہے اس لئے اِس مقابلے میں تاخیر سے پہنچنے والی کہانیوں کو شامل نہیں کیا جائے گا ——— کہانیاں چونکہ بہت بڑی تعداد میں موصول ہوئی ہیں اس لئے فوری طور پر حتمی نتائج کا اعلان کرنا ممکن نہیں ہے...... کہانیاں زیرِ مطالعہ ہیں انشاءاللہ مارچ کے شمارے میں حتمی فیصلے کا اعلان کردیا جائے گا۔ (ادارہ)

تحریری مُباحثہ

اس ایوان کی رائے میں رسائل فضول ہیں

نومبر ۱۹۸۶ء کے آنکھ مچولی میں ہم نے ایک تحریری مباحثے کا اعلان کیا تھا جس کا عنوان تھا۔ بچوں کے رسائل فضول ہیں "موافقت یا مخالفت میں آپ کو اپنی رائے کا اظہار کرنا تھا۔ بچوں کی اکثریت نے اس موضوع کو مسترد کردیا اور صرف ۴۰ بچوں نے موضوع کی موافقت میں اپنی رائے دی۔ پہلے دوسرے اور تیسرے انعامات حاصل کرنے والی تحریروں کو ہم اسی ترتیب کے ساتھ شائع کر رہے ہیں اور انہیں انعامات بھی بھجوا رہے ہیں۔ بچوں کی کئی تحریریں بعد میں موصول ہوئیں جن کو دیر میں آنے کی وجہ سے مقابلے میں شامل نہیں کیا گیا۔ جن بچوں نے اس مقابلے میں حصّہ لیا ان کے نام ہم شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

مخالفت

نازیہ رمضان، کھارادر کراچی
س م دانش کراچی
چاند سلطانہ عروج سعود آباد کراچی
برکت عزیز علی گل بہار کراچی
نصرت اظہر بھبھر آزاد کشمیر
رسول بخش سیٹھو حیدر آباد
محمد عامر ایاز لطیف آباد حیدر آباد
ذیشان احمر نارتھ کراچی
سید باقر رضا رضوی۔
نصیر انور ہمایوں جوہر آباد خوشاب،
ملک محمد یوسف ننکانہ صاحب شیخوپورہ
عبدالقدیر ملیر ہالٹ کراچی
سلطان بشیر اسلام آباد
محمد شاہد فیروز گوجرانوالہ

موافقت

منیر آفتاب ڈوکی کنڈ کوٹ سندھ
اسد اللہ ساگر مومن آباد کوئٹہ
سید جاوید حیدر شاہ راولپنڈی

فرزانہ روحی اورنگی ٹاؤن کراچی پہلا انعام

مخالفت:۔ ایک زمانہ تھا جب دادی اماں یا نانی اماں بچوں کو کہانیاں سنایا کرتی تھیں۔ اور اب بھی سناتی ہیں۔ مگر اب زمانہ ترقی کر چکا ہے۔ بچے بہت ہوشیار ہو گئے ہیں۔ وہ جنوں، پریوں اور بادشاہوں کی کہانیاں سننا پسند نہیں کرتے۔ اور دادی اور نانی اماں کے پاس اسی طرح کی کہانیاں ہوتی ہیں۔ آج کے بچے سائنسی، جاسوسی قسم کی کہانیاں اور دیگر معلوماتی کہانیاں پسند کرتے ہیں۔ بھلا نانی اماں ایسی کہانیاں کہاں سے لائیں ان کا دور تو، دیو، پریوں، بادشاہوں اور شہزادوں کی کہانیوں کا دور تھا لہٰذا بچوں کی یہ آرزو بچوں کے رسائل پوری کرتے ہیں۔

میں ایوان کی اس رائے کی پُرزور مخالفت کرونگی کہ بچوں کے رسائل فضول ہیں۔ چند غیر معیاری رسائل کو بنیاد بنا کر تمام رسائل کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔ ایسے بہت سے رسالے ہیں جن کی بدولت دلچسپ تفریح کے ساتھ ساتھ کردار سازی اور علم و ادب کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ یہ رسالے ہر پہلو سے بچوں کی بہتر تربیت کر رہے ہیں۔

کہانیوں اور بچوں کا ساتھ ابتدا سے ہی رہا ہے شاذ و نادر ہی کوئی بچہ ایسا ہوتا ہے جو کہانیوں میں دلچسپی نہ رکھتا ہو۔ کہانیاں پڑھنے کے شوق میں جب ایک بچہ رسالہ حاصل کرتا ہے تو اس میں وہ کہانیوں کے علاوہ بھی بہت سی ایسی باتیں پڑھتا ہے جو کہ ابتدائی تربیت کے دوران بعض دفعہ والدین بھی نہیں بتاتے یا جو انہیں یاد نہیں رہتی ہیں۔ بہت سی ایسی معلومات جو انہیں کہیں اور نہیں ملتیں ان رسائل سے حاصل ہو جاتی ہیں۔

ایک ایسا بچہ جو اپنی کورس کی کتابوں میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا ہے مگر اسے کہانیاں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ کہانیوں کے شوق میں جب وہ رسائل کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو اسے ان کہانیوں میں وہی باتیں وہی نصیحتیں نظر آتی ہیں جو کہ اس کے کورس کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر وہ باتیں اسے مشکل نظر آ رہی تھیں وہی جب اس نے کہانی کی شکل میں پڑھیں تو وہ نہ صرف اسے دلچسپ لگیں بلکہ باآسانی سمجھ میں بھی آ گئیں اور اس نے بچوں کا رسائل پڑھتے پڑھتے پڑھنا بھی سیکھ لیا۔ رسائل میں کہانیوں کے علاوہ بہت کچھ ہوتا ہے۔ مثلاً نظم، لطائف، اقوال اور دیگر دلچسپ مضامین اور ذہنی آزمائش کے مقابلے وغیرہ جو بچوں کی بہتر تربیت میں بھرپور معاونت کرتے ہیں۔ مختلف قسم کے مقابلوں سے ان میں آگے بڑھنے کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ رسائل نہ صرف بچوں میں مطالعہ کا ذوق پیدا کرتے ہیں بلکہ ان میں شائع شدہ

مواد بچوں میں سوچنے سمجھنے کی عادت ڈال دیتا ہے ۔ اس طرح وہ ہر بات کو نہ صرف خود سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ ایک دن وہ ان ہی رسائل کی بدولت اپنا نقطہ ، نظر دوسروں تک پہنچانے کے لئے خود بھی قلم اٹھاتے ہیں اور بہتر سے بہتر لکھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

عمر نواز ماہر ، بنوں سٹی سرحد (دوسرا انعام)

موافقت :۔ جب مہینے کی پہلی تاریخ آتی ہے تو ہر بک سٹال اور ہاکر کی دکان کے آگے بچوں کے نئے نئے رسائل کی آمد شروع ہو جاتی ہے ۔ " جگنو " بچوں کا رسالہ " نونہال " تعلیم و تربیت پھول " اور آنکھ مچولی " نامی رسائل ، بیوقوف لڑکوں کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں اور مجھ جیسے کتنے ہی بھولے لڑکے اپنا جیب خرچ بچا کر اور خود کو اسکول ٹائم میں بھوکا رکھ کر ان رسائل کو خریدتے ہیں اور ورق گردانی کرنے پر " صفحہ بھرواؤ " کے طرز پر مبنی کہانیاں ملیں گی ۔ جنہیں کسی کو تو جاسوسی کہانی کا نام دیا جاتا ہے اور کسی کو اصلاحی کہانی کا نام ۔ مگر اصل میں یہ نہ اصلاحی ہوتی ہیں نہ ادبی اور نہ جاسوسی بلکہ یہ کہانیاں ادارے کے خود ساختہ ادیبوں (جنہیں اکثر ایڈیٹر مستقل لکھاریوں کا نام دیتے ہیں ۔ کی اوٹ پٹانگ " نگارشات " ہوتی ہیں ۔ کہیں کہیں گھسے پٹے لطائف درج کرا کے زبردستی ہنسانے کی کوشش کرتے ہیں ۔)

الغرض حُسن ترتیب اور اداریئے سے لے کر ختم شد تک پڑھ ڈالتے ہیں مگر ہمیں کوئی ایسی چیز نہیں نظر آتی کہ جنہیں ہم ادب کے زمرے میں لاسکیں ۔

صدر محترم !

ایک نہایت عجیب و غریب اور دلچسپ بات بتاتا چلوں کہ جب رسالہ بکتا ہے تو تمام تر رقم اور منافع اس کے جاری کرنے والے ادارے ہی کو ملتا ہے ادیب کو تو کچھ نہیں ملتا اور ہر لکھاری بلاقیمت اپنی تحریریں جو اس کی محنت اور ذہنی کاوش کا نتیجہ ہوتی ہیں ۔ بھیجتا ہے ۔ اور شائع کرنے پر ادیبوں پر احسان بھی ایڈیٹر کا ہوتا ہے (ہے نا عجیب بات)

اور رسالے کے اداریئے میں ایڈیٹر صاحبان یہ بھی دیتے ہیں کہ " پیارے بچو ! یہ رسالہ آپ کا ہے اور اس سے تعاون کرنا آپ کا فرض ہے اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کچھ اسی طرح کے جملے لکھ کر مرید بنا لیتے ہیں ۔

اور وہ بچہ بناوٹی محبتوں کے فریب میں آ کر بڑی خوشی رات گئے تک کہانی لکھ لیتا ہے اور صبح اُٹھ کر کہانی نہایت مسرّت اور شادمانی سے پوسٹ کر دیتا ہے مگر جب اگلے مہینے کا رسالہ خریدتا ہے تو اسے اپنی تمام امیدوں پر پانی پھرتا نظر آتا ہے. کیوں کہ رسالے میں جوابات کے کالم اس کے نام کے نیچے لکھا ہوتا ہے "ہم معذرت خواہ ہیں کیوں کہ آپکی کہانی ناقابل اشاعت ہے، ہمت نہ ہاریئے ویسے بھی ہمارے پاس اپنے ہی ادیبوں کی بہت سی کہانیاں موجود ہیں": بقول شاعر

؎ آغاز تبسّم ہے انجام رُلاہٹ یارد

ہائے ہائے ایک زمانہ ہوا کرتا تھا. کہ بچوں کے رسائل بڑوں میں بھی یکساں مقبول تھے. کیونکہ وہ رسائل ادب کے شاہکار ہوتے تھے.

مگر آج کل تو ہر بے روزگار شخص پہلی فرصت میں بچوں کے کسی نئے رسالے کا اجراء کرتا ہے. اور پھر تجارت کو ادب کا نام دے دیا جاتا ہے.

الغرض آج کل کے بچوں کے رسائل ردیوں کی فضول خرچی کے علاوہ پڑھائی سے منحرف کرنے اور مایوس کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہیں.

شہزاد علی، ساہیوال . تیسرا انعام

مخالفت :۔ ایوان کی یہ رائے ہے کہ بچوں کے رسائل فضول ہیں لیکن میں اس رائے کی پُرزور تردید کرتا ہوں . میں اپنے اِس موقف کو ثابت کرنے کے لئے چند دلائل پیش کرونگا اور میری تمام تر کوشش ہو گی کہ آپ بھی میرے ساتھ اتفاق کر سکیں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ بعض ملک دشمن عناصر بے مقصد اور گھٹیا رسائل کم قیمت پر فروخت کر رہے ہیں تاکہ بچے باشعور نہ ہوں اور اس طرح یہ نئی نسل کمزور ہو جائے . لیکن یہ تو بچوں کے والدین اور سرپرست حضرات کا فرض ہے کہ وہ بچوں کے بارے میں باخبر رہیں اور بچوں کو اچھے اور بامقصد رسائل پڑھنے کو دیں . اگر مارکیٹ میں چند ایک گھٹیا جاسوسی ادب والے یا بچوں کے مطالعے کے ذوق کو بگاڑنے والے رسائل موجود ہیں تو ہمیں بے شمار ایسے رسائل بھی ملتے ہیں جن میں بچوں کے لئے کردار سازی اور فروغِ تعلیم کے عظیم مقاصد پائے جاتے ہیں.

بُرے رسائل کا بہت کم مقدار میں اور اچھے رسائل کا بہت بڑی تعداد میں فروخت ہونا اِس بات کا ثبوت ہے کہ ہمارے بچے بامقصد رسائل پڑھ رہے ہیں اور بامقصد رسائل کو کسی طرح بھی فضول نہیں کہا جا سکتا۔ چند خرافات رسائل کو بنیاد بنا کر تمام رسائل کو بُرا کہہ دینا کہاں کی عقلمندی ہے ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جو جانتے ہیں کہ بچے ہی قوم کے معمار ہیں وہ بچوں کو اچھا تعلیمی مواد مہیا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور اپنے رسائل کے ذریعے کردار سازی اور فروغِ تعلیم کے عظیم مقاصد کے حصول کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔

آپ ہمارے آنکھ مچولی کو ہی مدِنظر رکھیں، چھ ماہ میں ہی اس نے کتنی مقبولیت پائی! تمام بچوں اور بڑوں نے اسے پسند کیا اور بہت جلد یہ پورے پاکستان میں بچوں کا مقبول ترین رسالہ بن گیا۔ اِس کی کیا وجہ ہے؟ یہی کہ اِس میں ہر تحریر فکر انگیز اور بامقصد ہوتی ہے۔ اس میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہوتی جس میں بچوں کے تعلیمی اور اخلاقی پہلو کو مدِنظر نہ رکھا گیا ہو۔ بچوں کے ساتھ ساتھ پڑھے لکھے اور دانشور لوگوں کا بھی اسے پسند کرنا اِس رسالے کی اچھائی کا بہترین ثبوت ہے اور یہ اس بات کی واضح ترین دلیل ہے کہ بچوں کے تمام رسائل فضول نہیں ہوتے اس لئے آپ کو بھی میرے ساتھ اتفاق کر لینا چاہیئے

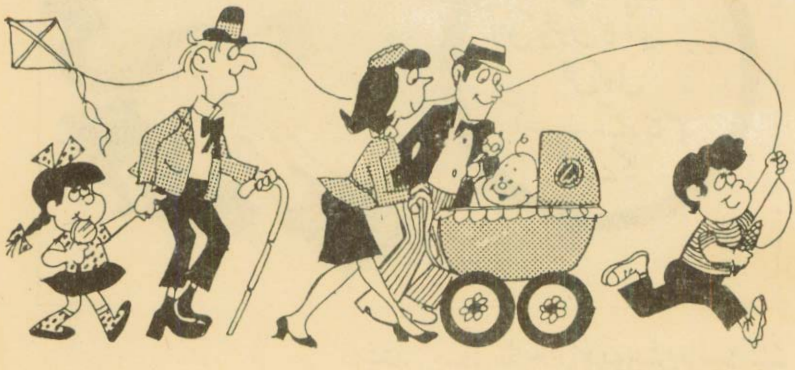

MASS

یہ اشتہار جیلانی انڈسٹریل کارپوریشن پرائیویٹ لمیٹڈ
کی جانب سے قوم کے بہتر مفاد میں شائع کیا جا رہا ہے

میرے دیس کے سارے بچّو
پھول سے کھلتے تارے بچّو
اپنا مقصد نیک بناؤ
سب کو مل کر ایک بناؤ
میرے دیس کے سارے بچّو
میرے دل کی بات سنو تم
شاہینِ اقبال بنو تم
میرے دیس کے سارے بچّو
دیس کی تم سے شادابی ہے
شاد تم ہی سے آبادی ہے
میرے دیس کے سارے بچّو
ننّھے ننّھے تارے ہو تم
کتنے پیارے پیارے ہو تم
میرے دیس کے سارے بچّو
اپنے دیس کا پیارا پرچم
لہرانا تم ہر سو ہر دم
میرے دیس کے سارے بچّو
پھول سے کھلتے تارے بچّو

محمد یعقوب غزنوی

خواهش

جواہر نہ لال وگہر چاہتا ہوں
کرم کی میں آقا نظر چاہتا ہوں
نہ کچھ شان و شوکت نہ زر چاہتا ہوں
خدا کے نبیؐ کا میں در چاہتا ہوں
مدینے کا اب تو سفر چاہتا ہوں
جنوں کا میں اپنے ثمر چاہتا ہوں
میں اُڑ کر مدینے پہنچ جاؤں یارب
دعاؤں میں اپنی اثر چاہتا ہوں
زمانے میں ظُلمت بڑھی جا رہی ہے
میں اب نورِ حق کی سحر چاہتا ہوں
خدا کی اطاعت ہے جن کی اطاعت
رضا اِن کی شام و سحر چاہتا ہوں
عطا ہو مسلماں کو پہلی سی عظمت
کرم میں یہ بارِ دگر چاہتا ہوں
جہاں پر خدا کا نہ باغی ہو کوئی
عزیز اب تو ایسا نگر چاہتا ہوں

عزیزاختر اعوان، کنوی پاک۔

ماہانہ مقابلۂ معلومات

اُمِّ رُباب جعفری

دائرۂ معلومات

۲۰ اشاروں کے صحیح جوابات ۱۰ جنوری ۸۷ء تک موصول ہو جانے چاہئیں۔ تمام جوابات درست بھجوانے والے ساتھیوں کے نام اور تصاویر بھی شائع کی جائیں گی اور قرعہ اندازی کے ذریعہ تین خوبصورت انعامات بھی دیئے جائیں گے۔ مقابلے کے نئے شرکا، کی آسانی کے لئے ہم بتا دیں کہ جس حرف پر ایک جواب ختم ہوگا اسی حرف سے دوسرا جواب شروع ہوگا۔ مثلاً پہلے اشارہ کا جواب ہے "رنگروٹ" تو دوسرے سوال کا جواب "ٹ" سے شروع ہوگا۔

اس بار جگہ کی کمی کے باعث بچوں کی تصاویر شائع نہیں ہو سکیں جس کے لئے ادارہ معذرت خواہ ہے۔

۱۔ فوج میں شامل ہونے والے نئے سپاہیوں کے لئے مروّجہ اصطلاح

۲۔ ایک کھیل۔ جسے پنگ پانگ بھی کہا جاتا ہے۔

۳۔ وہ ایک ــــ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۴۔ خاندان بنو عباس کا ایک خلیفہ۔

۵۔ ایک آلہ۔ جس سے دور کی اشیأ صاف اور واضح نظر آتی ہیں۔

۶۔ چاند پر قدم رکھنے والا پہلا انسان

۷۔ ہندوستان کا ایک مشہور دریا۔

۸۔ پھولوں کی آرائش کا جاپانی طریقہ

۹۔ ایک صحابی۔ جنہیں میزبانِ رسول اللہ کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ مدینہ منوّرہ کا پرانا نام

۱۱۔ ایک مشہور مسجد۔ جسے شہنشاہ اورنگ زیب نے بنوایا تھا۔

۱۲ ۔ ہندوؤں کا ایک مشہور تہوار
۱۳ ۔ ایک قیمتی پتھر
۱۴ ۔ ایک مقام جسے دنیا کی چھت کہا جاتا ہے۔
۱۵ ۔ اکبر اعظم کے دربار سے وابستہ ایک مشہور موسیقار۔
۱۶ ۔ معاشی اور دفاعی مقاصد کے لئے بنائی گئی امریکہ اور مغربی ممالک کی ایک تنظیم۔
۱۷ ۔ روس اور دیگر اشتراکی ممالک کا ایک مشہور معاہدہ
۱۸ ۔ تیل پیدا کرنے والے ممالک کی ایک تنظیم
۱۹ ۔ ایک ایسی سبزی جو رسولِ اکرمؐ کو بہت پسند تھی۔
۲۰ ۔ امریکہ کا ایک اہم وزیر جس کے نام کا پہلا حصہ "شراب" اور دوسرا حصہ کھانے کی ایک چیز بنتا ہے۔

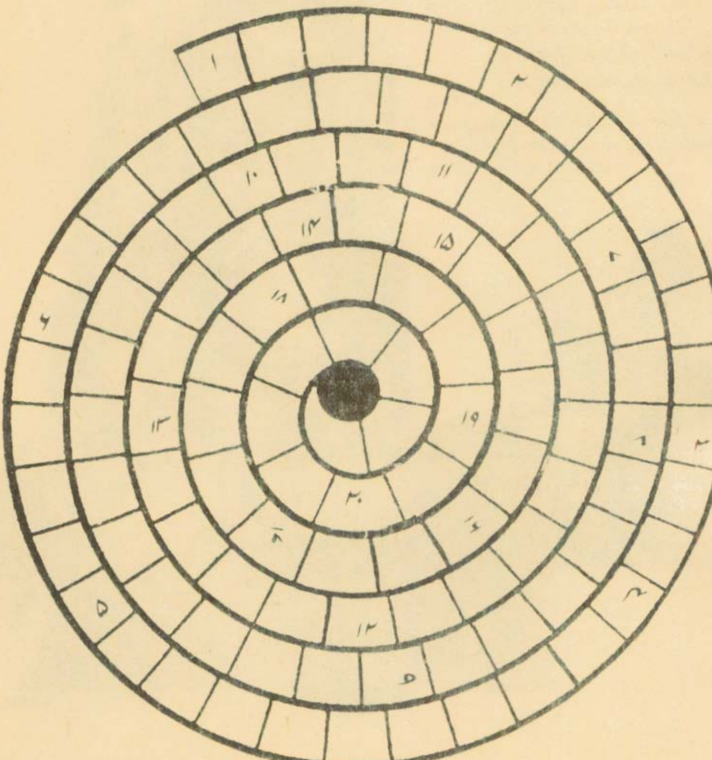

طیبی کی شاہی

خاندان بھر کے لئے صحت و توانائی بخش!

نباتاتی اور معدنی اجزا اور پھلوں کے رس سے تیار کردہ شاہی جسم کے تمام اہم اعضا کو تقویت دے کر ان کے طبعی فعل کو درست رکھتی ہے۔
شاہی تھکان اور کسلمندی کو دور کرتی ہے۔ بخار اور کمزور کر دینے والی بیماریوں کے بعد شاہی کا استعمال قوت و توانائی کی بحالی کے لئے مفید ہے۔

تیار کردہ:

طیبی دواخانہ (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ہیڈ آفس: نیپیئر روڈ۔ کراچی۔ فون: ۷۲۹۵۶۹

شاخیں: گرومندر، کارنر جہانگیر روڈ فون: ۴۱۶۷۴۰

۲۔بی-۴۔ناظم آباد۔ فون: ۶۱۱۴۶۸

علی اپارٹمنٹ عقب آغاخان میٹرنٹی ہوم۔ فیڈرل بی ایریا۔ بلاک نمبر ۷

کھوکھر پاڑا، اسٹیشن روڈ، نزد حبیب بنک حیدرآباد فون ۲۵۴۳۱

اسٹاکسٹ:

- نیو دہلی دواخانہ۔ سکھر
- قاسم میڈیکل اسٹور، مشن روڈ۔ کوئٹہ
- آئیڈیل ڈسٹری بیوٹرز، بکتی روڈ۔ کوئٹہ
- خان برادرز، آسٹریلیشیا بلڈنگ میکلوڈ روڈ لاہور
- مشہور دواخانہ، صدر بازار۔ راولپنڈی

ORIENT

گزشتہ ماہ کے درست جوابات

۱۔ انڈونیشیا	۵۔ یرموک	۹۔ ناگاساکی	۱۳۔ تیمور	۱۷۔ یورینیم
۲۔ ارسطو	۶۔ کابل	۱۰۔ یرقان	۱۴۔ راول	۱۸۔ مارگریٹ تھیچر
۳۔ واسکوڈی گاما	۷۔ لومڑی	۱۱۔ نیوٹن	۱۵۔ لبنان	۱۹۔ رجب
۴۔ اٹلی	۸۔ یاسمین	۱۲۔ نوائے وقت	۱۶۔ ناروے	۲۰۔ بالاکوٹ

◆ تین خوش نصیب ساتھی جنہیں قرعہ اندازی کے ذریعے انعام کے لئے منتخب کیا گیا

و سعید احمد، نہم الف، سرسید گورنمنٹ ہائی اسکول ٹنڈو آدم

و فخر الضیاء کمال، شہاب ہاؤس لنک روڈ یوسف آباد، مردان

و راجا شہباز زیدی معرفت یعقوب شاہ کولڈ ڈرنک محمدی روڈ بی بلاک گلی نمبر ۲۱، شیر شاہ کراچی ۲۸

◆ تمام درست جوابات بھجوانے والے ساتھیوں کے نام

و آفتاب احمد، سول لائن، جہلم
و ریاض احمد سولنگی، دریا روڈ، کوٹری
و شاہد فیروز، محلہ محبوب حق، گوجرانوالہ
و مسرت جبیں ناز، اقبال نگر، فیصل آباد
و بینا صدف ایاز، مقام کا نام نہیں لکھا
و سلطان بشیر، جی سکس فور، اسلام آباد
و ضیاء شہزاد، بلال کالونی، ساہیوال
و احمد محمود، گل آباد، پشاور
و محمد کامران سلیم، سندھی ہوٹل نیو کراچی
و نابغہ ناز، اقبال نگر، فیصل آباد
و ماہ جبیں ناز، اقبال نگر، فیصل آباد
و حافظ طلحہ وحید، اردو بازار، لاہور
و شہزاد انور، فیکٹری کالونی، راولپنڈی
و صدرہ کنول، لانڈھی، کراچی
و جاوید اقبال ناز، اقبال نگر، فیصل آباد

و جاوید احمد اعوان، نشتر آباد، راولپنڈی
و محمد اشرف آرائیں، کوٹ غلام محمد تھرپارکر
و طیب نوید منہاس، ملتان روڈ، لاہور
و محمد رؤف آرائیں، کوٹ غلام محمد تھرپارکر
و عادل حمید، دریا روڈ، کوٹری
و تنظیم عباس، دھمیال روڈ، راولپنڈی
و شاندانہ امان، لالہ زار کالونی، راولپنڈی
و آصف خان، لانڈھی، کراچی
و نعیم احمد نعیم، لانڈھی، کراچی
و درخشندہ تابندہ ریاض، باغبانپورہ لاہور
و افراح سرفراز، اچھرہ، لاہور
و سہیل صدیق، محلہ محمد پورہ، گوجرانوالہ
و محمد یونس شہزاد، ملتان روڈ، لاہور
و عفیفہ ارم، لانڈھی، کراچی
و محمد رضوان، لانڈھی، کراچی

و انور سجاد، فیڈرل بی ایریا، کراچی
و رضوان احمد صدیقی، فیڈرل بی ایریا، کر
و کامران احمد صدیقی، فیڈرل بی ایریا، کر
و رضوان اکرم آرائیں، لطیف آباد، حی
و نسیم الدین خان، محمود آباد، کرا
و محمد اقبال، شاہی بازار، ٹنڈو ال
و مسعود اقبال، ریشم بازار، ٹنڈو ا
و تشکیل احمد، جمرود، خیبر ایجنسی
و محمد ارشد چھیپا، شمالی ناظم آباد
و شوکت صدرالدین گارڈن ایسٹ
و محمد عاطف ارشاد، اسلام پورہ،
و محمد زاہد ارشاد، اسلام پورہ،
و راجہ شہباز زیدی، شیر شاہ، ک
و محمد یامین خان مین بازار بھ

و محمد عسفان ، لانڈھی ، کراچی
و اشتیاق حیدر، پنڈی گھیب، ضلع اٹک
و چوہدری ساجد حسین، رتن تالاب، کراچی
و سجاد حبیب، لیاقت آباد، فیصل آباد
و بشیر احمد، کنڈیارو، نواب شاہ
و انور خان نیازی، عثمان آباد، کراچی
و جنید اسعد، سٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی
و نثار احمد قائم خانی، کنڈیارو، ضلع نواب شاہ
و جاوید جونی، محلہ غریب آباد، نواب شاہ
و رضوانہ اعظم، معمار کمپلیکس، کراچی
و فریال انوار، معمار کمپلیکس، کراچی
و سید اشعر اشرف، نارتھ ناظم آباد، کراچی
و نبیلہ قاضی ، ناظم آباد ، کراچی
و سہیل احمد، ناظم آباد، کراچی
و جمیلہ، نارتھ ناظم آباد، کراچی
و عائشہ رفعت، قلعہ گوجر سنگھ، لاہور
و صائمہ ولی، کورنگی، کراچی
و محمد شہزاد، کورنگی کریک، کراچی
و وجیہہ الیاس، ستو کٹاریاں، راولپنڈی
و عبدالباسط، دارالعلوم کورنگی، کراچی
و پیلو شیخ، لطیف آباد، حیدرآباد
و سید شہنشاہ گیلانی، پولیس چوکی، کوہاٹ
و آفتاب احمد، نیا محلہ روڈ، جہلم
و شہانہ شمشاد، شومارکیٹ، کراچی

و کہکشاں باقری، لیاقت آباد، کراچی
و صغیر احمد، مقام کا نام نہیں لکھا
و عاصم عبدالحمید بٹ، گلشن اقبال، کراچی
و یاسمین گل درانی، ایف بی ایریا، کراچی
و خرم عبدالحمید بٹ، گلشن اقبال، کراچی
و محمد عالم صدیقی، مسلم ٹاؤن، نارتھ کراچی
و حمیرا فلک ناز، دستگیر سوسائٹی، کراچی
و محمد نعیم جمال، ناظم آباد، کراچی
و سید محمد علی سنی، لطیف آباد، حیدرآباد
و نغمہ بانو، سعید ٹاؤن، نارتھ کراچی
و کہکشاں ترنم، ایف بی ایریا، کراچی
و طاہرہ مقبول موسوی، باتھ آئی لینڈ، کراچی
و محمد کامل، شاہی بازار، ٹنڈو الہ یار
و محمد احمد، لیاقت آباد، کراچی
و شہزاد قمر، ماڈل کالونی، کراچی
و نادیہ صغر، آفیسرز کالونی، پشاور کینٹ
و ذاکر انور صدیقی، نارتھ ناظم آباد، کراچی
و طاہر مسعود، اللہ ولی مسجد، کھاریاں
و محمد جنید خان، پی آئی بی کالونی، کراچی
و فرخندہ صابر، شریف پارک، لاہور
و نبیل ارشاد صدیقی، لطیف آباد، حیدرآباد
و آصفہ یاسین شیخ، لطیف آباد، حیدرآباد
و عامر الحق، لطیف آباد، حیدرآباد
و فخر الضیاء کمال، یوسف آباد، مردان
و نجیب الدین احمد، یونیورسٹی کیمپس، پشاور

و شائستہ صبا، کچہری بازار، فیصل آباد
و راشد قمر، پیپلز کالونی، فیصل آباد
و محمد دانش، دستگیر سوسائٹی، کراچی
و رخشندہ مہدی، کنگز ہل، سکھر
و اصغر احمد خان، لانڈھی، کراچی
و سعید احمد خان، لانڈھی، کراچی
و ریحانہ خان، لانڈھی، کراچی
و عاشی خان، لانڈھی، کراچی
و عائشہ رمنی، لیاقت آباد، کراچی
و عمر حیات، علاقہ گنج، پشاور
و معراج سعادت، لطیف آباد، حیدرآباد
و فوزیہ سردار، کورنگی، کراچی
و سید توصیف احمد، بفرزون، کراچی
و اسحٰق پرویز، شیرشاہ کالونی، کراچی
و حسن مہدی خراسانی، انچولی، کراچی
و محمد فیصل یونس، ناظم آباد، کراچی
و نازیہ رمضان، کھارادر، کراچی
و محمد علی ناصر، الف ۲۱۱، اسلام آباد
و شاعر بانو بخاری، لطیف آباد، حیدرآباد
و اشعر نور، شاہراہ فیصل، کراچی
و خرم بٹ، گلشن اقبال، کراچی
و سلمان شیخ، سراج کالونی، حیدرآباد
و محمد منیرہ چوہان، لانڈھی، کراچی
و محمد ندیم اصغر، عثمان آباد، کراچی
و ارشاد محمد شیخ، لطیف آباد، حیدرآباد

وسلیم احمد، عشرسی اسکوائر کراچی
وجمیل احمد منصوری، ٹنڈو الہ یار
ومحمد امین، حسینی منزل، سانگھڑ
وندرت زیدی، جی ۹/۲، اسلام آباد
وشاہ نور افشاں، نارتھ کراچی۔
وکوثر شریف، فیڈرل بی ایریا، کراچی
وفیصل فاروقی، ایف سکس فور، اسلام آباد
وعامر سلیمان، میٹھادر، کراچی
ونعمان احمد، فیڈرل بی ایریا، کراچی
وصائمہ مسعود، ہری پور، ہزارہ
ووجیہہ طاہر، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور
ورضوان حامد زبیری، گلشن اقبال، کراچی
ومسعود سرور گوندل، عثمان آباد، ملتان
ووحیدہ گل، الفلاح سوسائٹی، کراچی
وسیّدہ صالحہ بخاری، سمن آباد، کراچی
وزاہد حسین، مقام کا نام نہیں لکھا
ومحمد ضامن خان، کلفٹن، کراچی
ومنیر احمد میمن، غریب آباد، جیکب آباد
ونورالہدیٰ قاضی ڈی ایم ایس اسکول کراچی
وراحت کاظمی، ملتان روڈ، لاہور
وسید مجاہد علی، سراج کالونی، حیدر آباد
وسارہ جاوید، عبداللہ ٹاؤن، نارتھ کراچی
وسحر اقبال، الیف بی ایریا، کراچی
وسید علی شبر، بدرشی روڈ، نوشہرہ کینٹ
وتنویر فاطمہ، لطیف آباد، حیدر آباد

وعمران توصیف، فیڈرل بی ایریا، کراچی
ومحمد عطاء الحلیم، وحدت کالونی، لاہور
وحافظ یوسف اسلر، افغان آباد، فیصل آباد
وشاہد محمود خان، مین بازار، بھکر
وخالد محمود خان، مین بازار، بھکر
وزاہد محمود خان، مین بازار، بھکر
وعبدالعزیز شیخ، کریانہ بازار، سکھر
وسیّدہ عارفہ بخاری، سمن آباد، کراچی
ومحمد شیراز خان، گارڈن ویسٹ کراچی
وعنبرین، مارٹن روڈ، کراچی
وجاوید حیدر شاہ، سٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی
وشگفتہ عبدالرحمٰن، میٹھادر، کراچی
واسمعیل عبدالرحمٰن، میٹھادر، کراچی
وارم حنیف، جامعہ سندھ، حیدر آباد
وعبدالحامد صدیقی، سراج کالونی حیدر آباد
وسیدہ حمیرہ زیدی، نارتھ ناظم آباد، کراچی
وحنا اقبال، الیف بی ایریا، کراچی
ومحمد عمران، صدیق اکبر ٹاؤن، گوجرانوالہ
وآمنہ سلطان گل، راوی پارک، لاہور
ورضوان علی علوی، لطیف آباد، حیدر آباد
وشیر بہادر افغانی، سبزی منڈی کراچی
وعمران قریشی، ملیر کالونی، کراچی
وسیّدہ شفیق عزالہ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
ومحمد ظفر اللہ ضیاء، محلہ جنڈی والہ، کمالیہ
ونام نہیں لکھا، شادمان کالونی لاہور

وسیف الاسلام، کورنگی، کراچی
ومحمد یسین، بصیر پور، ضلع اوکاڑہ
وصبا مہوش مجید، گلشن اقبال، کراچی
وعامر آفتاب احمد، بلاک نمبر ۲۱، سرگودھا
وسعید احمد، سرسید اسکول ٹنڈو آدم
ومحمد فاروق عاصم، غریب محلہ، حاصل پور
وفیصل مہوش سعید، یونیورسٹی ٹاؤن، پشاور
واظفر ضیاء، پرانی سول لائن، ساہیوال
ومحمد فاروق، منگلا ڈیم، ضلع جہلم
واللہ دتہ عطیل، کوٹ گوہر محمد ضلع خانیوال
وپرنس آف ڈھمپ، کلفٹن، کراچی
وصبیح الدین، پھلیلی بازار، حیدر آباد
وصدف سراج، پھلیلی بازار، حیدر آباد
ونعمہ حسن زیدی، محلہ منشی، خیر پور میرس
ومشتاق احمد، شاہی بازار، ٹنڈو آدم
ونصرت خان، کلفٹن، کراچی
وفرزانہ ارم ناز، کھائی روڈ، حیدر آباد
ونجم الہدیٰ قاضی، ڈی ایم ایس اسکول کراچی
وبدر الدجیٰ قاضی، بہادر آباد، کراچی
وعبدالرشید تبسم، غریب محلہ، حاصل پور
وحسن رضا زیدی، نگینہ اسکوائر، کراچی
وطاہرہ نسیم، سبزہ زار کالونی، راولپنڈی
وعاطف حسین، ناظم آباد، کراچی
ونوید اعجاز، مکرانی محلہ ٹنڈو آدم

طلسمی ٹوپی

قدیم جاپان میں ایک بڑے میاں رہتے تھے۔ وہ بہت غریب لیکن ایماندار تھے۔ اور محنت سے اپنی روزی کماتے تھے۔ ایک روز وہ اپنے گاؤں میں عبادت کر رہے تھے کہ انہیں نیند کا جھونکا آگیا۔ خواب میں انہیں ایک لمبی سی سفید داڑھی والے بزرگ نظر آئے جو کہہ رہے تھے۔

"بڑے میاں میں تمہیں ایک سرخ ٹوپی دے رہا ہوں جو تمہاری محنت اور ایمانداری کا انعام ہے۔ جب تم اسے پہنو گے تو تم درختوں اور پرندوں کی باتیں بالکل اسی طرح سمجھ سکو گے جیسے انسانوں کی۔" اس تحفے پر بڑے میاں ابھی بزرگ کا شکریہ ادا کر رہے تھے کہ وہ غائب ہو گئے۔ اور بڑے میاں کی آنکھ کھل گئی وہ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوئے کہ خواب میں بزرگ کی دی ہوئی ٹوپی ان کی گود میں پڑی ہوئی ہے وہ بہت خوش ہوئے۔ ٹوپی کو اپنے چوغے میں چھپالیا اور گھر کو روانہ ہوئے۔ انہوں نے تیز تیز چلنا شروع کر دیا۔ لیکن جلد ہی تھک گئے اور سڑک کے کنارے ایک درخت کی چھاؤں میں سستانے کیلئے بیٹھ گئے۔ اچانک ایک کوّا مشرق کی جانب سے اڑتا ہوا آیا اور اس درخت کی شاخ پر بیٹھ گیا۔ پھر ایک اور کوّا مغرب کی طرف سے آیا اور پہلے کوّے کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ بڑے میاں کو خیال آیا کہ ٹوپی کے کرشمے دیکھنے کا یہ اچھا موقع ہے۔

انھوں نے جھٹ ٹوپی نکال کر پہن لی۔ اور حیران رہ گئے، کیونکہ کوّوں کے درمیان ہونے والی باتیں آسانی سے ان کے سمجھ میں آرہی تھیں۔

ایک کوّا دوسرے کوّے سے کہہ رہا تھا۔ "اور سناؤ مغرب کے کوّے تم سے تو بہت دن بعد ملاقات ہوئی ہے۔ سب خیریت تو ہے نا؟ اور تمہارے ہاں کی کیا خبریں ہیں؟"

"واقعی مشرقی کوے بہت دن بعد ملاقات ہوئی ہے۔ خبریں تو کوئی خاص نہیں ہیں۔ ہاں ایک بات ہے ہمارے گاؤں کا سردار بہت دنوں سے بیمار ہے دراصل اُسے بیماری تو کوئی نہیں ہے۔ بلکہ

ایک سانپ کی بد دعا لگ گئی ہے جو اس کے نئے گودام کی چھت کے شہتیروں میں اس دن سے پھنسا ہوا ہے جب سے وہ گودام بنا ہے سانپ مسلسل شہتیروں سے باہر آنے کی کوشش میں ہے. اور اسے سخت تکلیف کا سامنا ہے مگر یہ انسان تو اس قدر بیوقوف ہوتے ہیں کہ ان کی سمجھ میں کوئی بات آتی ہی نہیں۔ افسوس کی بات ہے نا؟ اچھا تم سناؤ تمہارے علاقے کی کیا خبریں ہیں. میری طرف بھی اسی سے ملتے جلتے حالات ہیں، ہمارے گاؤں کے سردار کی بیٹی بھی بیمار پڑی ہے. جب سردار نے کھانے کا نیا کمرہ بنوایا تھا تو اس جگہ پر موجود نیم کے درخت کو گرا دیا گیا تھا. لیکن اس پیڑ کی جڑیں وہیں موجود ہیں اور جب بھی بارش ہوتی ہے، ان میں نئی شاخیں نکلتی ہیں۔ جو کہ فوراً کاٹ دی جاتی ہیں۔ بیچارا درخت بہت تکلیف میں ہے، نہ وہ زندہ رہ سکتا ہے نہ مر سکتا ہے۔ اور اس کی ہی بد دعا سے سردار کی بیٹی بیمار ہوئی ہے لیکن انسان تو بے وقوف ہوتے ہیں۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتے۔

کوّوں کی باتیں سن کر بڑے میاں بہت خوش ہوئے اور گھر کی طرف چل دیئے. اگلے روز وہ مغربی گاؤں کے سردار کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں قسمت کا حال بتاتا ہوں. سردار کا نوکر باہر آیا اور کہا کہ ہمارے سردار کی حالت بہتر ہی نہیں ہو رہی. کیا تم یہ بتا سکتے ہو کہ اُسے کیا ہوا ہے؟

بڑے میاں سردار کے کمرے میں گئے اور بظاہر منتر پڑھنے لگے تاکہ نفسیاتی طور پر سردار کو یقین آجائے. پھر اچانک انہوں نے سردار سے پوچھا۔ کہ کیا آپ نے حال ہی میں نیا گودام بنوایا ہے؟۔ اثبات میں جواب ملنے پر بڑے میاں نے بتایا کہ گودام میں چھت کے شہتیروں کے درمیان ایک سانپ پھنسا ہوا ہے. اس کی تکلیف دور کرنے سے سردار کی بیماری دور ہو جائے گی. سردار نے فوراً ترکان کو بلایا اور اس سے شہتیر ہٹوا دیئے۔ جونہی شہتیر ہٹے ایک دبلا پتلا اور بھوکا سانپ شہتیر سے نکل کر بھاگا۔ ادھر سانپ کو آزادی ملی اور ادھر سردار کی بیماری ختم ہو گئی اس نے خوش ہو کر بڑے میاں کو بہت سا انعام دیا.

اگلے دن بڑے میاں مشرقی گاؤں گئے اور وہاں بھی اسی طریقے سے سردار کے گھر تک پہنچ گئے۔ تاکہ اس کی بیٹی کی بیماری کی وجہ بتا سکیں۔

شام انہوں نے کھانے کے نئے کمرے ہی میں گزاری انہیں پتوں کی سرسراہٹ سنائی دی حالانکہ ہوا کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ بڑے میاں کو کچھ عجیب سا احساس ہوا انہوں نے سُرخ ٹوپی پہنی اور خاموشی سے دروازہ کھولا باہر باغ میں انہیں ایک چیڑ کے درخت کی آواز سنائی دی

جو کہ نیم کے جڑوں کو دلاسہ دے رہا تھا۔ کہ تم صبر اور ہمت سے کام لو خدا نے چاہا تو اس مرتبہ موسم بہار میں تمہاری تکلیف ضرور دور ہو جائے گی۔ اتنے میں بڑے میاں کو ایک اور درخت کی آواز آئی جو کہ نیم کی جڑوں کا حال پوچھ ہی رہا تھا اور ہمت بڑھا رہا تھا۔ تمام رات مختلف درخت نیم کی عیادت کرتے رہے اور اس کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔

اپنی ٹوپی کی وجہ سے بڑے میاں ان کی تمام باتیں بڑی اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ صبح ہوئی تو انہوں نے سردار کے گھر والوں کو جمع کیا۔ اور کہا کہ کھانے کے کمرے کے فرش میں جو نیم کی جڑیں رہ گئی ہیں۔ انہیں کھود کر نکالو اور باغ میں کھلی جگہ پر لگا دو تاکہ پیڑ اُگ سکے اس سے تمہارے سردار کی بیٹی فوراً ٹھیک ہو جائے گی گھر والوں نے بڑے میاں کی ہدایت کے مطابق فرش کھود کر جڑیں باہر نکال لیں۔ اور انہیں باغ میں کھلی جگہ پر دبا دیا۔ ایسا کرتے ہی سردار کی بیٹی حیرت انگیز طور پر فوراً ہی ٹھیک ہو گئی جس سے سردار بہت خوش ہوا اس نے بڑے میاں کو مختلف تحائف اور بہت سا انعام دے کر رخصت کیا۔

اب بڑے میاں کے پاس کافی دولت آ گئی تھی۔ ان کے گھر میں خوشحالی کا دور دورہ تھا۔ چنانچہ نیک دل بڑے میاں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس سرخ ٹوپی کی مدد سے لوگوں کی پریشانیاں دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے کہتے ہیں کہ بڑے میاں ساری عمر اپنے فیصلے پر کاربند رہے۔ بڑے میاں اکثر اپنے بچوں کو سمجھایا کرتے کہ دیکھو اگر انسان محنت کرتا رہے، ایمانداری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے اور ناشکرا نہ ہو تو اُسے اِن اچھائیوں کا انعام کسی نہ کسی طور ضرور مل جاتا ہے۔

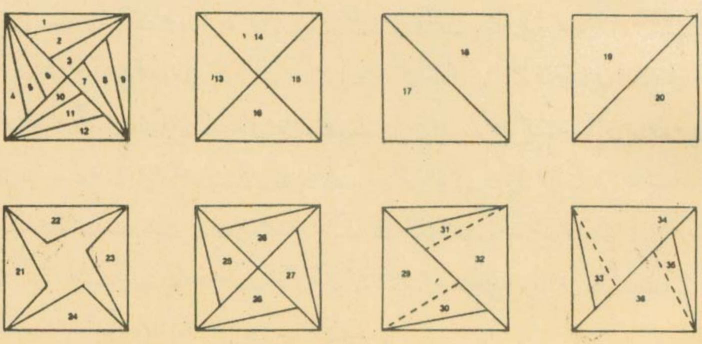

جاوید خالد

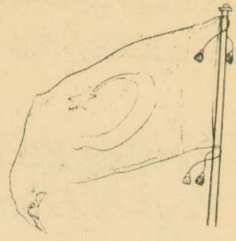

ترقی کا زینہ

انگریزوں نے جب ہندوستان پر قابو پالیا تو انہوں نے اپنی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے دو اہم کام کیئے۔ انہوں نے یہ سوچا کہ اقتدار کو کسی سے خطرہ ہے تو وہ مسلمان ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو کچلنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ دوسرا اہم کام جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ ہندؤوں کو اپنے ساتھ ملا یا یہی وجہ تھی کہ جنگ آزادی کی سزا صرف مسلمانوں کو ہی بھگتنا پڑی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ انگریزوں نے گویا مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا عہد کرلیا اور ہندو اس سازش میں ان کے شریک ہوگئے۔ ہندوؤں کی خدمات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے لئے انگریزوں نے انہیں نوکریاں بھی دیں اور کاروبار کرنے کے ذرائع بھی۔ پھر تحقیق کے نام پر اس نے مسلمان بادشاہوں کو ہندوؤں کے لئے سخت ظالم اور جابر بھی ثابت کرنا شروع کردیا۔ چنانچہ ہندو مسلمان دشمنی میں انگریزوں سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے اور ہر اس کام میں انگریزکی جی جان سے مدد کرنے لگے جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کی امید ہوتی۔ یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے لیکن ــ "بغل میں چھری منہ پر رام رام"۔ انگریزوں کو جاکر ان کی مخبری کرتے ان کی حرکات و سکنات بتاتے اور جس طرف چاہتے اشارہ کردیتے اور حکومت کا عتاب وہاں نازل ہوجاتا۔ انہوں نے اس پر بس نہ کیا بلکہ انگریزی زبان اور مغربی علوم و فنون بھی سیکھے جن سے مسلمان ناواقف تھے اور سیکھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو سرکار دربار تک پہنچ گئے اور بڑی ملازمتوں، اہم عہدوں پر بھی قابض ہوگئے۔ یوں معاشی آزادی کے ساتھ ساتھ انہیں سیاسی اقتدار میں بھی حصّہ مل گیا۔ مزید یہ کہ ان کے سیاسی معاملات کے لئے انگریزوں نے خود ایک سیاسی جماعت "کانگریس" بنا کر اسے ہندوؤں کے حوالے کردیا۔ مسلمانوں میں جو کچھ لوگ پڑھ لکھ گئے تھے، وہ اپنی قوم کے ان حالات کو دیکھ کر کڑھتے اور اسے ذلّت سے نکالنے کی تجاویز سوچا کرتے تھے۔ ان لوگوں میں سے "سر سیّد احمد خان" نے بڑا اور سب سے اہم کام کیا درحقیقت یہ لٹے پٹے مسلمانوں کی خوش نصیبی تھی کہ انہیں سر سیّد جیسا رہنما مل گیا۔ قدرت نے سر سید کو ایک بڑے کام (مسلم قوم کو دوبارہ زندہ کرنے) کے لئے چن لیا۔

سرسیّد نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ کوئی باغیانہ تحریک چلاکر اسے کامیاب کرلینا اب مسلمانوں کے بس میں نہیں رہا جبکہ ہندوؤں نے جدید تعلیم حاصل کرکے خود کو حکومت تک میں شامل کرلیا ہے۔ مسلمان تعلیمی میدان میں اس قدر پیچھے تھے کہ مولانا حالی کے بیان کے مطابق ۱۸۷۵ء تک پورے ملک میں ۸۴۶ ہندو گریجویٹوں کے مقابلے میں مسلمان گریجویٹوں کی تعداد بمشکل ۲۰ تک پہنچ سکی تھی۔ سرسیّد اس خیال پر سختی سے جم گئے کہ مسلمانوں کو ذلت کے گڑھے سے نکالنے اور پھر ان کو سنوارنے کا واحد ذریعہ "تعلیم" ہے۔

اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"انسان کا دل کیسا ہی نیک ہو مگر جب تک اس پر عمدہ تعلیم کا اثر نہیں ہوتا اس وقت تک ہر ایک نیکی اور ہر ایک قسم کے کمال کی خوبیاں جو اس میں چھپی ہوئی ہیں اور جو بغیر اس قسم کی مدد کے نمونہ نہیں ہوسکتیں ظاہر نہیں ہوتیں۔"

اپنے خیال کو ذہن میں بسائے ہوئے وہ یورپ جا پہنچے وہاں نظام تعلیم اور کالجوں، یونیورسٹیوں کا بغور جائزہ لیا۔ پھر وطن واپس آکر آکسفورڈ کی طرز پر علی گڑھ میں ایک کالج قائم کیا۔ یہ بات ۱۸۷۵ء کی ہے۔ کالج کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے سرسید نے کہا۔

"آج ہم جو بیج بو رہے ہیں وہ ایک دن بڑا تناور درخت ہوجائیگا۔ بڑ کے درخت کی طرح اس کی شاخیں زمین میں جڑ پکڑیں گی اور پھر ان سے نئی اور مضبوط شاخیں پیدا ہونگی۔ یہ کالج ایک یونیورسٹی کی شکل میں پروان چڑھے گا جس کے طالب علم ملک کے طول و عرض میں پھیل جائیں گے اور تحقیق، وسیع القلبی، رواداری اور سچے اخلاق کی تعلیمات پھیلائیں گے۔"

دو ہی سال بعد یعنی ۱۸۷۷ء جنوری کے مہینے میں یہ کالج "علی گڑھ مسلم یونیورسٹی" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ یونیورسٹی کا قیام کوئی آسان کام نہ تھا اور اس کو قائم رکھنا اس سے زیادہ مشکل۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ ایک جان لیوا کام تھا مگر سرسید احمد خاں بھی اپنی دُھن کے پکے تھے۔ انہوں نے بے عزتی سہی، گالیاں کھائیں، دل توڑنے والی باتیں سنیں، طعنے برداشت کئے بلکہ تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اس سنجیدہ اور بزرگ آدمی نے ڈراموں تک میں کام کیا جس میں اخلاقی اور باوقار کرداروں سے قوم کو اس نیک کام میں حصّہ لینے کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ اپنی کوششوں کا ایک ہلکا سا خاکہ انہوں نے اپنے ایک مضمون 'امید کی خوشی' میں اس طرح کھینچا ہے۔

"شہری وحشی بتاتے ہیں، دوست آشنا دیوانہ کہتے ہیں۔ عالم فاضل کفر کے فتووں کا ڈر دکھاتے ہیں، بھائی بند عزیز واقارب سمجھاتے ہیں اور پھر یہ شعر پڑھ کر چپ ہو رہتے ہیں۔

وہ بھلا کس کی بات مانے ہیں
بھائی سید تو کچھ دیوانے ہیں"

مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آگاہ کرنے کے لئے انگلستان سے اساتذہ کو بلوا کر انہیں یونیورسٹی میں پروفیسر کی حیثیت سے ملازم رکھا گیا۔ شروع شروع میں تو حالات بہت مایوس کر دینے والے تھے مگر آہستہ آہستہ مسلمان نوجوانوں میں تعلیم کا شوق پیدا ہونے لگا اور وہ اپنی کمزوریاں تیزی سے دور کرنے لگے۔ سر سید کی پرخلوص کوششوں کو دیکھ کر چند اور مخلص رہنما بھی ان کے ساتھ مل گئے جن کی وجہ سے منزل کی طرف سفر اور تیز تر ہو گیا۔ ان رہنماؤں میں خواجہ الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد، نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، اور سید علی بلگرامی وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مسلمان نوجوانوں کو انگریزی علوم کی طرف مائل کرنے سے ایک مذہبی طبقہ ان سے بدظن ہو گیا۔ مگر سر سید کی نیک نیتی کا اندازہ ان اصولوں سے ہوتا ہے جو طلبا کے لئے لازمی قرار دیئے گئے تھے۔ ہر طالب علم پر جماعت کی نماز پابندی سے ادا کرنا لازمی تھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی حدود میں شراب نام کی کوئی چیز نہ تھی اور تو اور سر سید ترکی کوٹ پتلون، ترکی ٹوپی استعمال کرتے تھے، یونیورسٹی کا یونیفارم بھی یہی قرار پایا۔ مذہبی لحاظ سے اس وقت مسلمانوں کا ترکی کے ساتھ بڑا جذباتی رشتہ تھا۔ اس یونیفارم کے معاملے میں سر سید اتنے سخت گیر تھے کہ انہوں نے انگریز پرنسپل کے فراہم کردہ لباس کو سختی کے ساتھ مسترد کر دیا۔

اس بات میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ اس تعلیمی ادارے نے مسلمانوں کی حالت سنوارنے میں بنیادی کردار ادا کیا، بلکہ قوم کی مردہ رگوں میں خون دوڑایا۔ یوں تو اس ادارے سے قوم کے اخلاق کی اصلاح ہوئی، تہذیب، شائستگی اور قومی عزت کا احساس پیدا ہوا، قوم جدید علوم کی طرف راغب ہوئی، قومی شعور اور اجتماعی فکر کا رجحان پیدا ہوا۔ اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو حالات کا ساتھ دینا، وقت کے تقاضوں کو سمجھنا اور مایوسی کے چنگل سے نکلنا سکھایا۔ مگر تین کام ایسے اہم ہیں کہ انہیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

انگریزوں نے جدید تحقیق کے پردے میں؛ اسلام اور مسلمان بادشاہوں پر سخت الزامات اٹھا کر نہ صرف غیر مسلموں کو بلکہ نوجوان مسلمانوں کو بھی اسلام سے دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ ایسی کتابوں کے ترجمے اور ان کا جواب دینے کے لئے یونیورسٹی میں الگ شعبہ بنایا گیا۔ اس طرح انگریزوں کی مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کرنے کی یہ سازش ناکام ہو گئی۔ اس ادارے نے مسلمانوں کے ذہنوں سے یہ غلط خیال بھی نکالا کہ جدید علوم مذہب کے منافی ہیں۔

حکمران قومیں محکوم کی زبان پر سب سے پہلے حملہ کر کے اسے ختم کرتی ہیں اور کسی قوم کی زبان ختم ہو جائے تو سمجھو

وہ قوم ختم ہوگئی۔ چنانچہ مسلمانوں کی زبانوں فارسی اور اردو پر بھی زبردست حملے ہوئے۔ فارسی پر تو دشمنوں کے حملے کارگر ہو گئے مگر اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی پناہ میں آگئی اور اس ادارے کی بدولت یہ زبان اتنی مقبول ہوئی کہ اس نے ہندی اور علاقے کی دوسری زبانوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اسلامی، معاشی، سیاسی غرضیکہ ہر قسم کے مضامین اس میں ادا کئے جانے لگے اور پھر اس ادارے نے ایسے ایسے انشاء پرواز پیدا کئے جنھوں نے اردو کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا۔ اردو کے ان محسنوں میں رشید احمد صدیقی، بابائے اردو مولوی عبدالحق، سجاد حیدر یلدرم، عظیم بیگ چغتائی، قاضی عبدالغفار، عبدالرحمٰن بجنوری، وحیدالدین سلیم، عزیز احمد، عنایت اللہ دہلوی، سید محفوظ علی، غلام ربانی تاباںؔ، معین احسن جذبیؔ، جاں نثار اختر، اسرارالحق مجاز اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، وغیرہ شامل ہیں۔

اس یونیورسٹی نے پورے ملک میں سیاسی بیداری کی لہر دوڑائی۔ مولانا ظفر علی خان، مولانا محمد علی جوہر مولانا شوکت علی اور حسرت موہانی ایسے نام ہیں جن کے نام لئے بغیر آزادی کی تاریخ پوری نہیں ہوتی اور یہ دلاور علی گڑھ یونیورسٹی ہی کے فرزند تھے۔ ان نوجوانوں نے ملک کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک اپنی تحریروں اور تقریروں سے مسلمانوں کو بیدار کرنا شروع کیا۔ اس کے لئے انھوں نے سزائیں کاٹیں، جرمانے برداشت کئے مگر مقصد سے منہ نہ موڑا۔ سر سیدؔ نے اپنا زبردست حوصلا اور بے مثال قوت برداشت یونیورسٹی کے ہر طالب علم میں بھر دینے کی کامیاب کوشش کی تھی اور ہر طالب علم ایثار، اتحاد، روشن خیالی، اسلامی اخوت اور ہمدردی کا چلتا پھرتا مجسمہ بن گیا تھا۔

۱۹۰۶ء میں یونیورسٹی کے آنریری سکریٹری نواب محسن الملک اور سر آغا خان کی قیادت میں ایک وفد نے حکومت کے سامنے پہلی مرتبہ مسلمانوں کے مطالبات پیش کئے۔ اس سال مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت "مسلم لیگ" وجود میں آئی جس کے پہلے صدر اسی یونیورسٹی کے سکریٹری نواب وقارالملک تھے۔ وقت اپنی رفتار سے گزرتا رہا اور سر سیدؔ کا لگایا ہوا پودا ایک تناور درخت کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اب مسلمان رہنماؤں کی امیدوں کا مرکز بن گئی تھی۔ علامہ اقبال نے پوری ایک نظم لکھی جس کا نام ہے۔ "طلبا علی گڑھ کالج کے نام"۔ یہ نظم ان کی مشہور کتاب "بانگ درا" میں شامل ہے۔ اس کا پہلا شعر ہے ؎

اوروں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے

مولانا ظفر علی خان پر جوش آواز میں پکارے ؎

سوادِ اعظمِ اسلام کی نگاہ امید
جمی ہوئی ہے علی گڑھ کے نوجوانوں پر

طلباء سے خطاب کرتے ہوئے مسلمانوں کے متفقہ رہنما قائداعظم محمد علی جناح نے کہا۔
"میں اب مستقبل سے خائف نہیں ہوں۔ کیونکہ یہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ آپ میں سے کئی جناح پیدا ہونگے۔"

قائداعظم علی گڑھ گئے تو طلباء نے اسٹیشن سے یونیورسٹی تک ان کی گاڑی کو کھینچا۔ آپ نے کہا۔
"علی گڑھ اسلامی ہند کا اسلحہ خانہ ہے اور آپ لوگ اس کے بہترین سپاہی ہیں۔"

ہم آزاد ہو گئے مگر آزادی کی جتنی بھاری قیمت ہم نے ادا کی ہے کسی نے نہ کی ہوگی۔ ایک عام اندازے کے مطابق پانچ لاکھ سے زیادہ افراد آزادی پر قربان ہو گئے۔ ان میں معصوم بچے بھی تھے، جوان بہن بھائی اور قابل احترام بزرگ بھی۔ پچاسی لاکھ سے زیادہ افراد بے گھر ہوئے۔ اپنی جائیدادیں، اپنا ساز و سامان سب کچھ ہندوؤں اور سکھوں کے حوالے کرکے نئی دنیا آباد کرنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل پڑے — یہ وطن — میرا وطن — آپ کا وطن — بہت قیمتی ہے۔ اس کا ایک ایک ذرّہ انمول ہے اور اس قابل ہے کہ اسے سر پر سجایا جائے، آنکھوں سے لگایا جائے۔ ہمارا سفر ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ ہمیں اس ملک کو سرسید کے۔ اقبال کے — اور قائداعظم کے — خیالوں کے مطابق تعمیر کرنا ہے۔ اسے سجانا اور سنوارنا ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے امانت دار ہم سب ہیں۔ خاص طور پر طلباء۔ طلباء قوم کا مستقبل قوم کی آبرو۔ انہیں چاہیئے کہ علم حاصل کریں۔ علم ہی سے قوموں کا نکھار ہوتا ہے اور علم اس طرح حاصل کریں کہ ذہنی اور تخلیقی صلاحیتیں پوری طرح سامنے آئیں۔ تعلیم حاصل کرتے ہوئے کسی اور سمت توجہ نہ دیں۔ تاکہ تعلیم سے فارغ ہوکر ملک و قوم کے لئے زیادہ کارآمد ہو سکیں — اور علم کے اس چراغ کو اپنے تک نہیں رکھنا ہے۔ ہمیں اس چراغ سے اتنے چراغ جلانا ہیں کہ اندھیروں کو شکست ہو جائے — جو ساتھی کسی بھی وجہ سے علم حاصل نہ کر سکا ہو اس تک اس نعمت کو پہنچانا ہے — یہ ہمارا عہد ہے — یہ ہمارے عہد کا تقاضا ہے۔

چٹک او غنچۂ گل تو مؤذن ہے گلستاں کا

بحر الکاہل میں اب تک دریافت ہونے والا سب سے زیادہ گہرا مقام جزیرہ گوام کے قریب ہے اس جگہ پر سمندر ۱۰ ہزار سات سو ۹۰ میٹر گہرا ہے۔ سمندر کا دوسرا سب سے زیادہ گہرا مقام بحر اوقیانوس میں پرٹوریکو کے قریب واقع ہے یہ ۹ ہزار ۲ سو ۱۹ میٹر گہرا ہے۔

ماہنامہ

آنکھ مچولی

اچھا پڑھیے

آگے بڑھیے

آپ کی علمی ضرورت بھی ہے اور آپ کے ادبی ذوق کی تسکین کا ذریعہ بھی
اسے باقاعدگی سے پڑھنے کے لئے اور اس کے حصول کو آسان بنانے کے لئے

ہماری خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہو جایئے

اس میں مالی منفعت بھی ہے اور علمی فائدہ بھی
اسے حاصل کرنے کی ذمہ داری ہم پر ڈال دیجئے

ماہنامہ آنکھ مچولی (خصوصی بچت اسکیم) گرین گائیڈ اکیڈمی ڈی-۱۱۳ سائٹ کراچی نمبر ۱۶

---

۱۲ شماروں کی قیمت (مع خصوصی شمارے) عام ڈاک سے ۷۵/۴۵ روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک سے ۱۲۰/۹۰ روپے

۲۴ شماروں کی قیمت (مع خصوصی شمارے) عام ڈاک سے ۱۵۰/۹۰ روپے۔ رجسٹرڈ ڈاک سے ۲۴۰/۱۸۰ روپے

مالی فائدے کے علاوہ زحمت سے نجات رسالے کی بحفاظت ترسیل اور ۲ سال ممبر شپ پر قیمتی کتب بلا معاوضہ

- -

خصوصی بچت اسکیم

میں ماہنامہ "آنکھ مچولی" کی خصوصی بچت اسکیم میں شامل ہونا چاہتا / چاہتی ہوں
اس کوپن کے ساتھ ۱۲/۲۴ شماروں کی قیمت مبلغ ...... روپے کا بینک ڈرافٹ / پوسٹل آرڈر
منی آرڈر کی رسید منسلک ہے ___ میرے نام حسب ذیل پتے پر ماہ ...... سے ماہنامہ
جاری کر دیا جائے۔

نام ______________________

مکمل پتہ ______________________

کوئی ضروری ہدایت ______________________

فون نمبر ____________ دستخط ____________

ڈاک ٹکٹ
یہاں لگائیں

ماہنامہ آنکھ مچولی

گرین گائیڈ اکیڈمی

ڈی — ۱۱۲ — سائٹ — کراچی نمبر ۱۶

پاکستان

کیاکیوں کیسے؟

طارق لطیف

• بارش کیسے ناپی جاتی ہے؟

آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ آج فلاں جگہ دو یا تین سینٹی میٹر بارش ہوئی یا فلاں جگہ سال بھر میں چودہ انچ بارش ہوئی ہے۔ اب آپ سوچتے ہوں گے کہ بارش کوئی کپڑا تو ہے نہیں کہ ناپ لیا۔ چلیں آیئں ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ بارش کیسے ناپی جاتی ہے۔

بارش ایک مخصوص آلے سے ناپی جاتی ہے جس کو بارش پیما کہتے ہیں۔ یہ آلہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ایک تو بوتل ہوتی ہے جس پر ہر سینٹی میٹر پر نشان لگے ہوتے ہیں اور دوسری ایک چوڑے منہ کی قیف جس کو عام طور پر کپّی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قیف (یا کپّی) بالکل اسی طرح کی ہوتی ہے جیسی کہ ہم گھروں میں چولہے میں تیل ڈالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

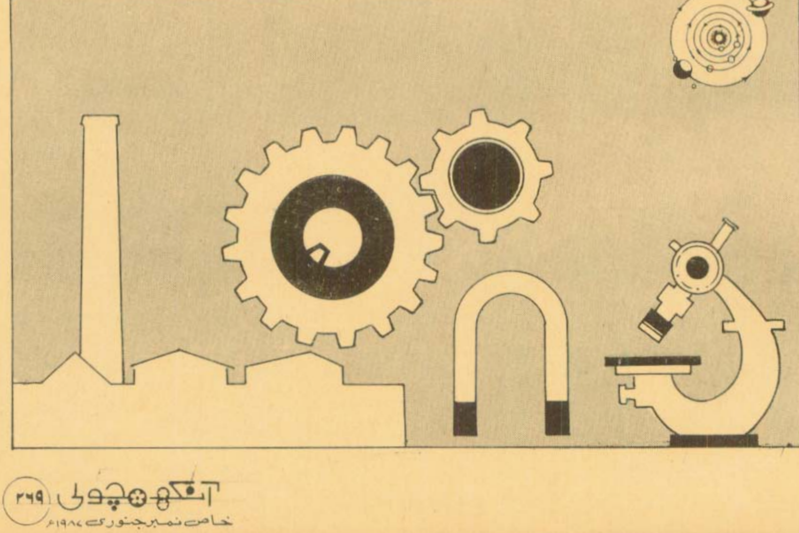

جب بارش ہوتی ہے تو اسی کپی کو بوتل کے منہ پر لگا کر کھلے آسمان کے نیچے رکھ دیتے ہیں۔ بارش کا پانی کپی میں سے ہو کر بوتل میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ بارش ختم ہونے کے بعد دیکھتے ہیں کہ بوتل میں کتنے سینٹی میٹر پانی جمع ہو گیا۔ یوں آپ کو پتہ چل جاتا ہے کہ آج اتنے گھنٹوں میں اتنے سینٹی میٹر بارش ہوئی۔

● آسمان پر کتنے ستارے ہیں؟

رات کے وقت آسمان کی طرف دیکھیں تو بے شمار ستارے نظر آتے ہیں۔ آپ نے کبھی یہ سوچا کہ ان ستاروں کی تعداد کتنی ہے۔ اصل میں اس سوال کا جواب کوئی بھی نہیں دے سکتا۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم تمام ستارے تو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ اگر ہم کسی طاقتور سے طاقتور دوربین سے بھی دیکھیں تو تمام ستارے نہیں دیکھ سکتے۔

ہم جس زمین پر رہتے ہیں وہ دراصل ایک بہت ہی چھوٹا سا سیارہ ہے۔ ہماری یہ زمین ایک درمیانے سائز کے ستارے کے گرد گھومتی ہے جس کو ہم سورج کہتے ہیں۔ ہمارا یہ سورج لاکھوں کروڑوں ستاروں کے مجموعے کا ایک ستارہ ہے۔ اس مجموعے کو ہم کہکشاں کہتے ہیں۔ ہماری یہ کہکشاں اتنی بڑی ہے کہ روشنی، جو ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو اکیاسی میل فی سکینڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے اس کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچنے میں ہزاروں سال لیتی ہے۔

بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ہماری یہ کہکشاں اس کائنات کی کروڑوں کہکشاؤں میں سے صرف ایک ہے۔ اب آپ ذرا یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں کہ آسمان پر ستارے کتنے ہیں۔؟

● جانوروں کی دم کیوں ہوتی ہے؟

بظاہر دیکھنے میں جانوروں کی ایک بے کار چیز لگتی ہیں لیکن جانوروں کے لئے یہ بڑی کارآمد چیز ہے۔ بندر اپنی دم کو ہاتھ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جب وہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگ لگاتے ہیں تو اگلے درخت کی شاخ کو اپنی دم سے پکڑ لیتے ہیں تاکہ گرنے سے محفوظ رہیں ــــ اپنی دم کی مدد سے ہ مرف پانی میں تیرتے ہیں

بلکہ ان سے کوڑے کا کام لے کر اپنے شکار کو بھی بے بس کر دیتے ہیں۔ گلہری جب ایک شاخ سے دوسری شاخ پر کودتی ہے تو اپنی دم کی مدد سے اپنا توازن برقرار رکھتی ہے جیسے بازیگر رسّے پر چلتے وقت ڈنڈا یا چھتری استعمال کرتے ہیں، گھوڑے، گائے اور بھینس وغیرہ اپنی دم سے مکھیاں اڑانے کا کام لیتے ہیں، کانگرو بیٹھتے وقت اپنی دم سے کرسی کا کام لیتا ہے۔ پرندے اپنی دم سے اپنی پرواز کا رخ اور اس کی رفتار پر قابو رکھتے ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ دم کتنے کام کی چیز ہے۔

● روشنی کی رفتار کیا ہے؟

روشنی کی رفتار ہماری کائنات میں سب سے زیادہ ہے۔ یہ رفتار ہے ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو اکیاسی میل فی سیکنڈ ۔ چھوٹے فاصلوں کو طے کرنے میں یہ جتنا کم وقت لیتی ہے وہ ہمارے تصوّر سے باہر ہے۔ جب ہم بلب جلانے کے لئے سوئچ دباتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ روشنی فوراً ہی پھیل گئی ہے۔ دراصل روشنی بلب سے ہماری آنکھ تک پہنچنے میں بھی کچھ وقت لیتی ہے لیکن یہ وقت اتنا کم ہوتا ہے کہ ہم اس کو ناپ نہیں سکتے۔ روشنی ایک سیدھی لائن میں سفر کرتی ہے۔ اگر روشنی زمین کے گلوب کے ساتھ ساتھ گھوم سکتی تو ایک سیکنڈ میں سات چکر لگا لیتی ہے۔ روشنی سورج سے

اچھی کتاب

ملٹن نے لکھا ہے: "ایک اچھی کتاب سلیم الفطرت انسان کے لئے زندگی کا بہترین سرمایہ ہے۔"

بیکن نے لکھا ہے: "کتابوں کے انتخاب میں آپ کو شعور سے کام لینا چاہیئے۔ کچھ کتابیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں چکھا جاتا ہے۔ بعض کو نگلنا پڑتا ہے اور چند ایسی بھی ہوتی ہیں جو چبانے اور کھانے کے کام آتی ہیں۔"

سمرسٹ ماہم نے لکھا ہے "مطالعہ کی عادت اختیار کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے دنیا کے سارے دکھوں سے بچنے کے لئے ایک محفوظ ترین پناہ گاہ تعمیر کر لی ہے۔" غور کریں کہ آپ جو کچھ پڑھتے ہیں، اُس سے آپ کی روح پر چھائی ہوئی تاریکی کہاں تک دور ہوئی۔ آپ نے کیا سیکھا؟ آپ کی زندگی میں کیا تبدیلی ہوئی؟ صرف وقت گزارنے کے لئے نہ پڑھیئے۔ اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو زندگی کے زرّیں لمحات ضائع کرتے ہیں۔

NEW

IMPROVED FORMULA

FINIS®

TRIPLE S insecticide

THREE NEW FEATURES

SUPER PERFUME

SUPER MATIC • SUPER POWER

ORIENT

بہت سے ساتھیوں نے اپنی تحریریں ہمیں بھجوائیں جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں...... بہت سی تحریریں شائع نہیں کی جارہیں جس کی مختلف وجوہات ہیں، مثلاً کوئی تحریر کہیں سے نقل کی ہوئی ہے کوئی بہت طویل ہے بعض تحریریں اسقدر گندی لکھی ہوئی ہیں کہ پڑھی نہیں جارہیں بعض تحریریں اچھی ہیں مگر اسقدر ملا کر لکھ دی گئی ہیں کہ ان میں اصلاح کرنا ممکن نہیں رہا اسی طرح بعض تحریریں بعض پہلوؤں سے کمزور اور کہانیاں عقل و فہم سے کوسوں دور ہیں ایسی کہانیاں بھی ہمیں موصول ہوئی ہیں جن پر بھجوانے والے ساتھیوں کا نام درج نہیں ہے ...... ان بہت سی وجوہات کی بناء پر اکثر ساتھیوں کی تحریریں شامل اشاعت نہیں ہوسکیں آپ حوصلہ نہاریں بلکہ پھر سے کوشش کریں اور چھوٹی چھوٹی کہانیاں، مضامین یا نظمیں صاف اور خوش خط لکھ کر ہمیں بھجوائیں۔ انشاءاللہ ہم آئندہ کسی اشاعت میں انہیں ضرور جگہ دیں گے۔ (ادارہ)

رخشی عابد، ثنا زیہ عابد، ملتان، کہانی کا نام نہیں لکھا،
محمد ادریس قمر، مقام کا نام نہیں لکھا، کہانی "چالاک ہرنی"
شوکت شیخ، نارتھ کراچی، کہانی "نیا راستہ"
خرم نثار، دھوراجی کالونی، کراچی کہانی "علی اور جادوئی پتھر"
نصرت گلزار شیروانی، ملتان، مضمون "شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن"
شمیم مرزا، مقام کا نام نہیں لکھا، کہانی "چوہیا شہزادی"
عارف کلیم، مقام کا نام نہیں لکھا کہانی "شہزادی بانو"
افروز تراب خان، ابن سینا لائن کراچی کہانی "ایمانداری کا پھل"
نام اور مقام نہیں لکھا، کہانی "پھولوں کا دلچسپ مشاعرہ"
رضوانہ جہاں، فیڈرل بی ایریا کراچی کہانی "بے وقوف مگرمچھ"
زین العابدین، مقام کا نام نہیں لکھا کہانی "زین کے کارنامے"
ناصر ادریس، جڑانوالہ، نظم "آنکھ مچولی کے نام"
محمد عامر یاسین، دستگیر، کراچی، کہانی "اپنے اپنے خواب"
راشد فرید، نارتھ ناظم آباد، کراچی، کہانی "ایک بوڑھے کا عظیم کارنامہ"
ہارون ظفر، اٹک، کہانی "جاسوسی کی سزا"
حماد اقبال لاہور، کہانی، "سست بادشاہ"
نصیر انور، جی ا/، ون، اسلام آباد، تحریر کا نام نہیں لکھا،
محمد فاروق انجم، فیصل آباد شہر، کہانی "حلال کی کمائی"
محمد عارفین، لانڈھی کالونی، کراچی، کہانی "سائیکل کا شوق"
امینہ شفیق، کراچی کہانی "وزیر کی غداری" اور نظم
محمد نوید مرزا، تیزاب احاطہ، لاہور، کہانی "آنکھ مچولی"
ابوالحسن جابر، بھوانہ بازار، فیصل آباد، نظم "مانو پیاری"
محمد کامران سلیم، سندھی ہوٹل، کراچی، عنوان نہیں لکھا"

انیت کمار، شاہی بازار، سندھ کوٹ کہانی "چنو اور منو" "امتحان" "سرفراز میرا دوست"
فیصل غفار، وارڈ نمبرہ حاصلپور، کہانی "جس کا نام اُس کو ساجے"
ایم طارق جدون، کراچی، کہانی "سونے کا چراغ" "نیکی کا اجر" "وسیلہ"
ساجد محمود عابد، فقیر والی، بہاولنگر، کہانی "مغرور درخت"
شاہدہ سید، کنری پاک، سندھ کہانی "عارف نے شکار کیا"
فوزیہ مغل، کنری پاک، سندھ، کہانی "شہزادی فوزیہ اور ساتھی گھوڑا"
جشان تصدق، فیصل آباد، کہانی "اکیس بکرے"
حبیب مظہر، کہانی "ہوشیار چڑیا"
نیر شہاب کہانی "نیک دل شہزادہ"

سید آصف علی آصف، گولیمار، کراچی "نعت"
ایس کے نسیم الدین، مضمون "شاہ فیصل مسجد"
ثیورام، سکھر۔ "عدنان کا کارنامہ"
پرنس شاہد اُداس۔ "نعت شریف"
غفران قیصر نواز، گلبہار، پشاور شہر، کہانی "بیوقوف لڑکا"
ثاقب مسعود، ہاؤسنگ کالونی، جہلم کہانی "نائٹ رائڈر اور خطرناک"
سید شکور نقوی، لطیف آباد، حیدرآباد، نظم "نغمہ" اور "ہم نے سائیکل خریدی"
سید مختار رضا جعفری، نارتھ کراچی، کہانی "شیخ چلی کا خواب"
فوزیہ سردار، کورنگی، کراچی "قرآن پاک کا معجزہ"

عدیل احمد، کہانی "سرکس کا فائدہ"
سید سبط شبیر زیدی، بطحٰی ٹاؤن، کراچی۔ مضمون "مسلمانوں کی بدحالی"

عنایت اللہ انصاری، سمن آباد، فیصل آباد، کہانی "ملاوٹ کا انجام"
محمد ابراہیم، گاندھی پورہ، لاہور۔ کہانی "جادو کا کھیل" "شہزادی گل خام"
افشین، حیدرآباد، کہانی "جیسا کروگے ویسا بھروگے"
ٹیپو عابد، کرشنا نگر، قصور، کہانی "غار میں موت"
ہمایوں بشیر، چھاچھی محلّہ، راولپنڈی، کہانی "علم کی روشنی"
محمد شاہد فیروز، گوجرانوالہ، کہانی "نامور"
محمد شفیق، یامین کورٹ، قصور، نظم "نیا سال مبارک"
محمد ثناء اللہ شاہ، اتفاق آباد، نظم "قلم" اور "صبح کی دعا"
محمد سعید عباس، کھوکھراپار، کراچی، نظم "آنکھ مچولی"
محمد نوید مرزا، تیزاب احاطہ، لاہور، نظم "نعت رسول مقبولؐ"
میرا احمد قریشی، گذری ولیج، کراچی کہانی "شہزادی موتیا"
عرفان صدیقی۔ عالم خان روڈ، راولپنڈی۔ کہانی "لالچ بُری بلا ہے"
شمیم، ڈسکہ، سیالکوٹ، کہانی "سچائی"
محمد اکرم، منظور کالونی، کراچی۔ کہانی "کرتب"
محمد شفیق انجم، لانڈھی، کراچی کہانی "فضول خرچی کا انجام"
ریحانہ حفیظ، کہانی "کیا یہ میری وجہ سے ہوا"
نصرت منگسی، لطیف آباد، حیدرآباد کہانی "شہزادہ حامد"
ملک فرید انجم، کورنگی، کراچی، نظم "آنکھ مچولی"
شمیم اختر، الفیصل ٹاؤن، لاہور کہانی "ظالم کباب والا"
فرحانہ سلیم، کراچی، کہانی "حسد کی سزا"
پرنس آف ڈھمپ، ناظم آباد، کراچی "نعت"
مہربانو، کالابورڈ، ملیر، کراچی کہانی "بیناکی توبہ"
بابر نبی، ماڈل کالونی، کراچی، کہانی "تقدیر کی جنت"
سائرہ شفیع، محمود آباد، کراچی کہانی "خوفناک منصوبہ"
فوزیہ تاج کہانی "خواب اور حقیقت"
نصرت گل شیروانی، ملتان مضمون "ولادت محمدؐ"
منور خان، کنری پاک، تھرپارکر، کہانی "رسی ڈنڈا اور ظالم دیو"
غزالہ یاسمین کہانی "سبزیوں کے کرشمے"
حبیب اللہ، بینگ گل، بنوں شہر، کہانی کا عنوان نہیں لکھا
ملک آصف اقبال، عثمانوالا، پنجاب، کہانی، "دل اور زبان اور اپیل"

ظفر تاج محمد عثمان، کراچی، "حکمت کی نظم"
محمد تنویر شعیب، کراچی، کہانی "بال پین"
فرزانہ روحی، اورنگی ٹاؤن، کراچی، "قیمتی تحفہ"
عابدہ ناصر، منگوال غربی، کہانی "جھوٹ ہی جھوٹ"
مسز ضیاء زبیری کہانی "بندر کا تماشہ"
غزالہ یاسمین، مضمون "سائنس کیا ہے"
ساجدہ شمس، شاہ فیصل کالونی، کراچی کہانی "اندھیری راہیں"
عمران غیور، گلشن اقبال ۴، کراچی نظم "نصیحت"
اختر علی، باغبانپورہ، لاہور، کہانی کا عنوان نہیں لکھا
محمد چاند تارا، جدون، مضمون "علامہ اقبال"
سید محمد علی رضوی، فیڈرل بی ایریا، کراچی کہانی "خیالی پلاؤ"
ایس اے راشد منہاس، نارتھ، کراچی مضمون "سیرت النبیؐ"
نام اور پتہ نہیں لکھا۔ کہانی "محنتی کسان"
ظفر عالم، مارٹن کوارٹرز، کراچی، مضمون "نشان منزل"
صنوبر حاجی رمضان، کراچی، کہانی "عادت بدل گئی"
ارم شفیق، کراچی نظم "گیت" "پاک سرزمین"
نوشین شفیق، کراچی "گیت"
عزیز الرحمٰن، منگورہ، سوات، "نعت رسول ایک سبق وغیرہ"
نورین فاطمہ، پی آئی ڈی سی، کراچی "یہ بچے"
طارق احسان، کراچی، کہانی "کھچڑی"
فیصل رفیق، شعیب زئی، نواں شہر، کہانی "مظلوم کی بددعا"
غوثیہ وارثی، نظم "پاکستانی"
یماعروج صدیقی، ناظم آباد، کراچی "تندرستی ہزار نعمت ہے"
عبدالراشد، قیوم آباد، کراچی کہانی "خوفناک گروہ"
ملک محمد ریاض، کھاریاں ضلع گجرات، کہانی "دوستی" اور "ایثار"
سعید علی، خادم آباد، کھارا روڈ قصور، کہانی، "خوفناک گروہ"
محمد آدم کہانی "انصاف"
فرح گل بقائی، سکس، ون، ایف، اسلام آباد کہانی "مٹر بے چین کی گاڑی"
عبید اللہ اسیر، بنوں، کہانی کا عنوان نہیں لکھا،
مقبول حسین، فیض آباد کالونی، خیرپور، کہانی "چالاک گیدڑ"

ذہانت شرط ہے

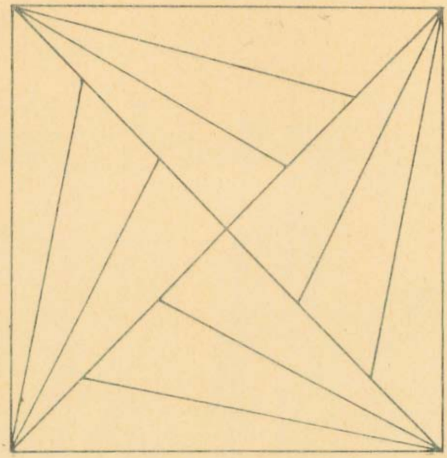

غور سے دیکھ کر بتایئے کہ اس مربع میں کل کتنے مثلث ہیں؟
جواب کسی اور صفحے پر تلاش کیجیے۔

توانائی کھیل کود میں
توانائی ورزش میں
توانائی بھاگ دوڑ میں
توانائی کی ضرورت لمحہ بہ لمحہ
Energy
food BISCUITS
یعقوب انرجی فوڈ بسکٹ سے توانائی بھی اور لذّت بھی
YBF
یعقوب بسکٹ فیکٹری۔ سکھر

Orient

ننھے ہاتھ نئی تحریریں

اپنی تحریریں مختصر بھجوائیں تاکہ شائع ہو سکیں. تحریر صاف خوش خط اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں. نقل شدہ کہانیاں بھجوانے سے گریز کریں. اس لئے کہ تحریروں کی چوری آپ کی ذات کے اچھے تاثر کو بھی خراب کرے گی اور آپ مستقبل کے بڑے ادیب بھی نہیں بن سکیں گے۔

عادل

مرسلہ: درینہ حمید
اسٹاف ٹاؤن جامعہ کراچی

عادل کے ابو ایک بڑے آفیسر تھے۔ عادل اُن کی اکلوتی اولاد تھا اس لئے وہ اُسے جان سے بھی زیادہ پیار کرتے تھے. عادل کچھ دنوں سے اپنے والدین کو پریشانی کی حالت میں دیکھ رہا تھا آخر ایک دن جب پریشانی زیادہ بڑھ گئی تو عادل سے رہا نہ گیا اور اُس نے اپنے والد سے کہا۔

"ابو جان کوئی بات ایسی ہے جسے آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں؟" "ارے بیٹا! کوئی بات نہیں ہے"۔ ارے بتا دیں نا عادل کی امّی بستر پر سے بولیں۔

بٹیا وہ دراصل وہ میں نے تمہیں بتایا تھا نہ کہ کوئی غیر ملکی مجھ سے ملنے آئے گا۔ وہ پرسوں آیا تھا اُس نے بڑی ہی اہم بات بتائی ہے۔ وہ کیا ابّا جان! عادل نے دلچسپی سے پوچھا بٹیا عادل وہ کہہ رہا تھا کہ اگر ہم اپنے ملک کے خفیہ نقشے اُس کو دے دیں تو وہ ہمیں بڑی سے بڑی رقم دینے کو تیار ہے۔" اچھا تو یہ بات ہے" مگر ابو جان آپ نے انکار کر دیا ہوگا؟ عادل سوالیہ نظروں سے ابّو جان یعنی عارف صاحب کی طرف دیکھ رہا تھا۔

نہیں بیٹا میں نے اُس سے تھوڑے سے دن سوچنے کے لئے مانگے ہیں۔ ابھی ہمارے پاس دو دن اور ہیں۔ تو کیا ابّو جان! آپ ....آپ اُسے دے دیں گے! نہیں بٹیا میں تو مزاق کر رہا تھا۔ مگر ابّو کے اس مذاق میں بھی عادل بہت سی باتوں کو سمجھ چکا تھا مثلاً عارف صاحب جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر لالچ کی سیڑھی بیچ میں آگئی تو ابّو جان اس پر ضرور چڑھیں گے۔ عادل اُس وقت تو چپ رہا لیکن کمرے میں آکر وہ دیر تک اسی کے متعلق سوچتا رہا کہ ....خواب میں بھی وہ یہی سوچتا رہا لیکن اس کے ابو نے وہ نقشے دشمن کو دے دیئے ہیں۔ مگر جب اُس کے ابّو نے صبح اُسے تسلی دلائی کہ وہ نہیں دیں گے تو عادل کو ذرا سا اطمینان ہوگیا، مگر وہ اپنے والدین کے ارادے بھانپ چکا تھا۔

رات کو جب عادل سو رہا تھا تو اُسے یوں لگا کہ باہر کے گیٹ پر کچھ آدمی باتیں کر رہے تھے۔ وہ وہ لان میں پہنچا ہی تھا کہ اُسے ایک جھٹکا لگا!!

دو آدمی رات کی تاریکی میں آم کے درخت کے نیچے بیٹھے باتیں کر رہے تھے وہ کافی دیر تک کھڑا رہا تقریباً ۴۰ منٹ بعد وہ دونوں اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور ایک واپس چلا گیا اور ایک گھر کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ عادل کا دل دھک دھک کرنے لگا خوف سے اُس کا رواں رواں کانپنے لگا۔ اُس کے دل میں مختلف خیالات آرہے تھے۔ کہ وہ شخص اُس کے گھر میں کیوں جا رہا ہے؟ اُس کے ارادے کیا ہیں؟ کہیں خطرناک تو نہیں؟ اسی کشمکش میں مبتلا خوف کے باوجود وہ اُس آدمی کا پیچھا کرنے لگا جواب آہستہ آہستہ گھر کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اتنے میں گلی میں سے ایک گاڑی گزری اُس کی لائٹ جب آدمی پر پڑی تو عادل کی حیرت کی انتہا نہ رہی وہ آدمی.... عادل نے دل میں سوچا" یہ .... ابّو........جان .....نہیں نہیں ایسا ابو جان وہ نقشے دشمن کے حوالے نہیں کر سکتے یہ سوچ کر عادل نے بھاگنا شروع کر دیا۔ اب اس کی منزل پولیس اسٹیشن تھی وہ

بھاگے جا رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ دشمن کو سب کچھ معلوم ہو جائے وہ پولیس کے پاس پہنچنا چاہتا تھا۔ اُس نے تھانے پہنچ کر ساری بات تھانے دار کو بتا دی۔ اب پولیس کے لوگوں کے ساتھ بارہ سالہ عادل بھی تھا۔ انہوں نے عادل کے ابّا کو گرفتار کرلیا۔ عادل کے ابّا بجائے اس کے، کہ وہ اپنے بیٹے پر غصّہ کرتے کہ نہ وہ بتاتا نہ وہ پکڑے جاتے۔ خوشی سے عادل کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اللہ نے انہیں کتنا ہونہار بچّہ عطا کیا ہے، پولیس افسر نے کہا۔ عادل بیٹے آج تم پر یہ نام بہت سج رہا ہے۔

عادل نے ابّو سے کہا۔

ابّو مجھے آپ کی گرفتاری پر دکھ تو ضرور ہو رہا ہے مگر کیا کروں، یہ بات بھی تو مجھے آپ ہی نے بتائی تھی کہ اپنے وطن اور قوم کی حفاظت کو اپنے والدین سے بھی زیادہ اہم سمجھنا میں نے آپ ہی کے کہنے پر عمل کیا ہے ابّو۔ ابّو کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو آگئے۔

پانی

سید جاوید حیدر شاہ (راولپنڈی)

سن لو بچو! ایک کہانی
دیکھا ہوگا تم نے پانی
پانی ہے قدرت کی نعمت
زندہ ہیں ہم اس کی بدولت
پانی کو پیتے ہیں انساں
پانی کو پیتے ہیں حیواں
لالہ، سوسن، نرگس، کنول
پانی سے زندہ ہے ہر گل
کاظم اور حمیرا آؤ
آکر قدرت کے گن گاؤ

دوستی

مرسلہ: سائرہ شفیع محمود آباد کراچی

امجد اور اسلم دونوں دوست تھے دونوں کے گھر ایک ہی محلے میں تھے اور جب وہ صبح پانچ بجے اٹھتے تو دونوں مسجد میں نماز پڑھنے کے کے لیے جاتے اور جب واپس آتے پھر اپنے اپنے گھر میں چلے جاتے اور پھر سات بجے گھر سے اسکول کے لیے روانہ ہوتے اور اسکول میں بھی اُن کی دوستی کی مثال ان کے استاد دوسرے بچوں کو دیتے تھے اور پڑھائی میں بھی ان کی بہت تعریف ہوتی اُستاد ان سے بہت خوش تھے اور ان کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے۔ اگر انہیں اسکول سے کوئی کام ملتا تو وہ دونوں ایک

جگہ بیٹھ کر کام کرتے اور دوسرے دن اسکول میں جاکر ماسٹر صاحب سے چیک کرواتے اور پھر ماسٹر صاحب اُن کو شاباش دیتے اور کہتے اسی طرح کام کرتے رہا کرو اور جب امتحانوں کا زمانہ آتا تو وہ بہت محنت کرتے اور اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتے وہ دونوں اپنے اپنے والدین کا ادب کرتے اور ان کی عزت کرتے اسی طرح وہ روزانہ اسکول جاتے ایک دن جب وہ اسکول گئے تو کچھ بُرے لڑکوں نے امجد کو کہا کہ اسلم دوسروں سے کہتا ہے کہ امجد اچھا لڑکا نہیں ہے اور بھی بہت سی ایسی باتیں کرتا ہے کچھ لڑکوں نے اسلم کو بھی ایسی ہی باتیں بتائیں مگر اسلم نے ان کی باتوں پر ذرا بھی کان نہ دھرا دوسری طرف امجد اسلم کا دشمن ہو گیا اور اسلم سے ہر وقت لڑنے کی تاک میں رہتا ایک دن امجد اسکول سے غیر حاضر تھا تو اسلم پریشان ہو گیا اور اسکول کی چھٹی کے بعد گھر آگیا اور اپنی کتابیں میز پر رکھ کر کرسی پر بیٹھ گیا اور جب اس کی امی نے پریشانی کی وجہ پوچھی تو اس نے سب کچھ سچ سچ بتا دیا اس کی امی نے کہا کوئی بات نہیں میں ابھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں یہ کہہ کر وہ اسلم کو لے کر امجد کے گھر گئیں اور ساری بات امجد کی امی کو بتائی اور اسلم نے امجد کی امی سے پوچھا خالہ امجد کہاں ہے امجد کی امی نے کہا اس کو تو بخار ہے اِس وجہ سے آج وہ اسکول نہیں گیا اسلم امجد کے پاس گیا اور اُس کا حال پوچھا تو پھر بھی اس نے اسلم سے بولنے سے انکار کر دیا تو اسلم نے کہا امجد تم غلط فہمی میں ہو اور پھر اسلم نے وہ سب باتیں بتا دیں تو امجد نے اسلم سے کہا کہ اسلم تم مجھے معاف کر دو تو اسلم نے کہا اس میں معافی مانگنے کی کیا ضرورت ہے ہمارے دِل صاف ہیں اس کے بعد اسلم امجد کو خدا حافظ کہہ کر اپنی امیّ کے ساتھ گھر آگیا اُس دن کے بعد کبھی وہ کسی کی باتوں میں نہیں آئے اب ہر کوئی اپنے بچوں کو ان کی دوستی کے قصے سناتا ہے کہتے ہیں کہ اب تک ان کی دوستی قائم ہے اور ہر ایک کی زبان پر ان کا نام ہے

غم

ظفر محمود انجم

بچوّ غم کو دور بھگاؤ
اس کو اپنے پاس نہ لاؤ
دنیا میں غم چیز بُری ہے
گیت خوشی کے گاتے جاؤ

ہنستے جاؤ گاتے جاؤ

سب کو گلے لگاتے جاؤ

ہنسنے میں راحت ملتی ہے

غم اور درد بھلاتے جاؤ

ماں اور باپ سے جنت حاصل

غم سے انہیں بچاتے جاؤ

دنیا میں جو وقت گزارو

انجمؔ غم کو پاس نہ لاؤ

خدا کی حکمت

خواجہ عمر فاروق
کراچی / النور سوسائٹی

ایک مرتبہ ایک بہت امیر سوداگر اپنا سامان شہر میں فروخت کرنے کے بعد واپس آ رہا تھا اسے کافی راستہ طے کرنا تھا موسم ابر آلود تھا اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور بھگانا شروع کر دیا ابھی اس نے تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ ریت کے جھکڑ چلنے لگے اور بہت تیز بارش شروع ہو گئی اس سوداگر نے اپنے آپ کو بارش سے بچانے کے لئے درخت کے نیچے کھڑا کر دیا اور بارش کو بد دعا دینی شروع کر دی جس کی وجہ سے اسے اس ٹھنڈی شام میں یہ تکلیف اٹھانی پڑی تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد بارش رکی تو سوداگر نے پھر اپنا سفر شروع کیا ابھی اس نے تھوڑا ہی سا فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک ایک درخت کے پیچھے سے ایک بدمعاش نکلا اور بیوپاری سے کہنے لگا مجھے اپنا بٹوہ دے دو میں گھوڑا اور بٹوہ دونوں لینا چاہتا ہوں سوداگر ایک بہادر آدمی تھا اس نے نیچے چھلانگ لگائی اور اس سے پہلے کے بدمعاش سنبھلتا اس کے منہ پر زور کا مکا مارا جس سے وہ بدمعاش نیچے گر گیا لیکن اگلے ہی لمحے وہ بدمعاش پھر کھڑا ہو گیا اور پستول نکال کر سوداگر پر فائر کی کوشش کی لیکن بارش کی وجہ سے بارود گیلا ہو گیا تھا اس لئے پستول نہ چلا اور وہ بدمعاش بارش کو بد دعا دینے لگا اور فوراً بھاگ کھڑا ہوا اس کے جانے کے بعد سوداگر نے جان بچ جانے پر خدا کا شکر ادا کیا اور بارش کو دعا دینے لگا وہ یہ سوچ کر شرمندہ ہو رہا تھا کہ اس نے بارش کو بد دعا دی حالانکہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے ہوتا ہے۔

چڑیا

مرسلہ: شبیر محمد شاہین منشار، کراچی

کیسی پیاری پیاری چڑیا
دل کو لبھانے والی چڑیا
بھولی بھولی صورت اسکی
پیاری پیاری مورت اسکی
چونچ ہے چڑیا کی نوکیلی
بھوری کالی نیلی نیلی
ہم سب تجھ پے واری چڑیا
کیسی پیاری پیاری چڑیا
ہاتھ نہ آئے پھرُ اڑ جائے
دانہ دانہ چُن چُن کھائے
چوُں چوُں چوُں کرتی جائے
اپنے کام بھی کرتی جائے
مل جل کر یہ ساری چڑیا
کیسی پیاری پیاری چڑیا
جوڑ جوڑ کر تنِکا تنِکا
خوب بنائے گھر یہ اپنا
بچہ بچہ اس کو چاہے
دوُر فضا میں اُڑتی جائے
غول بنائے نیاری چڑیا
کیسی پیاری پیاری چڑیا
جب بھی اڑتی آئے چڑیا
چوُں چوُں چوُں گائے چڑیا
دیکھ کے سب کو خوش ہو جائے
خود دیکھے سب کو دکھلائے
خوب بھرے کلکاری چڑیا
کیسی پیاری پیاری چڑیا

کانا بادشاہ

مرسلہ سیدہ فاطمہ مسعود
سٹلائٹ ٹاؤن راولپنڈی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ملک کا بادشاہ کانا تھا ایک دفعہ اس کے خاص درباری نے دربار کے دوسرے لوگوں کے ساتھ شرط لگائی کہ میں بادشاہ کے سامنے اس کو کانا کہوں گا۔ درباریوں کو پتہ تو تھا کہ کوئی بادشاہ کے سامنے کانا نہیں کہہ سکتا اس لئے انہوں نے یہ شرط قبول کر لی اور دو ہزار اشرفیاں دینے کا وعدہ کیا کہ اگر بادشاہ کے سامنے اس کو کانا کہہ دے اُس درباری نے بادشاہ کو جا کر کہا کہ بادشاہ سلامت میں ایک کہانی سناؤں بادشاہ نے اجازت دی تو اس نے کہانی شروع کی کہ ایک ملک میں ایک کانا بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ جی ہاں بادشاہ سلامت وہ کانا تھا۔ لوگ اُس کے سامنے اُس کو کانا کہنے سے ڈرتے تھے۔

ایک دفعہ درباریوں نے شرط لگائی کہ جو بادشاہ کو کانا کہے گا اسے دو ہزار اشرفیاں ملیں گی اور جس نے شرط لگائی وہ بادشاہ کو کہے گا کہ تو کانا، تو کانا، تو کانا اسی طرح درباری نے کئی مرتبہ یہ الفاظ کہے۔

بادشاہ اندر سے کھول رہا تھا۔ لیکن اگر وہ اس درباری کو سزا دیتا تو اس کی خود بے عزتی تھی۔ پھر اس کے بعد درباری نے کہانی کو پھر شروع کیا اور کہا کہ وہ درباری کانے بادشاہ کے پاس گیا اور کہانی سنانے کے بہانے کہانی ہی میں اسے تو کانا، تو کانا، تو کانا کہہ دیا۔

اس کے بعد درباری نے کہانی کو ختم کیا اور محل سے باہر نکل گیا باہر سب درباری سب باتیں سن رہے تھے۔

انہوں نے ہار مان لی اور اس طرح درباری نے اپنی عقل اور ذہانت کے استعمال سے ایک ناممکن بات کو ممکن بنا دیا۔

چُوہے کا بچّہ

فوزیہ زیدی

چُوہے کا بچّہ   خُوشی میں پھُولا
بِل سے جو نکلا   کمرے میں ٹہلا
گڑیا نے دیکھا   وہ پہلے بھاگا
کچھ دیر ٹھہرا   گھبرا کے دوڑا
کس سمت جائے   سمجھ نہ پائے
جھاڑو اٹھائی   میں نے گھمائی
پھر جو لگائی   چوٹ جو کھائی
زُور سے اُچھلا   کونے میں بھاگا
کھیل یہ اپنا   بلّی نے دیکھا
خوشبو جو پائی   دوڑی وہ آئی
پہلے تو جھجکی   پھر اس پہ جھپٹی
ایسا دبُو چا   چوہے کا بچّہ
ہو گیا سارا   بلّی کو پیارا

حاتم سے بڑا مرتبہ

مرسلہ:۔ اسمٰعیل عبدالرحمٰن
میٹھادر، کراچی نمبر ۲

کسی نے حاتم طائی سے سوال کیا کہ آپ نے دنیا میں کسی کو اپنے آپ سے بھی زیادہ سخی پایا؟ حاتم طائی نے جواب! ہاں ایک لکڑ ہارے کو۔ ایک بار میں نے اپنے مہمانوں کے لئے چالیس اونٹ ذبح کئے دعوت عام تھی جو بھی آتا تھا۔ پیٹ بھر کر جاتا تھا اس دن میں کسی ضرورت سے جنگل کی طرف گیا تو وہاں ایک لکڑہارے کو دیکھا جو خشک لکڑیاں اکٹھی کر رہا تھا۔ حاتم کے گھر کیوں نہیں جاتا؟ وہاں تجھے بہترین کھانا ملے گا

لکڑہارے نے میری یہ بات سنی تو بے پروائی سے جواب دیا جو شخص اپنی محنت سے خوراک حاصل کر سکتا ہے وہ حاتم طائی کا احسان کیوں اٹھائے!

اپنی محنت سے کما سکتا ہے جو نانِ جویں
اس کو حاتم کی سخاوت سے سروکار نہیں

اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوتے چلو

سیدّ ریحان حیدر نقوی، خیر پور میرس (سندھ)

بچو! نشان کفر مٹاتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو

جو ہر شجاعتوں کے دکھاتے ہوئے چلو
شیرانِ صف شکن ہو بتاتے ہوئے چلو
نام و نشانِ کفر مٹاتے ہوئے چلو
اسلام کا پیام سناتے ہوئے چلو
تاریکیٔ جہاں کو مٹاتے ہوئے چلو
ظلمت کدے میں شمع جلاتے ہوئے چلو
کردار اپنا خلق کے سانچے میں ڈھال دو
تیغ ستم شعار کے تم بَل نکال دو
بڑھ کر کمند چاند ستاروں پہ ڈال دو
جو بھی وطن پہ آئے بلا اس کو ٹال دو
دنیا کو حوصلہ یہ دکھاتے ہوئے چلو
دشمن پہ ضرب کاری لگاتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو
اپنے وطن کی شان بڑھاتے ہوئے چلو

"کامیابی" زندگی کو ایسا نکھارتی ہے جیسا کہ سورج کی کرنیں منقش گلاس کو۔

محنت کی عظمت

مرسلہ ۔ محمد طاہر رضا، میرپور خاص

میں محنت کروں گا میں محنت کروں گا
میں آگے بڑھوں گا میں آگے بڑھوں گا
میں آگے ہمیشہ ہی بڑھتا رہوں گا
بزرگوں کی عزت بھی کرتا رہوں گا
جو لکھتے نہیں ہیں جو پڑھتے نہیں ہیں
وہی لوگ آگے بھی بڑھتے نہیں ہیں
میں لوگوں میں سبقت بھی حاصل کرونگا
میں محنت پہ دل اپنا مائل کرونگا
پڑھ لکھ کے اچھا سا افسر بنوں گا
کہ محنت سے عزت بھی حاصل کرونگا

چراغ راہ گزر

خواجہ عمر فاروق
کراچی (النور سوسائٹی)

ایک دفعہ ایک شخص حضرت ابراہیم ادھمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے شیخ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے مجھے کوئی نصیحت کیجئے تاکہ میں اس پر عمل کروں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ نے فرمایا اگر تو چھ باتوں کو قبول کرے گا تو کوئی گناہ تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پہلی بات تو یہ جب گناہ کرے تو خدا کی روزی نہ کھا؟ اس شخص نے کہا جب وہی رازق ہے تو اور کہاں سے کھاؤں" انہوں نے فرمایا یہ بات اچھی نہیں کہ آقا کی نافرمانی کرے اور پھر اسی کی روزی کھائے۔"

دوسری بات یہ کہ "اگر گناہ کرے تو خدا کے ملک سے باہر نکل جانا؟

"اس نے کہا مشرق و مغرب، شمال و جنوب سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے آخر میں کہاں جا سکتا ہوں؟ آپؒ نے فرمایا۔

"یہ بات اچھی نہیں کہ تو اللہ کی زمین پر رہے اور اس کی نافرمانی کرے۔

دعا

جب سے امتحان کی تاریخوں کا اعلان ہوا تھا اُس کا دماغ ماؤف ہوا جارہا تھا آج فروری کی پہلی تاریخ تھی اور ۲ فروری کو اس کا پہلا پرچہ تھا۔ صرف تین دن اور پوری کی پوری آٹھ کتابیں انگلش، اردو، حساب۔ میں ...... میں ..... یا خدایا میں کیا کروں؟ اُف! اب کیا ہوگا۔ اب کیا ہوگا؟ یہی ایک سوال اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا اس کے ہواس گم ہوتے جارہے تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔ اور وہ بار بار یہی کہے

جارہا تھا۔ اُف اب کیا ہوگا۔ گذرے ہوئے سال کا ایک ایک دِن اس کے سامنے تھا۔ مگر صرف پچھتاوا بن کر لے کاش میں آوارہ گردی نہ کرتا۔ میں خوامخواہ اپنا وقت ضائع نہ کرتا۔ صرف پڑھائی کرتا ...... میں خوب محنت کرتا اور اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوتا۔ مگر...... سارا سال گزر گیا۔ اور میں نے کتاب کا ایک لفظ بھی یاد نہیں کیا اور اب صرف تیس دِن........

والدین کی اُمیدیں........ دوستوں کے روبرو بے عزتی .... بدنامی .... رشتہ داروں کی باتیں ...... اساتذہ کی جھڑکیاں...... فیس، کتابیں، غریب والدین ..... بہن بھائی۔ اب اسے ہر خیال پریشان کر رہا تھا۔ ذہن میں آندھیوں کے جھکڑ چل رہے تھے۔ میں فیل ہو جاؤں گا۔ میں فیل ہو جاؤنگا۔ اور کوئی بات سُوجھ نہ رہی تھی وہ سب سے الگ تھلگ اپنی سوچوں میں اُلجھا ہوا اپنی جان کو کوس رہا تھا فیل ہو جانے کی شرمندگی کا تصور اسے ڈس رہا تھا۔ سارا دِن اسی سوچ میں گزر گیا۔ رات بھی نیند اس سے کوسوں دور تھی ذہن میں ایک ہی سوال بار بار گھوم رہا تھا۔ اب کیا ہوگا؟

لیکن قدرت تو ہمیشہ اپنے بندوں پر مہربان رہی ہے۔ یہ انسان کی غفلت اور خطائیں ہوتی ہیں۔ جو اُسے بُرے دِن دکھاتی ہیں خدا تعالیٰ بڑا رحیم ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی مخلوق پر رحمت کرتا ہے آج شاید قدرت اس پر مہربان تھی۔ رحمان اور رحیم خدا کو اپنے اس بندے کی پریشانیوں پر رحم آگیا تھا تبھی تو رات اس سے کسی نے سرگوشی کی کہ حامد دعا سب کچھ کر سکتی ہے۔

اور پھر جیسے اسے کسی نے جھنجھوڑ ڈالا۔ اس کی کایا پلٹ دی۔ وہ اُٹھا تو یہی جُملہ اس کے ذہن میں گھوم رہا تھا۔ حامد دعا ہی سب کچھ کر سکتی ہے پھر اسی لمحہ اس نے پُرسکون انداز میں وضو کیا۔ اور سجدہ میں، گِر کر اپنے خدا کے حضور گڑگڑا کر دعا کی۔ آنسوؤں سے اس کا چہرہ تر تھا وہ اپنے خدا سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا تھا۔ اور خدا سے اپنی کامیابی کی بھیک مانگ رہا تھا۔ پھر نماز اور تلاوت سے فارغ ہو کر اس نے ساری کتابوں کے چیدہ چیدہ سوالات نوٹ کر لئے۔ اور بقیہ دِنوں کا مضمون وار ٹائم ٹیبل بنا کر دعاؤں کے سہارے ایک نئے عزم کے ساتھ پڑھائی شروع کر دی۔

آج کے بعد صرف کتابیں ہی اس کی دوست تھیں اور سب سہاروں سے بڑا سہارا خدا تھا۔ اس کی زندگی بالکل بدل گئی تھی۔ صبح نوافل ادا کرتا۔ پنجوقتہ نماز باقاعدگی سے مسجد میں ادا کرتا اور خدا تعالیٰ کے حضور التجائیں کرتا اور پھر پڑھائی میں مگن ہو جاتا آہستہ آہستہ دِن گذرتے

رہے حامد پرسکون ہو کر محنت کرتا رہا۔ اور آخر ۲۰ فروری کا دن بھی آن پہنچا۔ آج اس کا پہلا پرچہ تھا۔ اور وہ خدا کے بھروسے پر مطمئن تھا۔ کتاب کے تمام اہم سوالات اسے ازبر تھے۔ اور دعائیں اس کے ہونٹوں پر مچل رہی تھیں۔ اور جب سوالات کا پرچہ اس کے سامنے آیا۔ تو وہ خوشی سے اُچھل پڑا اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ جن چند اہم سوالوں کی اس نے تیاری کی تھی۔ سارا پرچہ انہی میں سے تھا۔ اس کا دل خدا کے شکر کی کیفیت سے سرشار ہو گیا۔ اور پھر تو ہر پرچہ میں یہی ہوا۔ اکثر سوالات وہی ہوتے جن کی اس نے تیاری کی ہوتی۔ اور وہ پورے کا پورا پرچہ درست حل کر کے اُٹھتا......

ایک ایک کر کے تمام پرچے ختم ہو گئے اور وہ پھر خدا تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گیا وہ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا۔ اور اپنی نمایاں کامیابی کے لئے دعا کرتا۔

تین ماہ کے انتظار کے بعد آخر وہ دن بھی آگیا۔ جس کا ہر طالب علم کو بڑی بے چینی سے انتظار ہوتا ہے۔ یعنی نتیجہ کا دِن...... پورے سال کا ثمر ملنے کا دِن......

صبح ہی صبح لڑکے نتیجہ معلوم کرنے کے لئے سکول بھاگ رہے تھے اور جب نتیجہ کا اعلان ہوا تو بھی کے چہروں پر حیرانگی کے تاثرات تھے۔

جنگل کی بارش

محمود حسین، کراچی

بارش آئی بارش آئی

لی پرندوں نے انگڑائی
کوئل کو کو گاتی آئی
بھالو نے پھر چھڑی گھمائی
بارش آئی بارش آئی

چڑیاں چوں چوں بول رہی ہیں
کانوں میں رس گھول رہی ہیں
طوطے نے رٹ خوب لگائی
بارش آئی بارش آئی

شیر اتنی زور سے دھاڑا
ہاتھی دھم دھم بھاگا آیا
لومڑ نے بھی صدا لگائی

بارش آئی بارش آئی

مُجرم

مُرسلہ: عمر حیات، کریم آباد، ٹنڈو محمد خان

زاہد اور ماجد دو بھائی تھے۔ بچپن میں ان کے والدین وفات پا چکے تھے۔ اور اب ان کے چچا نے بھی اِن کو گھر سے نکال دیا تھا۔ دونوں ایک دوکان کے سامنے اُداس بیٹھے تھے۔ ان کو اپنے ماں باپ شدت سے یاد آ رہے تھے۔ اچانک زاہد کو ایک خیال آیا۔ اُس نے ماجد سے کہا کہ دونوں شہر میں قسمت آزمائی کرتے ہیں۔ شاید کوئی نوکری مل جائے۔ شام کو دونوں واپس اِس دوکان کے نیچے پہنچ جائیں گے۔ پھر زاہد نے کہا کہ پہلے میں جاتا ہوں اور کھانے کا انتظام کرتا ہوں فی الحال تم یہیں بیٹھے رہنا۔ یہ کہہ کر زاہد بازار گیا اس کے پاس دو روپے تھے اس نے ایک روپے کی روٹیاں اور ایک روپے کے پکوڑے خریدے اور واپس آنے لگا مگر اچانک ایک کار اس کے قریب آ کر رکی۔ اور ایک آدمی نے اس سے کہا کہ "بیٹا آؤ ہم تمہیں چھوڑ دیں گے کار میں بیٹھ جاؤ"۔ زاہد بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں اچانک اُس آدمی نے اِس کی ناک پر رومال رکھ دیا۔ اس رومال میں نہ جانے کیا تھا کہ وہ بے ہوش ہوگیا جب اسے ہوش آیا تو وہ ہی آدمی کہہ رہا تھا۔ "باس لڑکا اچھا ہے بس کام بن جائے۔ کوئی اس پر شک بھی نہیں کرے گا۔ ہم آرام سے اس کے ذریعے ہیروئن باہر اسمگل کر سکیں گے۔" یہ سن کر زاہد سمجھ گیا کہ وہ اسمگلروں کے جال میں پھنس گیا ہے۔ وہ اب کیا کر سکتا تھا۔ اس نے خود کو حالات پر چھوڑ دیا۔

اِدھر ماجد زاہد کا انتظار کرتا رہا مگر وہ نہ آیا تو رونے لگا۔ اسے روتا دیکھ کر ایک آدمی اس کے قریب رُکا اور اِس سے پوچھا کہ وہ کیوں رو رہا تو اس نے اپنی بپتا سنائی یہ سن کر وہ شخص بولا آج سے تم میرے بیٹے ہو۔ وہ شخص بہت رحم دل تھا۔ اس نے ماجد کو پڑھا لکھا کر انسپکٹر کے عہدے تک پہنچا دیا۔ ماجد بہت فرض شناس افسر تھا۔ ایک دن اسے اطلاع ملی کہ کچھ اسمگلر اسمگلنگ کی کوشش کر رہے ہیں اور ان کا ٹرک شمالی راستے سے آ رہا ہے ماجد نے ناکہ بندی کر کے ٹرک کو پکڑ لیا اور ٹرک میں سے ہیروئن برآمد کر لی۔ جو شخص گرفتار ہوئے ان میں زاہد بھی تھا۔ جو اَب اسمگلر بن گیا تھا۔ ماجد اور زاہد نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور ایک دوسرے سے مِل کر خوب روئے۔ زاہد نے اس سے کہا "کیا تم مجھے گرفتار کر دوگے، اپنے بھائی، کو۔" ماجد نے کچھ دیر سوچا پھر کہا! "زاہد تم اس وقت مجرم ہو صرف مجرم" یہ کہہ کر اُس نے اِسے ہتھکڑی لگا دی۔ اور اِسے جیل پہنچا دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ دفتر میں بیٹھا اپنا استعفیٰ لکھ رہا تھا۔

جذبۂ تعمیر

مرسلہ: شہانہ شمشاد، شومارکیٹ، کراچی

"جلدی سے اٹھ جاؤ اسکول نہیں جانا کیا؟؟" امی نے عادل کے منہ پر سے کمبل اتار دیا۔"

"اوہو ابھی تو چھ ہی بجے ہیں آپ نے ابھی سے اٹھادیا۔ عادل دوبارہ بستر پر دراز ہوگیا۔"

"عادل بیٹے دیکھو ٹائم کیا ہوگیا ہے" امی کی آواز سن کر عادل نے وال کلاک کی جانب دیکھا "اوہو! سات بج گئے" یہ کہہ کر اس نے بستر پر سے چھلانگ لگادی۔

"ایک تو اسکول ٹائم بھی اتنا غلط ہے اور سردیوں میں آنکھ کھلتی ہے تو سات بج جاتے ہیں۔ غضب کی سردی پھر صبح ہی اسکول پہنچو!" تیار ہونے کے ساتھ عادل بڑبڑا بھی رہا تھا۔

"عادل ناشتہ کرلو ثوبیہ تمہارا انتظار کررہی ہے۔"

"اب کیا ناشتہ کرنا اتنی دیر ہوگئی ہے۔"

"وقت پر کام تم نہیں کرتے ہو اور الزام دوسروں کو دیتے ہو۔ نومی کو دیکھو تم سے چھوٹا ہے۔ مگر جلدی اٹھتا ہے اور تیار بھی تم سے پہلے ہوجاتا ہے۔"

اس نے غصّے سے بستہ اٹھایا اور ثوبی کو اسکول چھوڑکر خود تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے اسکول پہنچ گیا، اور لیٹ آنے کی وجہ سے اس کو سزا بھی ملی۔ سزا کی وجہ سے موڈ سخت آف ہوگیا۔ بمشکل تمام پیریڈ اٹینڈ کئے اور جیسے ہی انٹرویل کی بیل بجی اس نے کینٹین کی طرف دوڑ لگادی مگر جب جیب میں ہاتھ ڈالا تو سخت مایوسی ہوئی۔ کیونکہ جلدی میں وہ پیسے لانا بھی بھول گیا تھا۔ سخت جھنجھلاہٹ کے عالم میں کلاس میں واپس آگیا۔

اور پھر اسکول سے واپسی پر اس نے گھر میں قدم رکھتے ہی چلّانا شروع کردیا "امی امی! کھانا لگادیں مجھے بھوک لگی ہے۔"

"امی تو گئیں ہوئیں ہیں، بھائی جان۔ نومی نے عادل کو مطلع کیا۔"

"کہاں ہیں؟؟"

"ثوبیہ کی فیس جمع کروانے گئیں ہیں۔ کل آپ سے ابّو نے کہا تھا کہ ثوبی کی فیس جمع کروادیں مگر آپ تو خود ہی لیٹ ہوجاتے ہیں۔ ثوبی کی فیس کیا جمع کراتے!؟"

"اچھا زیادہ بدتمیزی نہ کرو" یہ کہہ کر عادل نے نومی کے گال پر ایک تھپڑ جڑدیا اور نومی نے زور زور سے رونا شروع کردیا۔

اس کو خاموش کرنے کے لئے عادل نے اچھی خاصی پٹائی کرڈالی۔

اور شدّتِ بھوک کی وجہ سے باورچی خانے کا رُخ کیا۔ اسی عرصے میں کال بیل بجی اور پھر امی داخل ہوئیں۔

"یہ کیا شور مچا رکھا ہے نومی؟" امّی نے سوال کیا۔
اور جواب میں نومی نے تمام روداد سنا ئی ڈالی۔
"عادل یہ کیا بدتمیزی ہے"۔
"امّی وہ میں نے ......"
"ادھر آؤ یہاں آکر بیٹھو" امّی نے کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ اور خود کھانا لگانے میں مصروف ہوگئیں۔
"عادل آج جو تم کو وقت پر کھانا نہیں ملا تو تم نے کیسا ہنگامہ مچایا ہے۔ جبکہ تم خود ہر کام کو کاہلی اور سستی سے کرتے ہو۔ اس کی وجہ سے ہم سب لوگوں کو کتنی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کا تمہیں کوئی اندازہ نہیں۔ تمہاری وجہ سے ثوبیہ کو اسکول میں سزا ملی۔ مجھے پریشانی اٹھانی پڑی مگر ہم میں سے کسی نے بھی کبھی کوئی ہنگامہ نہیں مچایا۔"
"اور تم نے ذرا سی بات پر نومی کی پٹائی کر ڈالی"۔
"مگر امّی نومی نے تو میرے ساتھ بدتمیزی کی تھی!"
"غلطی سراسر تمہاری ہے۔ عادل اور اب تمہیں اچھی طرح سوچ لینا چاہیے اور کاہلی اور سستی چھوڑ دینی چاہیے کیونکہ جب تم اچھے کام کروگے تو تمہارے چھوٹے بہن بھائی بھی تمہارے نقش قدم پر چلیں گے۔"
"اب کھانا کھالو" امّی نے اچھا خاصا لیکچر دینے کے بعد کہا۔
اس نے خاموشی سے کھانا کھایا اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ غلطی واقعی اسی کی ہے۔
رات کو اپنے بستر پر لیٹ کر اس نے گزشتہ واقعے کے متعلق سوچا وہ جتنا سوچ رہا تھا اس کو اپنی غلطی اتنی ہی واضح محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ سوچا اور پھر مطمئن ہو کر آنکھیں موند لیں۔
"ارے عادل بیٹے اٹھو بھئی!" امّی نے عادل کو جھنجھوڑا۔
"اُف خدا اتنی سردی ابھی تو کافی ٹائم ہے" یہ سوچ کر اس نے آنکھیں بند کیں اور دوبارہ کمبل تان لیا۔ مگر پھر اس کو کچھ یاد آیا وہ چھپاک سے بستر سے کودا اور فوراً ہی تیار ہو گیا۔ اور سب سے پہلے ناشتے کی میز پر پہنچ گیا۔
اسکول بھی وقت پر پہنچا۔
اور پھر جب اس نے تمام وقت کا تجزیہ کیا تو وہ سوچنے لگا کہ آج کا دن بہت اچھا گزرا ہوم ورک بھی کر لیا اور اسکول بھی وقت پر پہنچ گیا۔ اور...
"بھائی جان کیرم کھیلیں گے میرے ساتھ؟" نومی کی آواز سے اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔
"نہیں بھئی مجھے پڑھنا ہے ویسے بھی ایگزام قریب ہیں"۔
"مگر ایگزام میں تو پورا ایک ماہ باقی ہے!" نومی حیرت سے بولا۔ "ہاں! لیکن ہم آج کا کام کل پر ڈالتے رہے تو وقت گزر جائے گا۔"
"اور میں نے ویسے بھی کافی وقت ضائع کر لیا تم ثوبی کے ساتھ کھیل لو۔ میرا وقت کافی قیمتی ہے" عادل نے بات پوری کر کے نومی کی طرف دیکھا تو سامنے ہی امّی ابو نظر آئے جو اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

خرگوش اور ریچھ

یہ بات ان دنوں کی ہے جب جنگل میں بھی قانون کی بالادستی تھی جنگل میں ایک خرگوش رہتا تھا جس کا نام منو تھا. منو بہت شرارتی تھا دِن بھر بچوں سے لڑتا رہتا ان شرارتی جانوروں کی ایک ٹیم تھی جس میں لومڑی، چوہیا، بندر شامل تھے. یہ ٹیم اپنی شرارتوں کی وجہ سے جنگل میں "فرینڈ اینڈ کمپنی جنگل" نام سے مشہور تھی.

پہلے ایک واقعہ سناتی ہوں یہ واقعہ خرگوش کے کانوں کی وجہ سے مشہور ہے ......

ہاں تو ایک دِن منو سیر کو جا رہا تھا کہ اسے ایک مسافر نظر آیا وہ دبے پاؤں چلتے مسافر کے پاس پہنچا اس نے دیکھا کہ مسافر کے سامنے شہر شہد کے ڈبے پڑے ہیں...... دراصل وہ شخص شہد کا چھوٹا تاجر تھا...... اور شکاری بھی.......

خرگوش نے شہد کا ایک ڈبہ اٹھایا اور ایک جنگل میں آگیا راستے میں اسے ریچھ جسے لوگ ریچھ میاں کہتے کہتے تھے مل گیا ریچھ نے کہا..... کہ منے میاں یہ ڈبہ کہاں سے لے آئے ہیں. خرگوش نے کہا کہ. میں شہد کا یہ ڈبہ دریا کے اس پار ایک آدمی سے لیا ہے شہد کا نام سنتے ہی ریچھ کے منہ میں پانی آگیا......

اور وہ دریا کے اس پار چل پڑا تب تک وہ آدمی جا چکا تھا ریچھ پانی سے بہت ڈرتا تھا لیکن شہد کی لالچ میں وہ تیرنے کے لئے تیار ہو گیا اور پانی میں داخل ہو گیا. دریا میں ایک کچھوا رہتا تھا ریچھ پانی میں داخل ہو گیا تو کچھوے نے ریچھ کی لمبی دم کو کاٹ ڈالا دراصل اس زمانے میں ریچھ کی لمبی دم ہوتی تھی.......

تکلیف سہتے ہوئے وہ اس پار پہنچا لیکن وہاں کوئی آدمی نہ تھا. ریچھ کو بہت غصہ آیا لیکن وہ چپ چاپ جنگل واپس آگیا.

ریچھ کو دم کے بغیر دیکھ کر کتے ہنسنے لگے ریچھ غصے سے ان کی طرف جھپٹا کتے اس کو چھوڑ کر فرار ہو گئے.

ریچھ نے خاموشی اختیار کر لی اور بدلہ لینے کی سوچنے لگا..... لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی مجبوراً وہ جنگل کے جج بھیڑیئے کے پاس پہنچا بھیڑیے یعنی بڑے خان نے خرگوش کو بلایا اور سزا کے طور پر وکیل لومڑ سے کان کھینچوائے اس طرح خرگوش کے کان لمبے ہو گئے.

اور انہی دِنوں سے خرگوش کے لمبے کان ہوتے ہیں ریچھ کی دم چھوٹی ہوتی ہے.

بُری صحبت کا انجام بُرا

مرسلہ: محمد رفیع انصاری

کسی کسان کے کھیت میں کونجوں کی ڈار اتر

کر روزانہ فصلوں کو برباد کرتی تھی آخر کار کسان نے تنگ آ کر وہاں جال لگایا اور پوری ڈار اس میں پھنس گئی ان میں ایک بگلا بھی پھنس گیا کسان جب بگلے کو ذبح کرنے لگا تو بگلا رو رو کر کہنے لگا کہ میں اس کھیت میں پہلی دفعہ آیا ہوں اور میری غذا بھی دانہ دُنکا نہیں میں صرف مچھلی کھاتا ہوں اس کے علاوہ میں عبادت گزار ہوں دنیا مجھے بگلا بھگت کہتی ہے اس لئے مجھے چھوڑ دیجئے۔

کسان بولا بگلے میاں یہ بات تو تم ٹھیک کہتے ہو لیکن اس وقت تو تم ان بدمعاش کونجوں کے ساتھ پکڑے گئے ہو اس لئے تمہیں اس کی سزا تو بھگتنی پڑے گی اور یہ کہہ کر کسان نے بگلے کے اوپر چھری پھیر دی اسی لئے کہتے ہیں بری صحبت کا انجام بھی بُرا ہوتا ہے اگر بگلا کونجوں کی ڈار کے ساتھ کھیت میں نہ اترتا تو آج اس کا یہ حشر نہ ہوتا۔

جیسے کو تیسا

ایک جنگل میں بہت سے جانور رہتے تھے ان میں سے ایک بلّی تھی جس کے چار چھوٹے چھوٹے بچے تھے اس کے گھر کے سامنے ایک کتے کا گھر تھا کتا ہر وقت اس تاک میں رہتا تھا کہ کب بلّی کہیں جائے اور میں اس کے بچوں کو ہڑپ کر جاؤں بلی کے گھر کے برابر میں ایک خرگوش کا گھر تھا ایک دن بلّی بازار گئی تو اپنے بچوں کو تاکید کی کہ وہ گھر سے باہر نہ جائیں۔

بلّی کے جانے کے بعد باہر کچھ بچوں کو کھیلتے دیکھ کر ان کا بھی دل للچایا اور وہ باہر جا کر ان کے ساتھ کھیلنے لگے کتا دور سے بلی کے بچوں کو کھیلتے دیکھ رہا تھا جب سب بچے گھر چلے گئے اور بلی کے بچّے بھی اپنے گھر چلے گئے کتے نے سوچا اس سے اچھا موقع شاید نہ آئے وہ دبے قدموں بلی کے گھر کی طرف گیا۔ اور بلی کے گھر میں داخل ہو گیا۔ اور بلّی کے بچوں کو اپنے گھر لے جا کر کوٹھری میں بند کر دیا بلی جب گھر آئی تو اس نے گھر کا دروازہ کھلا دیکھا اور جب وہ اندر گئی تو اس نے دیکھا کہ بچے گھر میں نہیں ہیں وہ گھبرا کر باہر گئی اور سب جانوروں سے پوچھا مگر ہر ایک نے جواب دیا کہ ہمیں نہیں پتا جب وہ خرگوش کے گھر پہنچی تو خرگوش نے اسے روتے دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے بلی بہن تم کیوں رو رہی ہو بلّی نے کہا میں بازار سودا سلف لینے گئی تھی واپس آئی تو گھر کا دروازہ کھلا تھا اور بچے گھر میں نہیں تھے خرگوش نے کہا بہن بلی پریشان نہ ہو میں ابھی جا کر معلومات کرتا ہوں اسے بھی یقین تھا کہ یہ کتے کی ہی شرارت ہے یہ سوچ کر وہ سیدھا کتے کے گھر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا اندر سے کتے کی آواز آئی کون ہے خرگوش نے کہا بھائی مجھے سخت پیاس لگی ہے ذرا ٹھنڈا

پانی پلا دو کتے نے سر درد کا بہانہ کر کے ٹالنا چاہا۔
لیکن خرگوش نے اصرار کیا تو کتے نے دروازہ کھول دیا خرگوش اندر گیا تو کتے نے دل میں سوچا کیوں نہ اس کو بھی قابو کر لیا جائے یہ سوچ کر اس نے خرگوش سے کہا آؤ اندر چل کر باتیں کریں۔ اور جیسے ہی خرگوش کمرے میں داخل ہوا تو کتے نے جھپٹ کر دبوچ لیا اور کہا دیکھا چالاک بننے کا مزہ اور اسے بھی برابر والی کوٹھری کا تالہ کھول کر اندر پھینک دیا جب خرگوش کے حواس ٹھکانے آئے تو اس نے دیکھا کہ کوٹھری کے ایک کونے میں بلی کے چاروں بچے آہستہ آہستہ رو رہے تھے بچے اسے دیکھ کر خوش ہو گئے۔

خرگوش نے کہا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں میں ابھی کوئی ترکیب کرتا ہوں یہ کہہ کر اس نے ایک کونے میں گڑھا کھودا کوٹھری کی زمین کچی تھی اس لئے خرگوش جلد ہی ایک سرنگ بنانے میں کامیاب ہو گیا اور چاروں بچوں کو نکالنے کے بعد خود بھی نکل گیا اسی وقت کتا گھر میں داخل ہوا اور کوٹھری کا دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بچے اور خرگوش غائب تھے اور جب اس کی نظر سوراخ پر پڑی تو وہ سب سمجھ گیا اور مکان سے نکل کر بھاگا مکان کے پچھلی طرف ایک بڑا سا باغ تھا خرگوش اور بلی کے بچے اس وقت تک ایک کھوکھلے تنے میں چھپ چکے تھے اور گھاس پھوس سے خود کو چھپا لیا تھا جب کتا وہاں پہنچا تو اسے کوئی نظر نہ آیا۔ وہ کافی دیر تک وہاں پہرا دیتا اور انہیں ڈراتا رہا لیکن وہ چھپے رہے آخر تنگ آکر کتا یہ کہہ کر چلا گیا کہ صبح میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ کچھ دیر بعد خرگوش نے بچوں کو لے کر گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔ گھر پہنچ کر بچوں نے ماں کو دیکھا تو اس سے لپٹ گئے۔ پھر خرگوش نے بلی سے کہا کہ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔ صبح ہم ضرور اسے سزا دیں گے۔ دوسری صبح خرگوش نے بلی کو ساتھ لیا اور تھوڑے فاصلے پر بنے ہوئے کنویں پر پہنچ گیا، جہاں کتا روز پانی بھرنے آتا تھا وہاں پہنچ کر بلی کو خرگوش نے جھاڑی میں چھپا دیا۔ حسبِ معمول کتا جب وہاں پانی بھرنے پہنچا تو خرگوش کنویں کی دوسری طرف چھپ کر بلانے لگا۔ بچاؤ، بچاؤ میں ڈوب رہا ہوں کتے نے جب آوازیں سنیں تو وہ دل میں بڑا خوش ہوا کہ اب میں اسے نہیں چھوڑوں گا اس نے کنویں کے چاروں طرف دیکھا اور سوچا کہ خرگوش کنویں میں گر گیا ہے یہ سوچ کر وہ کنویں میں دیکھنے کے لئے جونہی جھکا تو بلی نے اسے زور سے دھکا دے دیا اور اس طرح وہ ڈوب کر مر گیا اور اسے اپنے کئے کی سزا مل گئی۔

کاہل کا مقدر

مرسلہ، محمد سید عباس لاہور

یہ ایک کاہل کی کہانی ہے۔ جسے ایک واقعے نے اچانک محنتی بنا دیا۔ اس بچے کا نام سلیم تھا۔ میرا ہم جماعت تھا۔ لیکن بہت نالائق تھا۔ اس بار خلاف توقع اس نے چوتھی جماعت میں اوّل پوزیشن حاصل کی تو میں نے اسے مبارک باد دی۔ اور اس سے اس تبدیلی کی وجہ دریافت کی اس نے بتایا کہ ہمارے گھر میں بابا رحمو نام کے ایک باورچی ہیں۔ ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا "بیٹا یہ خط سناؤ مجھے پڑھنا نہیں آتا" شاید اس کے گاؤں سے کسی رشتہ دار کا خط آیا تھا۔ میں نے بابا رحمو سے کہا کہ "میں ابھی کھیل رہا ہوں تم بھائی جان سے پڑھوا لو۔ بابا رحمو خاموشی سے اٹھ کر باورچی خانے چلے گئے اور کھانا پکانے لگے۔ میں نے گیند کو بلّے سے ہٹ کیا تو سیدھا باورچی خانہ میں گیا۔ جب میں اپنی گیند لینے باورچی خانہ گیا تو دیکھا کہ رحمو بابا رو رہے ہیں۔ میں نے دیکھا تو بہت افسوس ہوا۔ اور رحمو بابا سے کہا "آپ نہ روئیں اور مجھے خط دیں میں سناتا ہوں۔ آپ کو تو میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ آپ روکیوں رہے ہیں؟ بابا بولا بیٹا میں اپنے بچپن کی کاہلی یاد کر کے رو رہا تھا کہ اگر میں بچپن میں دل لگا کر پڑھتا اور علم حاصل کرتا تو آج میری بھی دنیا میں عزت ہوتی۔ میں نے اپنی کاہلی کی وجہ سے پہلی جماعت میں ہی پڑھائی چھوڑ دی تھی اور اب یہ ہے میری کاہلی کا صلہ۔ بابا پھر رونے لگا۔ بابا کی ان باتوں نے اور اس کے احساس ندامت نے میرے ذہن پر بڑا اثر ڈالا اور پھر میں نے دل لگا کر پڑھنا شروع کر دیا۔

اطلاع برائے مشتہرین

بچوں کی تعلیم تربیت اور کردار سازی سے متعلق کتب، رسائل اور دیگر اداروں کے اشتہار ماہنامہ آنکھ مچولی پچاس فیصد کی خصوصی رعایت پر شائع کرے گا۔ خواہشمند ادارے معلومات کے لئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

فون نمبر ۲۹۴۲۹۱،۵ لائنیں
ماہنامہ آنکھ مچولی
گرین گائیڈ اکیڈمی ۱۱۲، دلی سائیٹ کراچی

MASS

ملک کی بہترین خوشبوجات تیار کرنے والے ادارے SMC اسٹینڈرڈ مینوفیکچرنگ کمپنی لمیٹڈ کے تعاون سے شائع کیا گیا

قلمی دوستی

آؤ ملائیں ہاتھ

محمد اصغر نو سال
جماعت پنجم، مشغلہ، تیراکی
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
گورنمنٹ ہائی اسکول، جیوانی، مکران ـــــ بلوچستان

الیاس احمد، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، انگریزی
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
گلی نمبر ا، مکان نمبر ۲۸، عبداللہ پارک ـــــ لاہور

شیر محمد افضل، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ سکّے جمع کرنا
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
رول نمبر ۹۳ گورنمنٹ ہائی اسکول شمس آباد، ـــــ ملتان

فیصل سعید، گیارہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ ہاکی کھیلنا
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہوکر فوجی آفیسر بننا چاہتا ہوں
نزد جی پی او کالونی، باڑہ روڈ، یونیورسٹی ٹاؤن، پشاور

شعیب الرحمٰن، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ مصوری کرنا
پسندیدہ مضمون، ڈرائنگ
بڑے ہوکر نامور مصور بننا چاہتا ہوں
کوارٹر نمبر سی/۴ نیو بیراج کالونی، ـــــ سکھر

محبوب احمد، تیرہ سال
جماعت ہشتم، مشغلہ خدمت خلق کرنا
پسندیدہ مضمون، انگلش
بڑے ہوکر فوجی آفیسر بننا چاہتا ہوں
معرفت آصف بک ڈپو، کنڑی، ـــــ ضلع تھرپارکر

محمد سلیم شاہد، پندرہ سال
جماعت، ہشتم، مشغلہ، مطالعہ کرنا
پسندیدہ مضمون، سائنس
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں

ماسٹر عمارتی اسٹور، مین بازار، شاھین آباد، گوجرانوالہ

ولی محمد، چودہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
بڑے ہوکر نامور کرکٹر بننا چاہتا ہوں

۴/اے، ۱۰/۳، لانڈھی نمبر ۶، ــــ کراچی نمبر ۳۰

شفیع محمد، بارہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں

اے/۴/۱۰، ۳ لانڈھی نمبر ۴ ــــ کراچی نمبر ۳

حافظ طاہر علی، تیرہ سال
جماعت پنجم، مشغلہ، مطالعہ کرنا۔
پسندیدہ مضمون، اسلامیات
بڑے ہوکر عمدہ آدمی بننا چاہتا ہوں

معرفت، قاضی عبدالرحمٰن فاروقی، اراضی خاص، براہ ساگری، راولپنڈی

عاطف حسین، چودہ سال
جماعت نہم، مشغلہ، مطالعہ کرنا
پسندیدہ مضمون، مطالعہ پاکستان
بڑے ہوکر اچھا انسان بننا چاہتا ہوں

۳/ڈی، ۱۸/۲۸ ناظم آباد نمبر ۳، کراچی نمبر ۱۸

پرویز میمن، پندرہ سال
جماعت، ہشتم، مشغلہ کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، انگلش
بڑے ہوکر کرکٹر بننا چاہتا ہوں

فلیٹ نمبر ۱۷، حاجیانی منزل، اولڈ کمہارواڑہ، کراچی

عبدالرزاق، پندرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ موٹر سائیکل چلانا
پسندیدہ مضمون، انگریزی
بڑے ہوکر رضاکار بننا چاہتا ہوں

عبدالرزاق چغتائی، محلہ گلشن آباد ــــ گوجرانوالہ

مرزا وسیم بیگ، سولہ سال
جماعت دہم، مشغلہ ٹکٹ جمع کرنا
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہوکر انجینئر بننا چاہتا ہوں

اے، کے، ۱۸/۱۲۸ ایسن روڈ، جے، ڈی، جی نمبر ۱، کراچی ۵۳

عبداللطیف حاجی موسیٰ، پندرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، خط و کتابت
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہوکر چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ بننا چاہتا ہوں

۱۲، اکبری مارکیٹ، میٹھادر، ــــ کراچی نمبر ۲

احسان عمران، پندرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، بیالوجی
بڑے ہوکر فلمی ہیرو بننا چاہتا ہوں

پٹھان تمباکو فروش، صدر بازار، راجن پور

اسحٰق پرویز، پندرہ سال
جماعت، دہم مشغلہ معلومات عامہ
پسندیدہ مضمون، بیالوجی
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
گلی نمبر ۸ مکان نمبر ۵۰۰ حفضہ مسجد، بلاک ڈی شیر شاہ، کراچی

مختار احمد، بارہ سال
جماعت، پنجم مشغلہ، ہاکی کھیلنا
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں۔
پاک جمہوریہ کالونی ——— کراچی

سہیل عبدالرزاق، چودہ سال
جماعت نہم مشغلہ کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہوکر کچھ نہیں بننا چاہتا ہوں
قاضی اشفاق منزل گلی نمبر۲ شاہ عبداللطیف روڈ، بغدادی، کراچی

عبدالعزیز عاربی، اٹھارہ سال
جماعت، دہم مشغلہ سکے جمع کرنا
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہوکر فوجی بننا چاہتا ہوں
مکان نمبر ایچ/۴ سائیٹ پوسٹل کالونی، کراچی ۱۶

طفیل احمد، تیرہ سال
جماعت ہشتم مشغلہ مطالعہ کرنا
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہوکر ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں
کلیم اللہ دست فروش، شہداد کوٹ ——— سندھ

محمد نواز، بارہ سال
جماعت، پنجم مشغلہ، سیر و سیاحت
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں
معرفت محمد صدیق، بی/۹۵، بلدیہ روڈ، منچن آباد، بھاولنگر

محمد اجمل شاد، بارہ سال
جماعت، ہفتم مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہوکر انجنیئر بننا چاہتا ہوں
معرفت چودھری فقیر محمد کارخانہ دار، منچن آباد، بھاولنگر

فہیم احمد طاہر، بارہ سال
جماعت، ششم مشغلہ، رسائل پڑھنا
پسندیدہ مضمون، اردو
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں
مکان نمبر ۲/۶، دارالعلوم غربی، ——— ربوہ

سہیل اختر، تیرہ سال
جماعت، ہفتم مشغلہ ہاکی کھیلنا
پسندیدہ مضمون، فزکس
بڑے ہوکر وکیل بننا چاہتا ہوں
مکان نمبر ۸۷۷/اے، محمود آباد گیٹ۔ کراچی نمبر ۴۴

افتخار الحسن، پندرہ سال
جماعت، دہم مشغلہ بیڈمنٹن کھیلنا
پسندیدہ مضمون، فزکس
بڑے ہوکر قوم کی خدمت کرنا چاہتا ہوں
گورنمنٹ پائلٹ سیکنڈری اسکول، پھالیہ، گجرات

محمد خرم شفیق، چودہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، فزکس
بڑے ہوکر کرکٹر بننا چاہتا ہوں

۱۲/۹۶ء گلبرگ ——— کراچی نمبر ۳۸

نویدالحق، پندرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ کہانیاں لکھنا
پسندیدہ مضمون، انگلش
بڑے ہوکر سرجن بننا چاہتا ہوں

مغلیہ بیلڈنگ ۴/۴ بلاک این، نارتھ ناظم آباد، کراچی ۳۳

محمد آصف سہیل، چودہ سال
جماعت ہفتم، مشغلہ، کرکٹ کھیلنا
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہوکر پائلٹ بننا چاہتا ہوں

محلہ عزیب آباد، مینا روڈ ——— خانیوال

امانت شاہین، سولہ سال
جماعت، دہم، مشغلہ، طبی کتب پڑھنا
پسندیدہ مضمون، انگلش
بڑے ہوکر ڈاکٹر بننا چاہتا ہوں

محلہ بلال گنج، نزد ریلوے اسٹیشن ——— نارووال

عدنان عطا خان، گیارہ سال
جماعت، ہفتم، مشغلہ، ٹکٹ جمع کرنا
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہوکر الیکٹریکل انجنیئر بننا چاہتا ہوں

۳/۶-اے ۴/۵۱۱ ابدالی کالونی ——— ملتان

محمد رضا، پندرہ سال
جماعت دہم، مشغلہ، باغبانی
پسندیدہ مضمون، حساب
بڑے ہوکر انجنیئر بننا چاہتا ہوں

۲۰۲، بلاک بی لطیف آباد نمبر ۷، حیدر آباد، سندھ

- طالبات قلمی دوستی کے لئے اپنی تصاویر نہ بھجوائیں
- قلمی دوستی میں صرف اسکول کے طلباء شریک ہو سکتے ہیں۔
- کوپن اور تصویر کے بغیر شرکت ممکن نہیں۔
- خراب تصاویر اور نامکمل کوپن قابل قبول نہ ہوں گے۔

نام ——— عمر ——— کلاس ———
مشاغل ——— بڑے ہوکر کیا بننا چاہتے ہیں ———
——— اسکول میں پسندیدہ مضمون ———
پتہ ———

ایک صفحہ امّی ابُو کے لیے

بچّوں کی تربیّت کے راھنما اُصول

LANGUAGE RESEARCH PROJECT CENTRE
UNIVERSITY OF KARACHI

Director
Dr. ABULAIS SIDDIQI
Professor Emeritus

KARACHI - 32
(Pakistan)
Phones Res. 46 39 42

اس مرتب میں نے آنکھ مچولی سے درخواست کی کہ یہ صفحہ مجھے لکھنے دیں۔ بات یہ تھی کہ میں چند ہفتے پہلے ایک ایسی کانفرنس میں شرکت کے بعد واپس آیا جس میں جنوب اور مشرقی ایشیا کے چین سے پاکستان تک دس ممالک کے نمائندے شریک تھے اور اُن سب کا تعلق بچّوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت سے تھا، یورپ اور امریکہ کی بجائے ہم نے آس پاس اور آپس کی باتیں کیں، عجب اتفاق ہے کہ کسی ایک مسئلہ یا معاملہ پر بھی اختلاف نہیں تھا، ایک سفارش سب کی متفقہ تھی، اور وہ یہ کہ بچوّں کی ذہنی تربیت ابتدائی تعلیم حکومت کے علاوہ بنیادی طور پر والدین کی ذمہ داری ہے، بہترین مدرسوں میں جن کی ویسے بھی کمی ہے، بچہ جو وقت گزار ہے اس سے کہیں زیادہ وہ گھر پر گزارتا ہے، ہم اپنا معیار زندگی ظاہری طور پر بلند کرنے کی دُھن میں اپنی اس ذمہ داری کو پورا نہیں کر رہے اور جب تک بچے کو محبت اور اچھی تربیت کے ساتھ تعلیم میں بھی والدین کی پوری توجہ نہیں ملے گی یہ صورت حال نہیں بدل سکتی، کیا آپ اس ذمہ داری کو محسوس کرتے ہیں؟ تو پھر آپ خود اپنے سے سوال کیجئے کہ ہم اپنے چوبیس گھنٹوں میں سے کتنا وقت اس فرض کو ادا کرنے میں صرف کرتے ہیں۔ یہ ہمارا سوال ہے اور اس کا جواب باقی سب سوالوں کا جواب

ابواللیث صدیقی

nutty
crispy
crunchy
tasty

Peek
Freans
Peanut
Pik BISCUITS

Peek
Freans
simply splendid

Regd. No. M-266 JANUARY 1987

Monthly AANKH MICHOLEE Karachi

PATTEN No. 7469-7470-7471

Printed by: LAREB Printing Press Phone: 217310